﴿جلد دوم﴾

تصوف کا مکمل

انسائیکلو پیڈیا

شیخ طریقت علامہ محمد اجمل خان مصطفائی

حنفی نقشبندی چشتی اویسی قادری

(ایم اے اسلامیات، ایم اے پولیٹیکل سائنس، ایم اے مطالعہ پاکستان، تاریخ)

خانقاہ نقشبندیہ چشتیہ اویسیہ چھوہر شریف، ہری پور ہزارہ

خیبر پختونخواہ پاکستان

0335-9075053, 0321-9844727

جمله حقوق بحق مصنف محفوظ هیں

نام کتاب : تصوف کا مکمل انسائیکلو پیڈیا
جلد : دوم
مصنف : پیر طریقت علامہ محمد اجمل خان مصطفائی
حنفی نقشبندی چشتی اویسی قادری مجددی
نظر ثانی : ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم (ملائیشیا)
کتابت : جہانگیر خان نقشبندی
صفحات : 524
سن طباعت : 2017
تعداد : ____________
ناشر : مکتبہ ____________
قیمت : ____________ روپے

بیت اللہ تعالیٰ

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ [1]

ترجمہ کنزالایمان: بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سب جہان کا رہنما۔

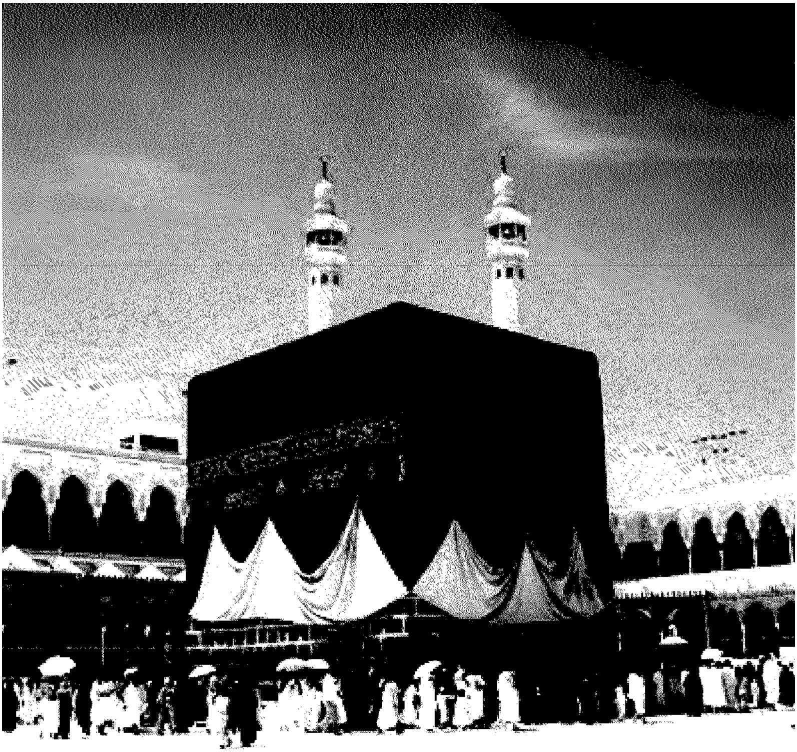

لبیک اللّٰھُمَّ لبیک لبیک لا شریک لك لبیک

---

[1] (سورۃ آلِ عمران، پ۴، آیت نمبر۹۶)

توں شاہ خوباں تو جانِ جاناں　　اے چہرہ ام الکتاب تیرا

نہ بن سکی ہے نہ بن سکے گا　　مثال تیری جواب تیرا

ہے عمر لاکھوں برس کی تیری　　مگر ہے تازہ شباب تیرا

خدا کی رحمت نے ڈال رکھے ہیں تجھ پہ ستر ہزار پردے
جہاں میں بن جائے طور لاکھوں جو اٹھتا اِک بھی حجاب تیرا

روضہ مبارک رسول اکرم ﷺ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُ وُکَ فَاسْتَغْفَرُ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُو اللّٰهَ تَوَّابًاالرَّحِیْمًا۔ [۱]

ترجمہ کنزالایمان: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ﷺ انکی شفاعت (سفارش) فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

نور علی نور
Light
Light

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

[۱] (سورۃ النسآء پ۴، آیت نمبر ۶۴)

شہزادہ اہل بیت سید الشہداء سیدنا امام حسین علیہ السلام کی قدمت اقدس میں سلطان ہند، عطائے رسول ﷺ، قدوۃ الاولیاء، عمدۃ العارفین، امام العاشقین، محسنِ برصغیر، برھان الاسلام شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی المعروف خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ہدیہ عقیدت اس طرح پیش کیا:

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ

دین است حسینؓ دین پناہ است حسینؓ

سر داد نہ داد دستِ دَر دَستِ یزید

حقا کہ بنائے
لا اِلٰہ استِ حسینؓ

روضہ شہزادہ اہلبیت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ

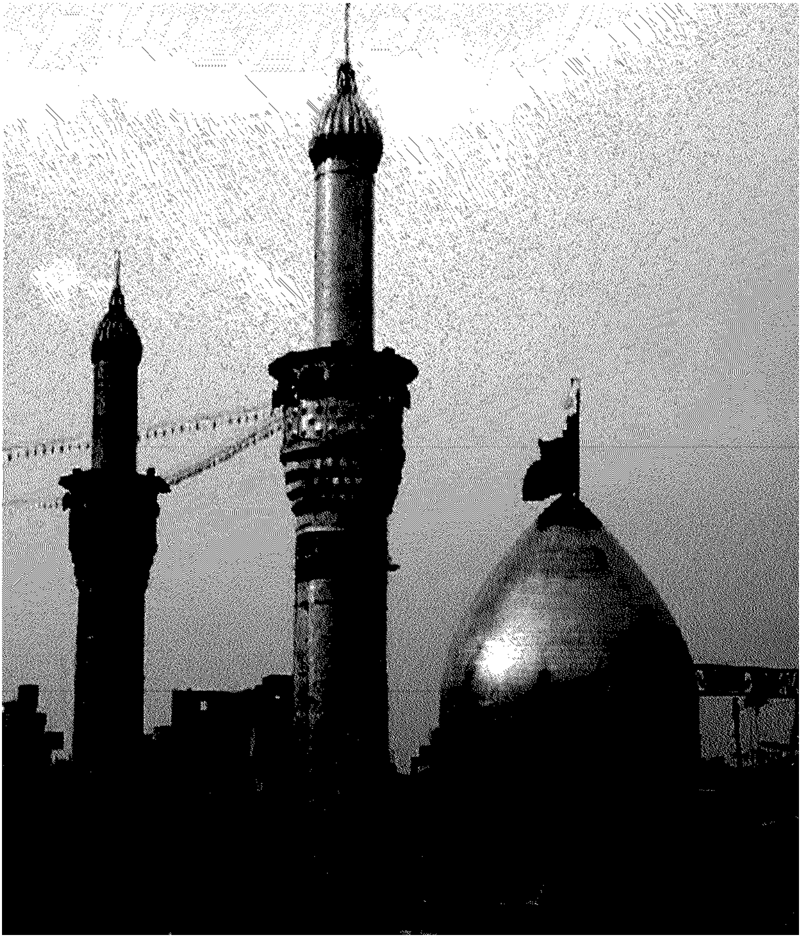

امام حسینؓ کی بارگاہ میں ایک تحفہ

چند مردان حق شہید ہوئے
حشر تک لوگ مستفید ہوئے
سب زمانوں میں صرف ایک حسین
ہر زمانے میں سو یزید ہوئے

شاعر۔ ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم

دعا

کیا جس کو فرشتوں نے ادب سے ایک سجدہ تھا
اِلٰہی پھر سے زمانہ میں وہی انسان پیدا کر

ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم

ایک نصیحت

صاف آئے آئینے میں جو نظر ،تصویر بن
ملت ا سلامیہ کے خواب کی تعبیر بن

ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم

فہرست

حرف حرف خوشبو (تصوف کیا ہے؟) ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم 29
تاثرات از صاحبزادہ الحاج علامہ محمد مطلوب الرسول صاحب........35
الاھداء........36
بفیضان صحبت........37
باب نمبر۱ (صحبت صالحین)........38
صحبت........38
۱) انبیاء........51
۲) صدیقین........51
۳) شھداء........51
۴) صالحین........52
فضائل صحبت........54
صحبت کے احکام........60
آداب صحبت........63
صحبت کے فوائد........67
صحبت کے محرکات........72
مصاحبت اور دوستی کے حقوق........75
باب نمبر۲ (نورانی توجہات)........81

نور کا سینہ بہ سینہ منتقل ہونا.........85
قرآن و حدیث سے توجہ کا ثبوت.........95
توجہ کی اقسام.........98
۱) توجہ انعکاسی.........98
۲) توجہ القائی.........99
۳) توجہ اصلاحی.........99
۴) توجہ اتحادی.........100
۵) توجہ دفع امراض و آفات.........102
۶) توجہ حفاظت و کشش.........102
۷) توجہ عروجی و نزولی.........104
طریق توجہ.........104
اولیاء کرام کے عمل سے توجہ کرنے کا ثبوت اور طریقے.........106
۱) سلطان الاولیاء حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ.........106
۲) حضرت سیدی خواجہ معین الدین چشتیؒ.........108
۳) حضرت امام ربانی قیوم زمانی سید مجدد الف ثانیؒ.........110
باب نمبر۳ (وجد).........112
وجد.........112
تواجد.........114
وجود.........115

وجد کا قرآن مجید سے ثبوت..........115
وجد کا احادیث مبارکہ سے ثبوت..........123
وجد فقہاء و علماء کی نظر میں..........127
وجد کی ماہیت..........134
صاحب وجد لوگوں کی صفات کا بیان..........137
سچے مشائخ کے تواجد کا بیان..........140
سلطان وجد کی قوت، ہیجان اور غلبے کا بیان..........143
صاحب وجد جو ساکن رہے وہ افضل ہے یا وہ جو حرکت میں آئے..........146
وجد کے متعلق ابو سعید بن الاعرابی کا بیان..........149
وجد کیا ہے؟..........158
وجد کی اقسام..........159
وجد کیوں ہوتا ہے؟..........160
گریہ وزاری کی کیفیات..........160
وجد کس طرح پیدا ہوتا ہے؟..........162
وجد ایک وارداتی کیفیت ہے..........164
مقام قرب سے بعد، وجد کی منزل تک پہنچاتا ہے..........165
وجد مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں..........166
باب نمبر۴ (سماع)..........168
اچھی آواز، سماع اور سننے والوں میں تفاوت..........168

سماع اور اس کے معنی کے بارے میں اختلاف........173
عام لوگوں کے سماع کا بیان........176
خاص لوگوں کے سماع کا بیان........184
سننے والوں کے طبقات کے بیان میں........187
ان لوگوں کا بیان جنہوں نے قصائد اور اشعار سننے پسند کیے........193
مریدوں اور مبتدیوں کے سماع کا بیان........197
سماع میں مشائخ کی کیفیت........201
سماع میں خاص الخاص اور اہل کمال کی حالت........208
سماع کے بارے میں ذکر، وعظ و نصیحت اور حکمت وغیرہ........212
ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے سماع اور ان جگہوں پر جانا جہاں قرآن الحان کے ساتھ پڑھا جاتا ہو اور جہاں قصائد پڑھے جاتے ہوں اور لوگ وجد اور رقص میں آتے ہوں کو ناپسند کیا........217
سماع، رقص اور وجد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں........221
حقیقت نماز سے بے خبر........223
سماع کی حقیقت........224
لحن کے ساتھ اشعار سننا........226
سماع اور حالت وجد کی شناخت........228
شعر کی حقیقت اور شعر خوانی........230
سماع میں صورت انکار........231

امرد قوال کے فتنے.............................232
صادقین کا رقص.............................233
مطلق سماع کا انکار نہیں کرنا چاہیے.............................235
سماع کس صورت میں منع ہے.............................237
امرد غلام کا سماع مکروہ ہے.............................238
سماع عوام.............................238
گریہ ادراک.............................239
سماع اشرف علی تھانوی کی نظر میں.............................241
باب نمبر ۵ (مراقبہ).............................245
مراقبہ کی ماہیت وحقیقت.............................248
طریقہ مراقبہ نقشبندیہ.............................249
مراقبات نقشبندیہ.............................249
پہلا مراقبہ.............................249
دوسرا مراقبہ.............................249
تیسرا مراقبہ.............................250
چوتھا مراقبہ.............................250
پانچواں مراقبہ.............................250
چھٹا مراقبہ.............................250
ساتواں مراقبہ.............................250

آٹھواں مراقبہ........251
نواں مراقبہ........251
دسواں مراقبہ........251
گیارہواں مراقبہ........252
بارہواں مراقبہ........253
تیرہواں مراقبہ........254
چودھواں مراقبہ........255
پندھواں مراقبہ........257
سولھواں مراقبہ........258
سترہواں مراقبہ........259
اٹھارہواں مراقبہ........262
انیسواں مراقبہ........264
بیسواں مراقبہ........265
اکیسواں مراقبہ........266
بائیسواں مراقبہ........268
تیئسواں مراقبہ........269
چوبیسواں مراقبہ........271
پچیسواں مراقبہ........273
چھبیسواں مراقبہ........275

ستائیسواں مراقبہ 278
اٹھائیسواں مراقبہ 279
انتیسواں مراقبہ 281
تیسواں مراقبہ 284
اکتیسواں مراقبہ 285
بتیسواں مراقبہ 287
تینتیسواں مراقبہ 289
چونتیسواں مراقبہ 291
پینتیسواں مراقبہ 292
چھتیسواں مراقبہ 294
باب نمبر ۶ (انشراح صدر) 296
قرآن مجید اور شرح صدر مصطفے ﷺ 299
شرح صدو اولیاء 302
باب نمبر ۷ (نور و حجاب) 308
نور کا معنی و مفہوم 308
۱) نور کا لغوی معنی 308
۲) نور کا حکمی معنی 309
۳) نور کا حقیقی معنی 309
حجاب کا معنی و مفہوم 310

حجابات کی اقسام..................310
ا) حجابات ظلمانی..................310
۲) حجابات نورانی..................310
۳) حجابات کیفی..................311
حجاب قلبی..................314
ا) حجابات رینی..................315
۲) حجابات غینی..................316
قلب مصطفے کریم ﷺ..................316
تجلی..................320
تجلی صفاتی..................321
تجلی ذاتی..................322
ا) تجلی ذاتی برقی..................322
۲) تجلی ذاتی دائمی..................322
ا) انبیاء..................323
۲) صدیقین..................323
۳) شھداء..................323
۴) صالحین..................323
نورعرش اور نور قلب..................324
سید البشر ﷺ کی نورانیت..................331

عالم آفاق اور عالم انفس کا تعلق نور..........338
۱) آیت نور کا ربط عالم آفاق سے..........338
۲) آیت نور کا ربط عالم انفس سے..........339
اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے..........339
نور محمدی ﷺ..........344
۱) مثل نورہٖ ای محمد ﷺ..........345
۲) مثل نورہٖ ای نور محمد ﷺ..........345
حقیقت محمدی ﷺ..........350
نورانی احوال..........354
باب نمبر ۸ (فنا و بقا اور سیر باطنی)..........362
فنا و بقا..........362
احوال فنا و بقا..........369
اقسام فنا بلحاظ لطائف..........372
۱) فنائے قلب..........373
1) فنائے مطلق..........378
2) فنائے تام..........379
۲) فنائے نفس..........384
اقسام فنا بلحاظ قرب خداوندی..........390
۱) فنائے صوری..........391

۲) فنائے حقیقی..............................391

اقسام فناء بلحاظ اثرات..............................392

۱) فنائے کسبی و علمی..............................393

۲) فنائے مطلق..............................394

1) فنائے ظاہری..............................395

2) فنائے باطنی..............................395

۳) فنا الفناء (گمشدگی)..............................396

بقا کی اقسام..............................396

۱) دائمی بقا..............................397

۲) جزوی بقا..............................397

۳) عارضی بقا..............................397

متعلقات فناء و بقا..............................398

سیر باطنی..............................400

۱) سیر عروجی..............................401

1) عروج حقیقی..............................401

2) عروج مجازی..............................401

۲) سیر نزولی..............................402

سیر باطنی کا اجمالی تذکرہ..............................402

سیر باطنی کی اقسام..............................405

۱) سیر الی اللہ........................ 406
۲) سیر فی اللہ........................ 406
۳) سیر عن اللہ باللہ........................ 407
۴) سیر فی الاشیاء باللہ........................ 408
سیر اسماء و صفات........................ 409
سیر آفاقی و سیر انفسی........................ 410
سیر اجمالی و سیر تفصیلی........................ 411
باب نمبر ۹ (اصطلاحات و متفرقات)........................ 413
۱) سفر در وطن........................ 413
۲) خلوت در انجمن........................ 414
۳) نظر بر قدم........................ 414
۴) ہوش در دم........................ 414
۵) یاد کرد و یادداشت........................ 414
۶) وقوف قلبی........................ 415
۷) وقوف عددی........................ 415
۸) مراقبہ........................ 415
۹) سلطان ذکر........................ 416
۱۰) رابطہ........................ 416
۱۱) نگہداشت........................ 416

۱۲) بازگشت..................................417
۱۳) وقوف زمانی..................................417
۱۴) تجرید وتفرید..................................417
۱۴) وجد، تواجد اور وجود..................................418
۱۵) غلبہ..................................418
۱۶) مسامرہ..................................418
۱۷) سکر وصحو..................................419
۱۸) علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین..................................419
۱۹) وقت..................................419
۲۰) غیبت وشہود..................................419
۲۱) ذوق وشرب..................................420
۲۲) محاضرہ، مکاشفہ اور مشاہدہ..................................420
۲۳) طوارق وبوادی..................................420
۲۴) تلوین وتمکین..................................420
۲۵) الحق..................................421
۲۶) الحقیقہ..................................421
۲۷) الخطر ات..................................421
۲۸) الوطنات..................................421
۲۹) الطمس..................................421

۳۰) الرمس........................ 421
۳۱) العلائق........................ 422
۳۲) الوسائط........................ 422
۳۳) الزوائد........................ 422
۳۴) الفوائد........................ 422
۳۵) الملجاء........................ 422
۳۶) المنجا........................ 422
۳۷) الکلیۃ........................ 422
۳۸) اللوائح........................ 422
۳۹) اللوامع........................ 423
۴۰) الطّوائع........................ 423
۴۱) الطّوارق........................ 423
۴۲) اللطائف........................ 423
۴۳) السر........................ 423
۴۴) النجویٰ........................ 423
۴۵) الاشارہ........................ 423
۴۶) الایما........................ 423
۴۷) الوارو........................ 424
۴۸) الانتباہ........................ 424

۴۹) الاشتباہ 424

۵۰) القرار 424

۵۱) الانزعاج 424

۵۲) العالم 424

۵۳) المحدث 424

۵۴) القدیم 425

۵۵) الازل 425

۵۶) الابد 425

۵۷) الذات 425

۵۸) الصفۃ 425

۵۹) الاسم 425

۶۰) التسمیہ 425

۶۱) النفی 425

۶۲) الاثبات 426

۶۳) الشیان 426

۶۴) الضدان 426

۶۵) الغیران 426

۶۶) الجوہر 426

۶۷) العرض 426

۶۸)الجسم..426

۶۹)السوال..426

۷۰)الجواب..427

۷۱)الحسن..427

۷۲)القبیح..427

۷۳)السفہ..427

۷۴)الظلم..427

۷۵)العدل..427

۷۶)الملک..427

۷۷)الخاطر..427

۷۸)الواقع..428

۷۹)الاختیار..428

۸۰)الامتحان..428

۸۱)البلاء..428

۸۲)التحلی..428

۸۳)التجلی..428

۸۴)التخلی..429

۸۵)الشرود..429

۸۶)القصود..429

۸۷) الاصطناع.......... 429

۸۸) الاصطفاء.......... 430

۸۹) الاصطلام.......... 430

۹۰) الرین.......... 430

۹۱) الغین.......... 430

۹۲) التلبیس.......... 430

۹۳) الشرب.......... 431

۹۴) الذوق.......... 431

حقائق سبعہ.......... 431

ختم شریف سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم.......... 432

ختم شریف حضرت خضر علیہ السلام.......... 432

ختم شریف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہٗ.......... 433

ختم شریف اصحاب ثلاثہ یعنی حضرت عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیھم اجمعین.... 433

ختم شریف حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالی عنہٗ.......... 433

ختم شریف حضرات خواجگانِ نقشبندیہ رحمت اللہ تعالی علیہ.......... 434

ختم شریف حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمت اللہ تعالی علیہ.......... 435

ختم شریف حضرت خواجہ بہاؤ الدین شاہِ نقشبند رحمت اللہ تعالی علیہ.......... 435

ختم شریف حضرت خواجہ باقی باللہ رحمت اللہ تعالی علیہ.......... 435

ختم شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمت اللہ تعالی علیہ.......... 436

ختم شریف حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمت اللہ تعالی علیہ.................436
ختم شریف حضرت مولانا محمد ہاشم سمنگانی رحمت اللہ تعالی علیہ.................436
ختم شریف حضرت خواجہ محمد لعل قندوزی مدطلہ العالی
(المعروف حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ العالی).................437
ختم شریف شیخ محمد اجمل خان حنفی مجددی.................437
شجرہ مبارک نقشبندیہ مجددیہ.................437
باب نمبر۱۰ (اللہ تعالی کی محبت کا بیان).................440
محبت کے معانی.................441
قرآن مجید اور محبت کا بیان.................441
حدیث مبارکہ میں محبت کا بیان.................442
اولیاء عظام کا تصور محبت.................444
حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ اور نظریہ محبت.................445
حضرت خواجہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شوق و محبت کا بیان.................446
محبت اور معتبر صوفیہ کرام کے اقوال.................447
حقیقت محبت.................450
خواص کی محبت.................452
محبت کی اقسام.................452
محبتِ خاص کے نتائج.................454
محبت کا مفہوم.................455

حقیقت عشق........................457
قیام محبت اور نور یقین کا غلبہ........................459
محبت کا ظاہر و باطن........................459
رموز محبت........................461
باب نمبر ۱۱ (روحانی خوابوں کی تعبیر اور مشاہدات)........................465
خواب کی تعریف........................465
خواب کی اقسام........................466
۱) حدیث نفس........................466
۲) تخویف شیطان........................466
۳) مبشرات ربانی........................466
خواب کی درستی علامتوں سے مشروط........................468
خوابوں کے فرق کی معرفت........................469
علم تعبیر کی مشہور شخصیات........................471
قرآن مجید سے علم تعبیر کی فضیلت........................472
خواب کی تعبیر کی فضیلت احادیث مبارکہ کی روشنی میں........................475
شیطان خوابوں میں کون کون سی شکل میں نہیں آ سکتا........................476
تعبیر خواب کی فضیلت اکابرین کے اقوال کی روشنی میں........................477
خواب کی تعبیر کن لوگوں سے پوچھے........................478
روحانی خواب اور ان کی تعبیریں (۴۵ خواب)........................479

حرف حرف خوشبو (تصوف کیا ہے؟)

ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم ۔۔۔۔(لیکچرار اسلامک سنٹر) ملائیشیا

drazamraza@gmail.com

ایک مرتبہ بابا فریدؒ کا ایک مرید آپ کے پاس آیا وہ لوہار کا کام کیا کرتا تھا آپ کے لیے خاص قینچی بنا کر لایا اور آپ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوتے ہی عرض کرنے لگا۔ بابا جی یہ میں اپنے رزق حلال آپ کے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔

بابا جی نے جب قینچی دیکھی تو مسکرا دیئے اور فرمایا بیٹا درویش تحفہ رد نہیں کیا کرتے، البتہ جب اگلی مرتبہ آنا تو سوئی لے کر آنا۔ اب جب وہ مرید اگلی مرتبہ حاضر ہوا تو سوئی لے کر آیا۔ آپ کی خدمت میں سوئی پیش کی تو آپ نے فرمایا اس مرتبہ ہم نے تمہارا تحفہ خوشی سے قبول کیا اور پسند بھی کیونکہ قینچی کا کام کاٹنا اور سوئی کا کام سینا ہوتا ہے اور درویش کاٹنے کا نہیں سینے کا کام کرتے ہیں درویشوں کا کام محبت والفت کے رشتوں کی بنیاد رکھنا ہوتا ہے۔

جی ہاں محبتوں شفقتوں اور سچائیوں پر مشتمل ہر ایسے تعلق کا نام تصوف ہے جو بندوں کو اپنے کریم رب کی قربت عنایت کرے۔

تصوف کی تعریفیں مختلف ادوار میں مختلف رہی ہیں ہر ولی اللہ نے اس موضوع کو اپنے اقوال اور اعمال سے ایک رونق بخشی، اگر یوں کہا جائے کہ تصوف اللہ سے بے غرض دوستی اور محبت کا نام ہے تو ہم اس بات کو امام غزالی سے کیئے گئے ایک سوال کے جواب سے بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ مسلمان اور مومن میں کیا فرق ہے؟ آپؒ نے فرمایا ''مسلمان وہ ہے جو اللہ کو ایک مانے اور مومن وہ ہے جو اللہ کو بھی مانے اور اللہ کی بھی مانے، یقیناً جو اللہ کی مانے گا اللہ اسے اکیلا نہیں چھوڑے گا، اپنے کرم کریمانہ سے نوازے گا وہ اِنَّ اولیاء اللہ کا

مصداق ٹھہرے گا، **لاخوف علیھم ولاھم یحزنون** اس کا خاصا بن جائے گا اور بادشاہوں کے بادشاہ خالق و مالک کی قربت کی لذت و چاشنی اسے دنیا کی عارضی زندگی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے نہیں دے گی، معرفت اس کا اوڑھنا بچھونا ہوگی انسانیت کی خدمت اس کا مقصد ہوگا، **وصل الی اللہ** اس کی تمنا ہوگی خوشنودی اور رضاء الٰہی اس کا مطمع نظر ہوگا، تنہائیوں کا متلاشی ہوگا شاہراہ حیات پر ایسی قیام گاہ اسکی آرزو ہوگی جہاں وہ ہو اور بس اس کا خدا ہو۔ **صلوٰۃ و صوم** اس کا شعار ہوگا اپنے محبوب کو مختلف اداؤں سے راضی کرنا اس کا مقصود بن جائے گا، لائق مسجود سے رکوع وسجود میں آہ وزاری کرنا اور اس سے ہر لحہ قربت کی التجائیں کرنا اس کی نوکری بن جاتی ہے مگر ان میں سے کسی میں **مالکم و اولاوکم فتنه** کی طلب نہیں ہوتی، **ان الابرار لفی نعیم** کے مقام میں ٹھہرنے کی لالچ نہیں ہوتی، **ان الفجار لفی حجیم** کے مقام میں دھنسے جانے کا خوف نہیں ہوتا بس فقط رب رب اور رب ہوتا ہے۔ جس کی انتہا رضی اللہ عنھم پر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ رابعہ بصریؒ ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لئے بھاگی جارہی تھیں سفیانؒ نے پوچھا اے رابعہ بھلا اتنی تیزی سے کہاں جارہی ہو اور پھر ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ، یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تو فرمانے لگی آگ تو رابعہ نے اس لئے پکڑ رکھی ہے کہ اس جنت کو لگادوں اور جلا کر خاک کردوں جس کی لالچ میں لوگ عبادت کرتے ہیں اور پانی اس لئے کہ اس جہنم کو بجھادوں جس کے خوف کی وجہ سے لوگ عبادت کرتے ہیں۔

جی ہاں! تصوف کی ایسی تعریفیں بھی ملتی ہیں مگر ان لوگوں کے لیے عبادت کا مقصد فقط اور فقط **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** کی عزت بخشنے والے رب کی رضاء ہوتی ہے مقامِ عبدیت کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔ نعمتوں کا حصول نہ تو آرزو ہوتی ہے نہ ہی مقصود پھر رابعہ سجدے میں گرتی ہیں موذن صبح کی اذان دیتا ہے عشق الٰہی میں اس قدر مستغرق کہ اٹھ کر اپنے کریم عزوجل سے شکوہ کرتی ہیں بھلا دیکھو تو سہی شکوہ کیا ہو رہا ہے کہ اے میرے رب تو نے رات اتنی چھوٹی بنائی ہے کہ رابعہ کا ایک سجدہ پورا نہیں ہوتا ادھر اویس قرنی ہیں عشق رسول ﷺ کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں جب حبیب ﷺ کے محبّ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں کیا خوب کہتے ہیں آج کی رات رکوع کی رات آج کی رات عبادت کی رات اور پھر پوری رات اس ایک

ادا میں خدا کو راضی کرتے کرتے صبح ہو جاتی۔

بہر حال عبادات کی وسیع دنیا میں بھی یہ مقام ہے دوسری طرف اخلاق حسنہ بھی ان لوگوں کا شعار تھا اویس قرنیؓ کو بچے پتھر مارتے ہیں تو فقط یہ آواز بلند ہوتی ہے بچوں اویس کو آہستہ آہستہ پتھر مارو اگر خون نکل آیا تو تمہارے رب کو کیسے راضی کروں گا۔ آزمائشوں تکلیفوں کے سمندر کے سمندر پی جانا جبر وصبر کی جنگ میں صبر کو فتح دلوانا ان لوگوں کے اخلاق ہیں۔

ایسے نفوس مکارم اخلاق کے پیکر ہوتے ہیں ان کے صبر اور نفس پر جبر کی مثالیں قائم ہوئیں ہیں تزکیہ نفس اور تعمیر ظاہر و باطن ان کا مقصد ہوتا ہے دلوں کے ویرانوں کو صاف شفاف کرنا پھر اسے رحمٰن کا گھر بنانا ان کی حیات جاوداں کا مقصود ہوتا ہے حقیقی خالق و معبود ہی ظاہر و باطن میں ان کا مسجود ہوتا ہے خدا کے بندوں سے پیار ان کی خدمت میں عظمت انکا روحانی درس ہوتا ہے۔ جی ہاں! ایسے لوگ ہی حقیقی صوفی کہلاتے ہیں۔

تصوف کا مکمل انسائیکلو پیڈیا ایک ایسی خوبصورت کتاب ہے جس کے مطالعہ کے بعد میں یہ بات وثوق سے کہتا ہوں کہ اس وقت تصوف کے موضوع پر یہ ایک گراں قدر تحفہ ہے تصوف پر اگرچہ اس سے پہلے بھی کافی کام ہوا ہے مگر میری نظر سے عام قاری کے لیے اتنا خوبصورت کام پہلی دفعہ گزرا ہے اس کی وجہ میرے نزدیک تو یہ ہی ہے کہ محمد اجمل خان صاحب کوئی بازاری مصنف اور پیر نہیں بلکہ ان کی گفتگو ان کے انداز ان کی پیار اور مٹھاس بھری باتیں سب اس بات پر دال ہیں کہ جو کچھ اس کتاب میں درج ہے وہ عمل کے آب زم زم سے غسل دے کے لکھا گیا ہے پھر حضور ﷺ کے عشق میں اس محبت کو پکایا گیا ہے پھر وہ تحفہ سرکار کی بارگاہ میں پیش کیا گیا ہے وہاں اس کی منظوری ہوئی ہے تب یہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچا ہے۔ جب قبلہ محمد اجمل خان صاحب نے مجھ سے اس کتاب پر نظر ثانی کو کہا تو کتاب کی ضخامت دیکھ کر اور اپنے وقت کو دیکھ کر تو انکار کے سوا کوئی چارا نہیں تھا مگر نا جانے وہ کیا شوق تھا جس نے مجھے اس کام کے کرنے پر مجبور کیا اور باوجود مصروفیت کے میں نے اس کتاب ے ہر ہر لفظ سے ایسے بات کی جیسے اس کا مصنف اپنی زبان سے مجھے سب کچھ سنا رہا ہے

بہر حال در دل پہ جو دستک اس کتاب نے دی وہ تصویر تو میں نے آپ کے سامنے شفاف آئینے کی طرح پیش کر دی تصوف کے موضوع پر آپ اس کتاب میں بہت اہم چیزیں پڑھیں

گے اور ایسی باتیں جن کو جاننا تصوف کے مغز کو جاننا ہے یاد رہے اسکے ساتھ ساتھ ہمارا مقصد اپنی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے شاہراہ حیات پر کامیابی سے روحانی سفر طے کرنا ہے اس کتاب میں جہاں جہاں اولیاء اللہ کے اقوال ذکر کیے ہیں ان کے ذکر کرنے کا مقصود ہی یہ تھا کہ ایک تو اس وہم کا ازالہ ہو جائے کہ ولایت کسی کونے میں گندگی کے ڈھیر پر پڑے رہنے اور نشہ کرنے کا نام نہیں ہے جو ہمارے سیکولرزم سے متاثر احباب کی سوچ ہے دوسرا یہ بات عیاں ہو جائے کہ اگر کوئی دنیا کی رنگینیوں کو ٹھوکر مارتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ غریب ہے بلکہ وہ فقر کی علامت ہے اور فقر کے متعلق فرمان رسول ﷺ ہے الفقر فخری اور فقر کا مفہوم سمجھنے کے لیے ابتدائی سطح پر ایک جملہ کافی ہے فقر دنیا سے مستغنی ہونے کا نام ہے۔

یہاں مجھے اپنے استاد صاحب کی ایک بات یاد آ رہی ہے بیان کرتا جاؤں ایک مرتبہ بادشاہ محمود غزنویؒ نے اپنے دربار میں فضا میں چند سکے اچھالے تو تمام درباری ان کو اکٹھا کرنے لگے اور چونکہ جو جتنے چن لیتا وہ اسی کے ہوتے تو جب سب درباری سکوں کی طرف لپکے محمود غزنویؒ کا غلام ایاز، محمود غزنویؒ کے قریب ہی کھڑا رہا اور سکے چننے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ بادشاہ نے پوچھا اے ایاز! کیا تجھے سکوں کی ضرورت نہیں تو ایاز کہنے لگا نہیں، جب بادشاہ میرا ہے تو پوری سلطنت میری ہی ہے۔ ایاز کی اس دانشمندی پر بادشاہ حیران رہ گیا کیونکہ ایاز کی اس بات نے بادشاہ کا دل جیت لیا تھا۔

اگر یہی توکل انسان کے پاس آ جائے تو توکل علی اللہ کی اس عظمت کی وجہ سے وہ بلند مرتبہ ہو جائے اس کے اعلیٰ وقار کی وجہ بن جائے یقیناً جو اپنے ربّ عزوجل پر اسی درجہ کا توکل رکھے گا اور ظاہر و باطن دونوں حال سے اس کا اظہار بھی کرے گا تو لازماً اس کا رب بھی اسے عزتوں سے نوازے گا اور دنیا اس کی محتاج ہوگی کیونکہ اسکی دوستی بادشاہوں کے بادشاہ کے ساتھ ہوگئی ہے، اس لئے وہ دنیا پر اس کی رنگینیوں پر وصل کے لمحوں کو ترجیح دے گا ہر وقت حالت نماز میں رہنا اسکی حقیقی لذت کا حصول اس کی روح کی غذا بن جائے گا، سجدوں میں آہ و زاری کرنا، اپنی کمزوری کا اعتراف اور اس کی عظمتوں کا نعرہ لگانا اللہ اللہ کی صدائے دلنواز سے خود کو رطب اللسان رکھنا اس کا قلبی چین بن جائے گا اور اگر یہ سب کچھ میسر آ جائے تو شاہی سے فقیری تک کا سفر کچھ مشکل نہ رہ

جائے گا۔ بہر حال یہ ہی حقیقی کامیابی ہے، کامیاب زندگی گزارنے کے لیے کامیاب لوگوں کے رہنما اصول اپنانے بہت ضروری ہوتے ہیں۔ راقم نے بھی اس سے متعلق دو کتابیں لکھی ہیں عام قارئین کے لیے ان کا مطالعہ بھی فائدہ وافادہ سے خالی نہ ہوگا۔ ایک ''کامیاب زندگی اقوال اولیاءؒ کی روشنی میں'' اور دوسری ''اولیاءؒ اللہ کی باتیں'' بہر حال موصوف نے جس انداز میں محنت کی ہے وہ انکا اپنا ہی خاصہ ہے اور ان کی محنت عام وخاص ہر ایک کے لیے نافع ہے شرط ہے کوئی طالب بھی تو ہو بنا طلب کیا تو کامیابی نہیں ملتی۔

ان ہی کامیاب لوگوں کے وہ اقوال جن پر عمل نہ صرف ظاہری سکون میسر کرتا ہے بلکہ باطن بھی روشن کر دیتا ہے راس کتاب کا نام اسی وجہ سے ''روح اسلام'' رکھا گیا ہے۔ آج اگر امت محمدی ﷺ پر نظر ڈالی جائے تو یہ ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھری اور سمندر کی جھاگ کی طرح کمزور نظر آتی ہے۔ مسلمان کا ہاتھ اور اس کا اپنا ہی گریبان ہے، یہ امت اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی بجائے اغیار کے قدموں میں سر بسجود ہے، ان حالات کو دیکھ کر ہی تو مفکر اسلام کی قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوگئی۔

''تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب کیوں نہیں ہے؟''

اگر ہم ماضی میں جھانکنے کی ذرا ہمت کریں تو ہمارے اسلاف ''شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن'' کے علمبردار دکھائی دیتے ہیں کبھی ابراہیم بن کر آتش نمرود میں کود جاتے ہیں تو کبھی موسیٰ بن کر فرعون سے ٹکراتے ہیں۔ کبھی حسین بن کر یزید کے سامنے کلمہ حق کہتے ہیں تو کبھی سرزمین سندھ پر پرچم اسلام لہراتے ہیں کبھی ساحل اندلس پر کشتیاں چلاتے ہیں تو کبھی شہدائے کارگل بن کر قوم کی حفاظت کا حق ادا کرتے ہیں۔ لیکن آج جو کرب ناک مناظر دیکھنے میں آ رہے ہیں ان کی وجہ فقط یہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے دیئے اسباق اور ان سے حاصل کارناموں کو بھلا دیا ہے اگر آج بھی ہم ان اسباق کو دوبارہ یاد کریں اور عمل پیرا ہو جائیں تو پھر سے شاہی ہمارے قدموں میں ہو، دنیا کے تمام انسان ہمیں سلوٹ (سلام) کریں

اس کتاب کا مطالعہ صرف ایک عام قاری کیے ہی ضروری نہیں بلکہ آج کل وہ لوگ جو عام لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں میری مراد پیران عظام ہیں ان کے لیے زیادہ ضروری ہے

اس کی وجہ حضرت ضیاء الامتؒ کا یہ قول ہے

ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ (حضرت ضیاء الامتؒ)

اپنے رب کریم عزوجل کی بارگاہ لم یزل میں ملتمس ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اس کاوش کو ہر عام و خاص کے لیے نافع بنائے۔ اور محمد اجمل خان صاحب کے قلم اور اس کے لکھے کو اپنی بارگاہ میں درجہ مقبولیت عطا فرمائے نیز ان کی طرح ان کی کتاب کو بھی پیر بنا دے بلکہ دونوں کو کاملیت عطا فرمائے۔ امین بجاہ النبی الکریم ﷺ

ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم
فاضل بھیرہ شریف

www.knowledge4learn.com

تاثرات پیکر اخلاص و محبت سرمایہ اہلسنت شیخ المشائخ حضرت صاحبزادہ الحاج علامہ محمد مطلوب الرسول صاحب

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب تصوف کامکمل انسائیکلو پیڈیا کی مجھے طلب تھی۔ اس تحفہ کتاب کو حاصل کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یہ سالکین و مشائخ کے لیے بے حد مفید ہے۔

منجانب

ناچیز محمد مطلوب الرسول

سجادہ نشین دربار عالیہ قادریہ نقشبندیہ لِلّٰہ شریف تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم،
مہتمم جامعہ مقبولیہ مطلوبیہ نقشبندیہ لِلّٰہ شریف جہلم

0544-217217

الاهداء

اَلْحَمْدُ وُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

سید المرسلین محبوب رب العالمین، رحمت اللعلمین، شفیع المذنبین، نور مجسم ﷺ کے حسن و جمال کے شیدائیوں اور پروانوں یعنی ناموس رسالت ﷺ کے غازیوں اور شہیدوں کے حضور ناز میں بصد شوق و انکسار ارمغان نیاز پیش خدمت ہے اور بندہ ناچیز ان نور کے میناروں یعنی مخدوم امت، عاشق بے مثل حضرت غازی علم الدین شہید لاہوری، محافظ شان مصطفےٰ ﷺ حضرت غازی عبد القیوم خان شہید کراچی، سراپا عشق شہید اعظم ناموس رسالت حضرت عامر عبد الرحمٰن شہید سروکی وزیر آباد، جرنیل عشق، سراپا وفا حضرت غازی محمد ممتاز قادری راولپنڈی، شہداء عشق مصطفےٰ ﷺ نشتر پارک کراچی اور امام عشق فقہی اعظم اعلحضر ت الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا عاجزانہ سلام بروز محشر و قبر شفاعت کی امید کیساتھ پیش کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلُ مِنی بِحُرمَتِ سید الکونین ﷺ و اٰلِہِ الاطہار و اصحابہ کرام اٰمین یا رب اللعٰلمین۔

خاکپاہ اولیاء عظام

شیخ طریقت محمد اجمل خان حنفی مجددی

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، چھوہر شریف ہری پور ہزارہ پاکستان

0335-9075053

0321-9844727

بفیضان صحبت

مرشدی ومخدومی حافظ الطریقۃ العالیہ نقشبندیہ، جامع جمیع سلاسل ولایت، امیر شریعت وطریقت، برہان حقیقت، قطب ارشاد، شیخ المشائخ

حضرت خواجہ محمد لعل حنفی مدظلہ العالی

المعروف حضرت استاد صاحب مبارک، خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، پشاور

باب نمبر ۱

(صحبت صالحین)

صحبت

صحبت کا مطلب دیکھنا، پاس بیٹھنا، ملنا جلنا اور باتیں کرنا ہے۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے میل ملاپ اور اس کی مجلس اختیار کرتا ہو تو اس باہمی رابطے کو صحبت کہا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں صحبت سے مراد حالت ایمان میں حضور نور مجسم ﷺ کے وجود مبارک کا دیدار کرنا اور آپ ﷺ کی نورانی محفل میں شرکت کی سعادت حاصل کرنا ہے۔

صحبت بہت جامع حقیقت کا نام ہے جو بے شمار صفات حسنہ کا منبع اور سبب ہے۔ اسی لیے سیدنا حضور اکرم ﷺ سے فیضانِ صحبت حاصل کرنے والی بے مثل ہستیوں اور شخصیات کو صحابی کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ علماء کے نزدیک صحابی اس عظیم مسلمان کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کی ہو۔ بعض علماء کے نزدیک آپ ﷺ کے چہرہ انور کے دیدار سے مشرف ہونا ہی صحابی کے لیے کافی ہے اگرچہ اس نے آپ ﷺ کی مجلس اختیار نہ کی ہو۔ اسی طرح جس شخص نے کسی صحابیؓ کو دیکھا اور اس کی مجالست اختیار کی وہ تابعی کہلاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے سینہ نبوت سے نور چینی کر کے تزکیہ نفس کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کر لیا۔ کیونکہ صحابہ نے بلا واسطہ سید الکونین ﷺ کے وجود انور سے انوارات و اسرار کی باطنی نعمت حاصل کی اس لیے بعد کے سب اولیاء کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔

صحبت و ہم نشینی کا محرک وجود جنسی ہے۔ اور یہ ہم جنسی بعض دفعہ عام اوصاف کی وجہ سے ہوتی ہے اور بعض دفعہ خاص اوصاف کی بناء پر۔ عام اوصاف جو ہم نشینی کی تحریک پیدا کرتے ہیں ان کی مثال اسطرح ہے جیسے ایک انسان دوسرے انسان سے رغبت کرتا ہے۔ خاص اوصاف کی مثال یہ ہے جیسے ایک خاص قوم کے افراد کا دوسرے افراد کی طرف مائل ہونا۔ اس سے بھی زیادہ خاص اوصاف ہم جنسی یہ ہیں جیسے نیک افراد کا میلان نیک لوگوں کی طرف یا گنہگار افراد کا اپنے جیسے فاسق افراد کی طرف رغبت کرنا۔

صحبت کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جو شریعت اسلامیہ کا ماخذ اوّل ہے۔

۱) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝[۱]

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مفسر قرآن حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو معاصی ترک کرو اور ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جو صادق الایمان اور مخلص ہیں۔ یہ لوگ رسول کریم ﷺ کی اخلاص کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ صادقین سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں جبکہ جریر کہتے ہیں کہ اس سے مراد مہاجرین ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی نیتیں ثابت رہیں اور قلب و اعمال مستقیم تھے اور وہ اخلاص کے ساتھ غزوہ تبوک میں حاضر ہوئے۔ مسئلہ اس آیت سے

---

[۱] (سورۃ التوبہ، پ۱۱، آیت نمبر ۱۱۹)

ثابت ہوا کہ اجماع حجت ہے کیونکہ صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا اور اس سے ان کے قول کا قبول کرنا بھی لازم آتا ہے۔ [1]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ ہونے کا حکم ہے جو اسلام میں سچے ہیں، نیت کے خلوص، قول کی صداقت اور عمل کے اعتبار سے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے ساتھ رہو اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ایک روایت میں آیا ہے حضرت علیؓ کے ساتھ رہو۔ [2]

ان تفاسیر سے یہ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی اختیار کرنی ضروری ہے جن کی نیتیں خالص ہوں۔ دل غیر اللہ سے پاک ہوں اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب حاصل کر چکے ہوں اور ان کا وجود سراپا اخلاص ہو۔

آج کے دور میں بناوٹی اور خودساختہ اخلاص کے حامل لوگ جو مخلص کہلاتے ہیں وہ تو بے شمار نظر آتے ہیں مگر وہ حضرات مقدسہ جو مشکوٰۃ نبوت کے انوارات کی نور چینی سے منور ہو چکے ہیں اور ان کے قلب و قالب شرِ نفس اور شرِ شیطان سے محفوظ ہو چکے ہیں اور جو حقیقی اور حالی اخلاص کے حامل ہیں ان کو مخلص کہا جاتا ہے ایسے لوگ نایاب ہیں۔ ان لوگوں کی تلاش اور صحبت ہر مسلمان کی ضرورت ہے تاکہ ان کے انوارات باطنیہ سے فیض یابی حاصل کر کے اپنے من کی دنیا کا بدلا جا سکے۔ تاریک باطن کو منبع انوارات بنانے کا صرف اور صرف ایک راستہ ہے کہ کسی صاحب توجہ ولی کی صحبت میسر آ جائے۔ آج لوگ اپنے ناموں کے ساتھ بڑے بڑے القاب اور درجات لکھ رہے ہیں ان سے عاجزانہ التماس ہے کہ اپنے گریبانوں میں ذرا جھانک کر اپنا محاسبہ

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان)، [2] (تفسیر مظہری)

کریں اور طالبین حق کی استعداد خراب نہ کریں اور ان کو حقیقی اولیاء اللہ کی طرف جانے دیں۔

سیدنا رسول اکرم نور مجسم ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ فرمایا! جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہو۔ [۱]

رسول کریم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ [۲]

اسی طرح حضرت اسماء بنت یزیدؓ نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا: سنو! کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سے سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ضرور فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہو۔ [۳]

ان احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے اولیاء اللہ وہ ہستیاں ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ تعالی کی یاد پیدا ہوتی ہو اور ان کے ذکر سے اللہ تعالی کی یاد پیدا ہوتی ہے۔ آج کے دور میں ہر فرقے کے لوگ اپنے آپ کو ولی اور صالح سمجھتے ہیں جس سے عام آدمی پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے لیے حقیقی ولی تک پہنچنا مشکل بنا دیا گیا ہے۔ اس ابہام کو سمجھنے کے لیے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی نے تفسیر مظہری میں بڑی واضح نشانی بیان فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں ذکر اصل میں ذکر قلبی ہے۔ جن لوگوں کے دیدار سے قلبی کیفیت میں جذب و احوال پیدا ہوں وہ ولی اللہ ہیں۔ صرف ظاہری شکل و صورت شریعت کے مطابق رکھنے والا ہر شخص ولی اللہ نہیں ہوتا جب تک اس کو قلبی و روحی حیات نصیب نہ ہو۔ غافل قلب والا شخص تو خود نفس اور شیطان کی گرفت میں ہوتا ہے اگرچہ اس کو اس حقیقت کا احساس ہو یا نہ ہو۔ ایک خاص قابل توجہ نکتہ عام لوگوں کے لیے

---

[۱] (بغوی)، [۲] (بغوی)، [۳] (ابن ماجہ)

یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں موجود مریدین کی کیفیت سے اندازہ کرنا ہے کہ ان پر ولی کی صحبت کی کتنی تاثیر ہے اور دیکھنے والے مزید چاہیں کہ ولی اللہ کے زیر تربیت افراد کتنا جلدی تزکیہ اور تصفیہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ عام مسلمان کے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ بذات خود ولی کی پہچان کر سکے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالی سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے انکی ہم نشینی کو اللہ تعالی کی ہم نشینی اور ان کا دیدار اللہ کی یاد دلانے والا اور ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسے سمجھی جا سکتی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ، جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر روئی کو اس آئینہ کے سامنے زیادہ قریب رکھا جائے تو آئینہ کے قرب کی وجہ سے روئی جل جاتی ہے اور سورج چونکہ دور ہوتا ہے اس لیے روئی دھوپ میں نہیں جلتی۔

ایک بات قابل غور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے اولیاء اللہ کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ اللہ سے قرب اور بے کیف مناسبت رکھنے کی وجہ سے اولیاء اللہ میں اثر پذیری کی صلاحیت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ جنیت، نوعیت اور شخصیت کے اشتراک کی وجہ سے دوسرے ہم جنس، ہم نوع اور مناسب التشخص افراد پر اثر اندازی کی استعداد بھی ان میں قوی ہوتی ہے۔ یہ ہی تائثر و تاثیر کا تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ان کا حضور، اللہ تعالی کے سامنے حضور کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں ولیوں کا انکار نہ ہو۔ کیونکہ منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں

ہوتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ [۱]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایمان و اطاعت کی حدود سے باہر نکل جانے والوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا۔ [۲]

اسی طرح نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رب العزت کا فرمان ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو (اپنی طرف سے) جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ [۳]

صالحین کی صحبت اور محفل کی برکت کا اندازہ اس حدیث سے واضح ہو جائے گا جس میں حضرت حنظلہؓ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ﷺ دوزخ و جنت کی ہم کو یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں اور بیویوں، بچوں اور زمینوں کے جھگڑوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہر وقت تم اسی حالت میں رہو، جس حالت میں میرے پاس اور میری نصیحت کرنے کے وقت ہوتے ہو تو فرشتے تمھارے بستروں پر اور تمھارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہوتا ہے۔ (ایک حضور کا وقت ایک غیوبت کا وقت) یہ الفاظ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے۔ [۴]

۲) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ [۵]

ترجمہ کنز الایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔

---

[۱] (سورۃ التوبہ، پ۱۰، آیت نمبر۲۴)، [۲] (تفسیر مظہری جلد۵)، [۳] (رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ)، [۴] (مسلم شریف)،
[۵] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت نمبر۲۸)

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ سرداران کفار کی ایک جماعت نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا ہمیں غرباء اور شکستہ حالوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے اگر آپ ﷺ انہیں اپنی صحبت سے جدا کر دیں تو ہم اسلام لے آئیں اور ہمارے اسلام لے آنے سے خلق کثیر اسلام لے آئے گی۔ اس پر یہ حکم آیا اور نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کو اپنی مجلس سے جدا نہیں کروں گا۔ اکثر مفسرین کرام نے اس سے اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنے کا استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر جلالین میں آتا ہے کہ آپ ان کے پاس تشریف فرما ہو جائیں جن کے پاس اسباب اور سازوسامان دنیا نہیں ہے اور وہ فقراء ہیں اس سے فقراء کے پاس بیٹھنے کا حکم ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ رزائل نفس کا مواخذہ اعمال بد کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلّف نہیں ہے تو اگر انسان اپنی امکانی کوشش کرے اور مجاہدہ نفسانی کے ذریعہ امراض نفسانی کو دور کرنے کی جدوجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور رزائل نفس کو دور کرنے لے لیے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے اندرونی معاصی معاف فرما دے گا اور مواخذہ نہیں فرمائے گا کیونکہ ممنوعات خداوندی پر کاربند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رزائل نفس کو دور کرنے کا ارادہ ہی نہ رکھتا ہو تو وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر چلنا اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہوتا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی آل۔ پس اللہ تعالیٰ کتاب کو استنباط احکام اور درستی اعمال، نصیحت پذیری

کے لیے پکڑنا ضروری ہے۔ اللہ تعالی کی مرضی کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کے لیے آل رسول ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونا بھی لازم ہے۔[1]

فقراء کے متعلق حدیث مبارکہ میں آتا ہے **اَلْفَقْرُ سَوادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ وَکَانَ الفَقْرُ اَنْ یَّکُوْن کُفْرًا۔**

ترجمہ: فقر دو جہاں میں رسوائی ہے اور قریب ہے کہ فقر کفر کی صورت اختیار کرے۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ۔**

ترجمہ: فقر میرا فخر ہے۔

تفسیر جلالین اور تفسیر مظہری میں جو فقراء کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ فقر دو قسم کا ہے ایک فقر مذموم ہے جو غربت اور بے قناعتی و ناشکری پر مبنی ہوتا ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا فقر کفر تک لے جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا فقر مرغوب اور محبوب ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فقر میرا فخر ہے۔ ایسا فقر اللہ تعالی کی قربت کا اعلی مقام ہے۔ جس کی طرف حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اشارہ فرمایا کہ فقراء یعنی اولیاء اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جایئے۔

فقراء اولیاء کے احوال سے صرف اہل باطن ہی آگاہی رکھتے ہیں کہ ان کی کیا عظمت ہے۔ باطنی معاملات کو سمجھنے کے لیے قال کی بجائے حال کی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف فضل خداوندی ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے دو طرح کے علم سیکھے ہیں ایک تو وہ علم ہے جس کو میں تمھارے سامنے منتشر اور بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ علم ہے اگر میں اس

---

[1] (تفسیر مظہری جلد دوم)

کو تمھارے سامنے ظاہر کروں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ [۱]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا علم اسرار کا علم ہے جس تک کسی کا فہم نہیں پہنچ سکتا اور وہ اسرار و دقائق ہیں۔ یہ روحانی دولت جس کے چھپانے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیائے علیھم السلام کے چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ یہ اسرار و معارف سینہ نبوت کے نور سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ [۲]

۳) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَ کَلۡبُهُمۡ بٰسِطٌ ذِرَاعَیۡهِ بِالۡوَصِیۡدِ ط [۳]

ترجمہ کنزالایمان: اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کے چوکھٹ پر۔

اس آیت مبارکہ میں اصحاب کھف جو اولیاء اللہ تھے ان کے کتے کا ذکر ہے جس کا نام مفسرین کرام نے قطمیر بیان کیا ہے اس آیت کے بارے میں تفسری ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کی یہ برکت ہے کہ اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو کتے کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرطبی کا فرمان تفسیر جلالین کے حاشیہ پر اسطرح نقل کیا گیا ہے کہ جب اصحاب کھف دقیانوس کے ڈر سے غار کی طرف جا رہے تھے تو کتا پیچھے پیچھے جا رہا تھا جب انہوں نے کتے کو روکا کہ ان کے ساتھ نہ جائے تو اس وقت کتے کو اللہ تعالی سے بولنے کی طاقت عطا ہوئی کہ میں اللہ تعالی کے پیاروں سے محبت کرتا ہوں میں تمھارا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں اور بھونکنے والا نہیں ہوں۔ جب کتے کی یہ حالت انہوں نے دیکھی تو انہوں نے کتے کو اپنی ہم نشینی کی اجازت دے دی اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ جب وہ سوئے تو کتا بھی سو گیا جب وہ جاگے تو کتا بھی جاگ گیا جب وہ مرے تو کتا بھی مر گیا اور جب آخرت میں یہ لوگ جنت میں جائیں گے تو کتا بھی ان کے ساتھ جنت میں جائے گا۔

[۱] (بخاری۔ مشکوۃ)، [۲] (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ٦٦٧)، [۳] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت نمبر ۱۸)

حضرت ابو فضل جوہری نے اپنے والد سے سنا ہے کہ ابن عطیہ کی روایت ہے کہ جو شخص اولیاء کی صحبت کرتا ہے تو ان کی برکات حاصل کرتا ہے جیسا کہ کتے کو فضیلت صرف اہل فضیلت کی محبت اور صحبت سے حاصل ہوئی۔ اللہ تعالی نے اس محبت اور صحبت کا ذکر قرآن میں بیان فرما دیا لہذا ان لوگوں کی کیا شان و عظمت ہوگی جو اولیاء اللہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے اس میں بڑی دلیل اور برکت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اور ان کی آل پاک سے محبت کرنے والوں کے درجات بہت ہی زیادہ ہیں۔ [1]

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی محبت و صحبت اگر کتے جیسی نجس مخلوق کرے اور اس کو یہ مقام عطا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے کہ ان کا ذکر اللہ تعالی قرآن مجید میں بیان فرما رہے ہیں اور اس کتے کا نام پڑھنے سے مسلمانوں کو ثواب بھی مل رہا ہے اور اس کتے کا حشر آخرت میں ان صالحین اصحاب کھف کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے تو جب ایک مسلمان توبہ و استغفار کا راستہ اپنانے کے لیے اولیاء اللہ کی محبت و صحبت کو اختیار کرتا ہے تو انشاء اللہ اس کو رحمت رحمانی سے بے حد فائدہ ہوگا۔ کیونکہ وہ رب بہت ہی مہربان اور رحیم ہے۔ اس کی رحمت و مغفرت اہل ایمان کے لیے ہے۔ لہذا ہم گناہگاروں کو ہمیشہ اس کی رحمت کی امید رکھنی چاہیے اور اس کی رحمت کا سبب بننے والا ہر کام کرنے میں جلدی کرنی چاہیے تا کہ ہم سیاہ کار اس کی رحمت میں چھپ سکیں۔

۴) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ہ [2]

[1] (بحوالہ تفسیر جلالین صفحہ ۲۴۲)، [2] (سورۃ النسآء، پ ۵، آیت نمبر ۶۴)

ترجمہ کنزالایمان: اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور اللہ تعالی سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں۔

اس آیت کی تفسیر میں سید علامہ نعیم الدین فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اور آپ ﷺ کی شفاعت قبولیت کا ذریعہ ہے۔

سید عالم ﷺ کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور روضہ اقدس کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور یہی آیت مبارکہ پڑھی اور عرض کیا میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ ﷺ کے حضور اللہ تعالی سے بخشش چاہتا ہوں میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوں میرے گناہوں کی بخشش کرائیے۔ جواب میں روضہ اطہر سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی ہے۔ اس سے چند مسائل معلوم ہوئے کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لیے اس کے مقبول بندوں کے پاس جانا اور ان کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔ ۱؎

اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ الرسول کا لفظ استعمال کرنے میں عظمت رسول کا اظہار ہے اور اس امر کا اشارہ کرنا مقصود ہے کہ شان رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ کتنا بڑا جرم ہو وہ وہاں حاضری اور آپ ﷺ کی شفاعت سے معاف ہو جاتا ہے۔ ۲؎

یہاں ہمارا مقصد اللہ تعالی کے محبوبوں کے پاس حاضری اور مجلس کی برکات و فوائد کو ثابت کرنا ہے۔ جیسا کہ وہ اعرابی خود معافی مانگنے کی بجائے دور سے سفر کر کے بارگاہ رسالت ﷺ میں آپ ﷺ کی صحبت کے فیضان کو حاصل کرنے کے لیے آیا۔ آپ ﷺ کو حیات ظاہری میں موجود نہ پایا اور آپ ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا۔ اس سے صحابہ کرام کا ایمان اور عقیدہ مشاہدہ

۱؎ (تفسیر خزائن العرفان)، ۲؎ (تفسیر مظہری جلد سوم)

کریں کہ انہوں نے اعرابی کو روضہ اطہر پر جانے اور وہاں اپنی درخواست پیش کرنے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا کرنے سے نہیں روکا۔ اس سے صحابی اور وہابی کے عقیدہ کا فرق بھی واضح ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ہر جگہ موجود ہے اور دلوں کے پوشیدہ رازوں کو جاننے والا ہے اور ہر جگہ اور ہر وقت دعا قبول کر سکتا ہے مگر آیت سے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا حکم دیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا کہ وہاں پر اللہ تعالی کو توبہ ضرور قبول کرنے والا پاؤ گے۔ بارگاہ رسالت کی توبہ کی قبولیت کی یقین دہانی کرائی جا رہی ہے۔ اس نص قرآنی سے انبیاء اور اولیاء کی مجلس اور صحبت میں جانے کی دلیل واضح ہوتی ہے کہ سب لوگ اور سب مقامات برابر نہیں کچھ مقامات اور شخصیات رحمت الٰہی کا مظہر ہوتی ہیں۔ لہذا جب انسان حلقہ رحمت و فضل میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے مقدر کا ستارہ جگمگا اٹھتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل کا وہ فاسق اور قاتل شخص جس نے توبہ کا ارادہ کرتے ہوئے ایک ولی اللہ کی طرف سفر کا آغاز کیا کہ اس کی مجلس اور صحبت میں جا کر اللہ تعالی سے اپنے گناہ معاف کروا سکے۔ جب وہ شخص اس ولی اللہ کی خدمت میں پہنچنے کے لیے چل ہی رہا تھا کہ وہاں جا کر اپنا معاملہ پیش کرے اچانک موت کا فرشتہ پہنچ گیا اور وہ شخص وہاں فوت ہو گیا اور مرتے وقت بھی وہ شخص اپنے جسم کو ولی اللہ کے گھر کی طرف سرکاتا رہا۔ اس شخص کو اٹھانے کے لیے جنت اور دوزخ کی طرف لے کر جانے والے دونوں فرشتے پہنچ گئے۔ اللہ تعالی کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس شخص کے جنتی اور دوزخی ہونے کا فیصلہ اس کے سفر کو ناپ کر کرو۔ اس شخص کے گھر سے لے کر مرنے والی جگہ کا فاصلہ ناپ لیا گیا پھر مقام وفات سے ولی اللہ کے گھر تک فاصلہ فرشتوں نے ناپا تو وہ اللہ تعالی کی قدرت سے کم نکلا اور اللہ تعالی نے اس شخص کو جنت میں

لے جانے کا حکم فرمایا وہ شخص ولی اللہ کی برکت سے اللہ تعالی کی مغفرت و بخشش کا حقدار بن گیا۔ اس سے ایک نکتہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تو سب کچھ جاننے والی بے مثل ذات ہے وہ خالق و مالک، قادر مطلق ہے وہ ویسے ہی اس شخص کو بخشش عطا فرما دیتا تو اس عظیم واکبر ذات کی مغفرت سے دور نہیں تھا مگر فاصلہ ناپنے کا حکم دینے میں حکمت اولیاء اللہ کی شان ظاہر کرنا تھی۔ یعنی جہاں اللہ تعالی کا محبوب بندہ جلوہ افروز ہو وہاں کی قربت کو بخشش کا معیار بنایا گیا۔

وہ کتنے خوش نصیب لوگ ہیں جن کو حالت ایمان میں اولیاء اللہ کی روحانی صحبت نصیب ہوتی ہے اور جذب وسکر کے احوال مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں کیا چیز رکھی ہوئی ہے جو انبیاء و اولیاء کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس کی وضاحت قرآن مجید میں اس طرح ہے: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۔[1]

ترجمہ: تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ تعالی نے اپنے انعام سے سرفراز فرمائے گا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین لوگ۔

ان محبوبوں کے پاس جو انوارات واحوال باطنیہ کی نایاب دولت ہے اس کی وضاحت بہت ضروری ہے عام لوگوں اور ان خواص شخصیات میں فرق کا بھید وراز کیا ہے۔

مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی ان خاص گروہوں کو جو نعمت خاصہ عطا ہوتی ہے اس کی وضاحت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

---

[1] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر۶۹)

۱)انبیاء

ان کا مبداء تعین و تشخص اللہ تعالی کی صفات قدسیہ ہیں۔ بغیر حجابِ صفات کے یہ حضرات دوامی انوار ذاتیہ میں غرق ہوتے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ کا ہی دوسرا نام کمالات نبوت ہے۔ بغیر کسی کی وساطت کے یہ گروہ اس مقام پر فائز اور راسخ ہوتا ہے تا کہ دوسرے انسانوں کی تکمیل انسانیت کر کے ان کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق اللہ تعالی کی منشا و مشیت کے زیر اثر قرب الٰہی کی طرف مختلف

لوگوں کو کھینچ کر لے آئے۔ یہی گروہ لوگوں تک اللہ تعالی کے احکام پہنچاتے ہیں تا کہ بندوں کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔

۲)صدیقین

یہ حضرات ظاہر و باطن پر اعتبار سے انبیاء کی اتباع کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ صدق و صفا والے لوگ ہوتے ہیں۔ کمالات نبوت یعنی تجلیات ذاتیہ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور بوراثت انبیاء بغیر حجاب صفات کے بحر انوارات قدسیہ میں غرق ہوتے ہیں اور پیغمبروں کی کامل اتباع کی وجہ سے یہ مقام ان کو عطا ہوتا ہے۔ صدیقوں کے انبیاء کی وساطت سے تجلیات ذاتیہ حاصل ہوتی ہیں یعنی انبیاء کے وجود سے بذریعہ انعکاس صدیقوں کی یہ خصوصی انوارات حاصل ہوتے ہیں۔

۳)شھداء

یہ گروہ راہ خدا میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں (اس میں تلوار کافر سے شہید ہونے والے لوگ اور عشق الٰہی کی تلوار سے درجہ شھادت تک پہنچنے والے لوگ شامل ہیں) ان لوگوں کو

تجلیات ذاتیہ کا مخصوص حصہ عطا ہوتا ہے اور انوارات ذاتیہ کی خصوصی شعاع عطا ہوتی ہے۔ عمومی اور دوامی تجلیات شھداء پر فائض نہیں ہوتیں بلکہ نورانیت کی ایک مخصوص شعاع ان پرتو اثر انداز ہوتی ہے۔

۴) صالحین

یہ وہ لوگ ہیں جو تزکیہ نفس کے ذریعے تمام رزائل اور بری باتوں سے نفس کو پاک کرتے ہیں اور ہمیشہ ذکر الٰہی میں غرق رہ کر غیر اللہ کے ساتھ وابستگی سے پرہیز رکھتے ہیں اور گناہوں کی کثافت سے اپنے جسم کو آلودہ نہیں کرتے۔ جب فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے کمال پر پہنچ جاتے ہیں تو تجلیات ذاتیہ کا کچھ پرتو ان پر پڑتا ہے۔ اگرچہ تجلی ذاتی کی یہ پرتو اندازی حجاب صفات کے پیچھے سے ہوتی ہے۔ ان صالحین کو ہی لوگ اولیاء کرام کہتے ہیں۔ [1]

۵) اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ہ وَ الطَّیْرُ مَحْشُوْرَۃً ۔ [2]

ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ مسخر فرمادیئے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کیے ہوئے، سب اس کے فرمانبردار تھے۔

اس آیت کی تفسیر کلام الملوک، ملوک الکلام میں اسطرح بیان ہوئی ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح فرماتے تو ان کے اس سوز و گداز اور سرور احوال میں دوسری مخلوق بھی شریک ہو جاتی۔ ان سے نشاط و تقویت کا احساس تو عام ہے مگر ان برکات کا مشاہدہ صرف اہل نظر کو ہی ہوسکتا ہے اور مجموعی طور پر اس عجیب تاثیر کی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں ہوسکتی۔ [3]

---

[1] (تفسیر مظہری جلد ۳)، [2] (سورۃ ص، پ ۲۳، آیت نمبر ۱۹)، [3] (بحوالہ دلائل السلوک صفحہ ۱۸۹)

اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی طرف متوجہ ہوتا فطرتی امر ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت حصول برکات و انوارات کے حاصل کرنا جب پہاڑوں اور پرندوں کی شرکت سے ثابت ہوتا نظر آتا ہے تو مسلمانوں کا اولیاء کرام کی محافل میں شریک ہونا اور ان کی روحانی صحبت سے فیض حاصل کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔ فطرت سلیم ایسی بابرکت محافل میں شرکت کا تقاضا کرتی ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے ایک حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے چنانچہ سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں جہاں کہیں انہیں کوئی جماعت ذاکرین کی ملتی ہے وہ اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کو تمھیں تلاش ہے۔ چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمان تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں، وہ تو اپنے کام کے لیے آیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے کہ جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔ [۱]

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اولیاء کی صحبت کی برکت ہے کہ بدبخت شخص سعادت مند بن جاتا ہے۔ [۲]

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں مولانا اللہ یار خان دیوبندی لکھتے ہیں کہ وسیلہ صلحاء اور صحبت مشائخ کا محمود ہوتا ثابت ہوا۔ ذاکرین کی جماعت میں شمولیت سے بھی بدکار نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اولیاء اللہ کی ذرا سی صحبت ایماندار آدمی کو جنتی بنا دیتی ہے۔ [۳]

[۱] (بخاری شریف)، [۲] (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۱۰۹)، [۳] (دلائل السلوک صفحہ ۱۸۵)

فضائل صحبت

سید الکونین نور مجسم ﷺ کی صحبت کی فضیلت سب فضائل و کمالات سے فائق اور بلند ہے۔ اس کی وضاحت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقیؒ بیان فرماتے ہیں کہ صحبت کی فضیلت کو کوئی شے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسی بناء پر حضرت اویس قرنیؓ جو خیر التابعین ہیں، حضور ﷺ کے صحابی کے ادنٰی مرتبہ تک نہیں پہنچ سکے کیونکہ صحابہؓ کا ایمان صحبت اور نزول وحی کی برکت سے شہودی ہو چکا ہے اور ایمان کا یہ مرتبہ صحابہ کرام کے بعد کسی کو نصیب نہیں۔ اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں۔ اعمال کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق ہے۔ [1]

بزرگان دین نے صحبت و اخوت کو پسند کیا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جب اہل ایمان کے درمیان اخوت پیدا کی تو اس کو اپنا احسان بتایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج [2]

ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمھارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ہ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط [3]

ترجمہ کنز الایمان: وہی ہے جس نے تمھیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا۔ اور ان کے دلوں میں

---

[1] (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۵۹)، [2] (سورۃ آل عمران، پ۴، آیت نمبر ۱۰۳)،

[3] (سورۃ الانفال، پ۱۰، آیت نمبر ۶۲ و ۶۳)

میل کر دیا، اگر تم زمین میں جو کچھ ہے خرچ کر دیتے ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔

ہم نشینی اور اخوت کو حضرت سعید بن المسیبؓ اور عبداللہ بن مبارکؒ نے اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحبت و محبت کا یہ بڑا فائدہ ہے کہ اس سے باطن کے مقامات کھل جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ صحبت اور اخوت کے توسط سے صرف تعاون اور ہمدردی کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ قلب کے لشکر کو بھی طاقت پہنچتی ہے اور روحیں ایک دوسرے کی روحانی خوشبو سے معطر ہوتی ہیں اور ان کو آسودگی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے رفیق اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف مل کر متوجہ ہوتی ہیں۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ **اَلْمُئومِنُ کَثِیْراً بِاَخِیْہِ۔**

ترجمہ: مومن اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بہت کچھ بن جاتا ہے۔[1]

اسی طرح سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے اپنے لیے اظہار محبت دیکھے تو اس کو مضبوطی سے پکڑے اس سے محبت کا تعلق استوار کرے کیونکہ یہ محبت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ اے میرے نبی! تم عزلت نشین کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا اللہ تعالیٰ میں نے آپ کی خاطر مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ تم بیدار اور ہوشیار رہو اور اپنے لیے دوست تلاش کرو۔ اور اس کو چھوڑ دو جو میری رضا کا چاہنے والا نہ ہو۔ کیونکہ ایسا شخص تمھارا دشمن ہے اس کے ساتھ بیٹھنا تمھارے دل کو پتھر کی طرح سخت بنا دے گا اور مجھ سے تم کو دور کر دے گا۔[2]

---

[1] (عوارف المعارف)، [2] (عوارف المعارف)

شیخ بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان حق تعالی کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ تعالی اس سے اس کے ہمدرد دوست کو چھین لیتا ہے، پس اللہ تعالی اپنے مخلص بندوں کے واسطے مخلص دوست مہیا فرماتا ہے جو ان کو ثواب پہنچانے اور فیض پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے جیسے شیخ مریدین کو فیض پہنچاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی ان کافروں کی زبانی بیان فرماتے ہیں جن کا کوئی دوست اور سفارشی نہیں ہوگا :فَمَالَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ ہ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ہ[1]

ترجمہ: (آج کے دن) نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی ہمدود دوست ہے (جو ہمدردی کرے)۔

اللہ تعالی رب العزت کی رضا کے لیے باہمی دوستی اور محبت کا آخرت میں بے انتہا فائدہ ہوگا جیسے اولیاء اور متقین لوگوں سے محبت کی جاتی ہے اور ان کی محبت اور ہم نشینی کو اختیار کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو محض اللہ تعالی کی رضا کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ قیامت میں ان کا مقام یاقوت سرخ کے ستونوں پر ہوگا۔ ان ستونوں کے سروں پر ستر ہزار بالا خانے ہوں گے وہ ان بالا خانوں سے اہل جنت کو جھانکیں گے اور ان کا حسن و جمال اہل جنت پر اس طرح چمکے گا جس طرح اہل دنیا پر سورج چمکتا ہے۔ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر جنت والے کہیں گے ہم کو ان کے پاس لے چلو تا کہ ہم ایسے لوگوں کو دیکھ سکیں جو صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب دو بندے صرف اور صرف اللہ تعالی

[1] (سورۃ الشعراء، پ۱۹، آیت نمبر۱۰۱)

کی رضا کے لیے آپس میں ہاتھ ملاتے ہیں اور ان کی دنیا کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی تو ایسے بندوں کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کی بخشش فرما دی جاتی ہے۔

شیخ ابوادریسؒ الخولانی نے حضرت معاذؓ سے کہا "میں آپ سے صرف اللہ تعالی کے لیے محبت کرتا ہوں" اس کے جواب میں حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری اور بشارت ہو کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ حضور نور مجسم ﷺ نے فرمایا: کچھ حضرات کے لیے قیامت کے دن عرش کے ارد گرد کرسیاں رکھی جائیں گی، ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے، اس وقت دوسرے لوگ پریشان ہوں گے لیکن وہ پریشان نہیں ہوں گے، یہ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم میں ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: **اَلْمُتَحَابُوْنَ فِی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔**

ترجمہ: یہ وہ ہیں جو اللہ تعالی کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ [1]

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میری محبت کے مستحق وہ لوگ ہو گئے جو میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔ [2]

حضرت خالد بن معدانؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالی کا ایک فرشتہ ایسا ہے جس کا نصف حصہ آگ کا اور باقی نصف برف کا ہے اور وہ یہ دعا کرتا ہے کہ الٰہی جس طرح تو نے میرے اندر آگ اور برف کو ملا دیا ہے کہ برف آگ کو بجھا نہیں سکتی اور آگ برف کو کو پگھلا نہیں سکتی اسی طرح اپنے نیک بندوں میں الفت پیدا فرما دے۔

[1] (احمد، حاکم)، [2] (احمد، حاکم)

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ واقعہ معراج کے خاص موقع کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نیک بندوں کے دلوں میں الفت و محبت یقینی طور پر پیدا ہوگی کیونکہ جب سیدنا حضورﷺ نے اپنے حال کے مبارک ترین لمحات میں ان کو قاب قوسین کے معزز ترین مقام پر پایا حالانکہ سرکار دو عالمﷺ کے لیے یہ ایک ایسا وقت تھا کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں تھی تاہم یہ صالحین لوگ اپنی لطافت حال کے باعث وہاں موجود تھے اور حضورﷺ نے اس وقت فرمایا: "ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے صالحین بندوں پر"، پس یہ نیک بندے خواہ جسمانی طور پر منتشر اور متفرق ہوں لیکن روحانی طور پر مجتمع اور اکھٹے ہوتے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے کے قریب وہم صحبت ہونا لازمی ہے اور دنیا و آخرت کے تواصل میں ان کے مساعی یقینی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ خواہ کوئی شخص دن میں روزہ رکھے اور رات بھر نماز پڑھے، صدقات دے خیرات کرے اور جہاد میں مشغول ہو مگر اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کسی سے محبت کرتا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے دشمنی کرتا ہو تو ایسے شخص کے ان کاموں (روزہ، عبادات، صدقہ و خیرات اور جہاد) کا کچھ فائدہ نہیں۔[1]

اولیاء اللہ کی محبت و ہم نشینی کی فضیلت کا اندازہ عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ امت کے خواص حضرات ہی محبت کی اہمیت کو سمجھتے ہیں چنانچہ شیخ ابو بکر التلمستانیؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہو۔ اگر تمھارے اندر اس کی طاقت نہیں تو ان لوگوں کی صحبت میں رہو جو اللہ تعالیٰ کے ہم صحبت ہیں تا کہ ان کی صحبت کی برکت تمھیں اللہ تعالیٰ کی صحبت میں پہنچا دے"۔

اسی طرح حضرت شیخ شہاب الدین ابو نجیب سہروردیؒ نے حضرت شیخ علیؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ تم مخلوق سے الگ رہو مگر اولیاء اللہ سے الگ تھلگ نہ رہو اس

[1] (عوارف المعارف)

لیے کہ اولیاء اللہ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ہ [۱]

ترجمہ: اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگار لوگوں کے۔

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے قیامت کے دن عام دوستی اور تعلق تو دشمنی میں بدل جائے گا مگر متقین اور صالحین لوگوں کا تعلق اور دوستی باقی رہے گی۔ اس لیے دنیا میں ایسے تعلقات رکھنے چاہیے جو آخرت میں کام آئیں۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب ایک روحانی بھائی سے کہا جائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ اس وقت اپنے روحانی بھائی کی منزل کے بارے میں دریافت کرے گا کہ میرا بھائی کہاں ہے اگر اس کو اس سے کم درجہ دیا گیا ہے تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گا جب تک اس بھائی کو بھی اس کے برابر درجہ نہیں دیا جائے گا اور جب اس کو کہا جائے گا اس کے اعمال تیرے برابر نہیں ہیں تو وہ جواب دے گا کہ میں نے یہ اعمال اپنے اور اپنے بھائی کے لیے کیے تھے پس اس کو وہ سب کچھ عطا کر دیا جائے گا جو اس نے اپنے بھائی کے لیے مانگا ہو گا۔ [۲]

اب فسق و فجور پر مبنی دوستی کا نتیجہ بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ کل بروز قیامت برے لوگوں کی صحبت کے اثرات بھی نقصان کا باعث بن جائیں گے۔ جن لوگوں کی صحبت و ہم نشینی شر و فساد پر مبنی تھی تو ان کے لیے دوزخ کا دروازہ کھولا جائے گا۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا ذکر اس طرح بیان ہوا ہے: وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ہ

---

[۱] (سورۃ الزخرف، پ۲۵، آیت نمبر ۶۷)، [۲] (عوارف المعارف)

یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ۝ [۱]

ترجمہ: اور ان دن ظالم دانتوں سے اپنے ہاتھ کو کاٹ لے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول ﷺ کے وابستہ کو اپنایا ہوتا، کاش میں نے فلاں (شخص) کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔

اگرچہ اس آیت مبارکہ کا شان نزول خاص ہے مگر قرآن قیامت تک سب لوگوں کے لیے رہنمائی و ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں سے دور رہنے کا حکم ہے صراط مستقیم سے ہٹانے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ انسان کو انسان ہی خراب کرتا اور بگاڑتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو کیسی صحبت اپنانی ضروری ہے اس کی وضاحت کے لیے حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کا قول کافی نظر آتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھ کہ تو سراسر وہ ہو جائے یا دوسرا شخص سراسر تو ہو جائے یا پھر دونوں محبوب حقیقی حق سبحانہٗ میں گم ہو جائیں اور ایسی حالت ہو جائے کہ نہ تو رہے اور نہ وہ رہے۔ [۲]

صحبت کے احکام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا ۔ [۳]

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں سید علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا صاحبؒ لکھتے ہیں: اِیۡ اَدِّبُوۡھُمۡ ۔

ترجمہ: اولاد کو آداب سکھاؤ۔ [۴]

آپ کی اس وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان آداب کو اپنا کر دوزخ سے حفاظت کا

---

[۱] (سورۃ ، پ، آیت نمبر) [۲] (تاریخ مشائخ نقسبندیہ)، [۳] (سورۃ التحریم، پ۲۸، آیت نمبر۶)، [۴] (کشف المحجوب)

بندوبست کر سکتا ہے۔

نور مجسم ﷺ نے فرمایا: اَدَّبَنِیُ رَبِّی فَاَحُسَنَ تادِیُبِیُ۔

ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا۔

آپ ﷺ کے اس فرمان یہ ظاہر کرتا ہے کہ ادب بارگاہ الٰہی سے عطا ہونے والی عظیم نعمت ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ادب کو ایمان کا حصہ قرار دیا اور فرمایا: حُسُـنَ الْآدَابِّ مِنَ الْاِیُمَان۔

ترجمہ: اچھے آداب ایمان کا حصہ ہیں۔

نہ صرف اسلام میں بلکہ کفر والحاد پر مبنی معاشرے میں آداب کی اہمیت وافادیت تسلیم شدہ ہے۔ دنیا میں حرمت وعزت کی حفاظت کا نام ادب ہے جب مطلوب حقیقی کی تعظیم دل میں پیدا ہوتی ہے تو معاملات میں ادب کی جھلک نظر آتی ہے۔ اللہ تعالی اور اس کے شعائر کی تعظیم راہ تصوف میں تقوٰی ہے اسی لیے قرآن میں شعائر اللہ کی تعظیم کو دل کا تقوٰی قرار دیا گیا ہے۔

جو شخص بھی شواہد حق کی تعظیم کو پامال کرتا ہے تو اس کو صوفیاء کے طریق سے بالکل کوئی حصہ حاصل نہیں ہوتا اسی لیے حضرت داتا صاحب کا فرمان ہے کہ ادب کو ترک کرنے والا کسی طرح بھی ولی نہیں ہو سکتا۔

ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھے اور وہ اس طرح کہ خلوت وجلوت میں اپنے آپ کو بے ادبی سے بچائے اور اس خالقِ کائنات کے سامنے بے ادبی سے بچے اور کوئی ایسی نازیبا حرکت نہ کرے۔ اسی طرح انبیاء کرام کی محافل کے آداب کی بجا آوری بھی ضروری ہے جس کی مثال صحابہ کرامؓ کے عمل سے سامنے آچکی ہے کہ وہ کس حد تک بارگاہ رسالت کے آداب کو مدنظر رکھتے تھے۔ انتہائی عاجزی سے خدمت میں حاضر ہوتے اور دھیمی آواز

میں گفتگو کرتے۔ آپ ﷺ کی نہ صرف ذات مبارکہ سے عشق و پیار کا معاملہ کرتے بلکہ تبرکات سے بھی والہانا عقیدت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ سے نسبت والی ہر چیز سے پیار کرتے مثلاً آپ ﷺ کے لباس مبارک کو کفن اور بیماریوں سے شفا کے لیے استعمال فرماتے آپ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخنوں کو حاصل کرنا صحابہ کرامؓ سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عروہؓ بن مسعود کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے وضو کے استعمال شدہ پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ ہاتھوں میں لے کے اپنے چہروں اور جسموں پر ملتے تھے۔ صحابہ کرامؓ آداب صحبت کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ وہ اس انتظار میں ہوتے کہ کوئی اعرابی آ کر آپ ﷺ سے دین کے متعلق سوال کرے خود نظر اٹھا کر سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔

لہذا مریدین کے لیے اہم ترین چیز صحبت ہے کیونکہ تنہائی مرید کے لیے ہلاکت کا سبب ہوتی ہے۔ سیدنا نور مجسم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے جو تنہا ہو اور اس سے بہت دور ہوتا ہے جہاں دو ہوں۔

حضرت شیخ المشائخ جنید بغدادی کے مریدوں میں کسی کے دل میں خیال آیا کہ میں درجہ کمال تک پہنچ چکا ہوں لہذا میرے لیے تنہا رہنا اولیاء کی صحبت سے بہتر ہے چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ اس مرید میں غرور اور رعونت پیدا ہونے لگی اور شہوت و حرص نے بھی جوش مارا جب حضرت جنیدؒ اس کے پاس تشریف لائے تو ان کی برکت سے اس کی حالت زائل ہوئی اور وہ دوبارہ آپؒ کی صحبت میں جانے لگا اور آپؒ کے فیضان صحبت سے روحانی احوال پانے لگا۔

اسی طرح حضرت شیخ ابو عثمان فرماتے ہیں کہ حق صحبت یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ انصاف کرے مگر خود اپنی ذات کے لیے طالب انصاف نہ ہو اور اپنے مال کو بھائی صحبت پر خرچ

کرے اور اس کے مال سے کچھ توقع نہ رکھے۔ تم اپنے ہم نشین کے تابع بن جاؤ مگر اس کو اپنے تابع کرنے کی آرزو نہ کرو۔

حضرت جعفر الصادقؓ فرماتے ہیں کہ مجھ پر وہ دوست بہت بوجھ ہے جو میرے لیے تکلف کرتا ہے اور میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور میرے دل پر سب سے ہلکا وہ دوست ہے جو میرے ساتھ اس طرح رہے گویا میں تنہا ہوں اور اس کی صحبت مجھے محسوس نہ ہو۔

آدابِ صحبت

محفل و مجلس کے آداب مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت شیخ ابو سراج فرماتے ہیں کہ آداب میں لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں پہلے اہل دنیا کہ ان لوگوں کے ہاں فصاحت و بلاغت، حفظ علوم، بادشاہوں کے قصوں اور اشعار کو یاد کرنا ہی ادب کہلاتا ہے۔ دوسرے اہل دین لوگ ہیں ان کے نزدیک نفس کی ریاضت، اعضاء کی تادیب، شرعی حدود کی حفاظت اور شہوتوں کو ترک کرنے کا نام ادب ہے۔ جب کہ تیسرے لوگ اہلسنت ہیں ادب ان کے نزدیک دل کی طہارت، بھید کی امانت، اوقات حضور اور مقامات قرب میں اچھے عمل کا نام ادب ہے۔[1]

طریقت میں قدم رکھنے والوں کے لیے آداب صحبت کا جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ مریدین جب اولیاء اللہ کی صحبت کے آداب سے واقف نہیں ہوں گے تو صحبت کی برکات سے محروم رہیں گے الٹا بے ادبی کے مرتکب ہو کر بدبختی کا شکار ہو جائیں گے۔

جب شیخ ابو حفصؒ سے اولیاء و مشائخ کی صحبت کے آداب کے بارے میں عرض کیا گیا تو

[1] (کشف المحجوب)

آپؒ نے فرمایا آداب صحبت یہ ہیں:۔

۱) مشائخ کی حرمت وعزت کا ہر حال میں تحفظ کرنا۔

۲) روحانی پیر بھائیوں کے ساتھ حسن معاشرت پر مبنی تعلقات رکھنا۔

۳) اپنے سے چھوٹوں کو اچھی اور مثبت نصیحت کرنا جو ان کی مستقبل کی زندگی کو سنوارنے کا ذریعہ بنے۔

۴) ایسے لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش کرنا جو فقراء اور اولیاء کے طبقے سے نہ ہوں کیونکہ ایسے لوگوں کی صحبت دل کو سخت کر دیتی ہے اور خواہشات پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

۵) صحبت کے آداب میں ضروری ہے جذبہ ایثار کو اختیار کرنا یعنی دوسرے لوگوں کی ضرورت اور عزت کو ترجیح دینا۔

۶) ذخیرہ اندوزی سے گریز کرنا۔

۷) امور دینی اور دنیوی میں دوسروں سے تعاون کرنا۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ آداب صوفیہ میں یہ بھی ہے کہ:

۱) اپنے برادران طریقت کی خدمت میں مشغول رہے ان کی طرف سے جو تکالیف پہنچیں ان کو برداشت کرے، کیونکہ اس سے فقر و ولایت کے جوہر کھلتے ہیں ایک روایت ہے کہ سیدنا حضرت عمرؓ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دینے کا حکم دیا جو سیدنا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ کے گھر میں واقع تھا اور صفا و مروہ کے راستہ پر گرتا تھا۔ حضرت عباسؓ نے ان سے فرمایا آپ نے اس پرنالہ کو اکھاڑنے کا حکم دیا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ

نے فرمایا اچھا اگر ایسا ہے تو یہ آپ ہی کے ہاتھ سے اپنی اصل جگہ پر دوبارہ لگا دیا جائے گا اور حضرت عمرؓ کے کندھوں کے علاوہ آپؓ کی کوئی اور سیڑھی نہیں ہوگی، یعنی آپؓ میرے کندھوں پر چڑھ کر اس پرنالہ کو اسی جگہ پر دوبارہ نصب کر دیں چنانچہ حضرت عباسؓ، حضرت عمرؓ کے کندھوں پر چڑھے اور اس پرنالے کو اسی جگہ لگا دیا۔

۲) اپنے ساتھی اور ہم صحبت کے عیب کی دوسروں سے پردہ پوشی کی جائے لیکن اپنے دوست کو اس کے عیوب سے آگاہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنا رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے۔ مگر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نصیحت وہ ہے جو پوشیدہ ہو۔

۳) اہل صحبت تمام چیزوں میں اشتراک کرتے ہیں یعنی ضرورت کی چیزوں کو مشترکہ استعمال کرتے ہیں۔

۴) آداب فقراء میں یہ بھی ضروری ہے کہ سالک قصور کا ذمہ دار اپنے نفس کو ٹھہرائے اور دوسروں کو مورد الزام نہ قرار دے اور دل میں کسی کے خلاف رنجش نہ رکھے۔

۵) اولیاء اللہ جس شخص کی فضیلت اور مرتبہ سے واقف ہوتے ہیں اپنی مجلس میں اسے عزت والی جگہ مسند پر بٹھاتے ہیں مریدین جو باطنی احوال پر گہری نظر نہیں رکھتے انہیں مشائخ کے عمل سے وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا رسول کریم ﷺ ایک دفعہ ایک تنگ چبوترے پر تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں بدری صحابہ کرامؓ میں سے کچھ صحابہ کرامؓ تشریف لائے جبوترے پر ان بدری صحابہ کرامؓ کو بٹھانے کی جگہ نہیں تھی چنانچہ سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے ان صحابہ کرامؓ کو جو غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے وہاں سے اٹھا دیا اور ان کہ جگہ ان عظیم بدری صحابہ کرامؓ کو بٹھا دیا جب اٹھنے والے لوگوں نے کچھ محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے

فیصلہ کی تائید آ گئی اور حکم ہوا کہ جب تم سے کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ جایا کرو۔

۶) باہمی صحبت میں نرمی کو اختیار کرنی چاہیے اور دوسروں پر اپنی شان ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔ دوسروں پر رعب جمانا ننگ اور بے شرمی ہے۔

۷) صوفیہ کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ایسے جملوں کو استعمال نہیں کرتے جیسے کاش ایسا ہوتا یا کاش ایسا ہو جائے۔

۸) آداب صوفیہ میں یہ ہے کہ جب ان کو بلایا جاتا ہے تو وہ چوں و چراں، کہاں کیوں اور کس لیے کہہ کر سوال نہیں کرتے۔ ایسے ساتھی کی صحبت ترک کرو جس کو آپ ساتھ چلنے کا حکم دیں اور وہ جواب میں کہے کہاں؟

۹) صوفیائے کرام اپنے روحانی بھائیوں کا تکلف پسند نہیں کرتے۔ حضرت شیخ ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تکلف کو ترک کرنا جوانمردی ہے کیونکہ تکلف کے باعث مہمان کو میزبان سے جدا ہونا پڑتا ہے۔

۱۰) حضرت صوفیہ اپنے ساتھیوں کی خاطر و تواضع کرتے ہیں مگر صحبت میں اعتدال کو مدنظر رکھتے ہیں کیونکہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ لوگوں سے کشیدہ رہنا ان سے دشمنی کا باعث بن جاتا ہے اور ان کے ساتھ بے تکلف ہونا برے اور ناپسندیدہ لوگوں کو آمد کا باعث بن جاتا ہے۔

۱۱) حضرات صوفیہ کے آداب میں یہ شامل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور ہم جلیسوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور انکی کسی بھی نامناسب بات کو خوب بڑھا چڑھا کر نہیں پھیلاتے اور نہ اس کے گناہوں کی تشہیر کرتے ہیں۔

۱۲) حضرات صوفیہ کے آداب میں یہ شامل ہے کہ وہ ایسے روحانی بھائیوں کی عدم موجودگی میں ان کے لیے بخشش و استغفار کر کے ان کا حق صحبت ادا کرتے ہیں اگر کوئی پیر بھائی نفسانی

خواہش کا شکار ہو گیا ہو اور کسی غلطی اور گناہ کا مرتکب ہو گیا ہو تو وہ سب اس کے لیے دعا کرتے ہیں نہ کہ اس کو طعنہ زنی کر کے مزید دور کر دیں۔

۱۳) حضرات صوفیہ روحانی بھائیوں کو اپنی خاطر مدارات کے لیے مجبور نہیں کرتے سیدنا حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ تمھارا بدترین دوست وہ ہے جو تم کو خاطر و مدارات کا محتاج بنادے یا وہ تم کو معذرت پیش کرنے پر آمادہ کرے اور تم اس کے لیے تکلف سے کام لو۔ (عواف المعارف)

۱۴) طالب طریقت کے صحبت اختیار کرنے میں اس کی بیت ہے وہ اولیاء اللہ کی صحبت اپنے رب اور مولی کی رضا جوئی کے لیے اختیار کرے جب اس کی نیت یہ ہوگی تو اہل اللہ کی صحبت کی برکات سے اس کو تزکیہ نفس حاصل ہوگا اور وہ قربت الٰہی کی منزل کو انشاء اللہ تعالی ضرور پائے گا۔ کیونکہ عیوب نفس اولیاء کی صحبت سے زائل ہوتے ہیں ورنہ انسان کو خود نفسانی خواہشات اور غلاظتوں سے چھٹکارا حاصل ہوسکتا تو معاشرے کا ہر فرد ہی صالح اور متقی ہوتا کیونکہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو نیک، متقی، پرہیزگار اور ولی بننے کی خواہش نہ رکھتا ہو۔ مگر ایسا کیوں ممکن نہیں ہوسکتا وہ اس لیے کہ انسان کے بذات خود نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ اکیلے کرنا بہت مشکل ہے۔

صحبت کے فوائد

صالحین و متقین لوگوں سے تعلق و دوستی میں بڑے فائدے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کو اہل اللہ کی ہم نشینی کی کوئی قدر و اہمیت نظر نہیں آتی۔ اگر اہل دنیا پر اولیاء اللہ کی مجلس کی حقیقت کھل جائے تو وہ ایک لمحے کی دیر کیے بغیر ان کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو جائیں۔ دنیا کا یہ اصول ہے کہ قیمتی اور نایاب چیز کو ہمیشہ مخفی رکھا جاتا ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ شہرت طلبی کو پسند نہیں فرماتے اور خود کو مخفی رکھتے ہیں مگر جب کسی بندہ خدا کے مقدر کا ستارہ چمکتا ہے تو اللہ تعالی رب العزت اس کو اپنے کسی محبوب بندے کی صحبت و ہم نشینی عطا فرما دیتا ہے۔ اولیاء اللہ کی صحبت روحانی

تمام دینی اور دنیاوی سعادتوں کا منبع وسر چشمہ ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں کیا کچھ ہوتا ہے وہ درحقیقت بیان سے باہر ہے کیونکہ یہ قال نہیں بلکہ حال ہے۔ قال اور حال میں اتنا بڑا فرق ہوتا ہے جتنا دن اور رات میں ہوتا ہے۔ جس نے رات کا اندھیرا ہی دیکھا ہو بھلا وہ دن کی روشنیوں کا کیا تصور کرسکتا ہوگا۔ جن لوگوں کو احوال باطنیہ کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے ان خواص میں اور عام لوگوں میں دن اور رات جیسا فرق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ عام لوگ عمومی طور پر اولیاء اللہ کی عظمتوں اور رفعتوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی ہم نشینی کے بے شمار فوائد احادیث مبارکہ اور اقوال اکابرین سے ظاہر ہوتے ہیں۔

۱) حضرت ابو ھریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن عرش کے گرد نور کے ممبر ہونگے۔ ان پر ایک قوم ہوگی جن کے لباس اور چہرے نور کے ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہونگے نہ شہید مگر نبی اور شہید ان پر رشک کریں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انکا وصف ہم سے بیان فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ آپس میں محبت اللہ تعالی کے لیے رکھنے والے ہیں اور آپس میں اللہ تعالی کے لیے نشت رکھنے والے ہیں اور جدا بھی اللہ تعالی ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ [۱]

۲) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو دو شخص آپس میں اللہ تعالی کی رضا کے لیے محبت کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے اللہ تعالی کے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہوتا ہے جو دوسرے سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ [۲]

۳) قرآن حکیم میں اللہ تعالی سبحانہٗ فرماتا ہے: اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ [۳]

---

[۱] (نسائی)، [۲] (حاکم، ابن ماجہ)، [۳] (سورۃ الطور، پ ۲۷، آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ: ہم نے ان کی اولاد کو ان سے ملا دیا اور ہم نے ان کے اعمال میں سے کمی نہیں کی۔

اس آیت مبارکہ میں ارشارہ ہے کہ نیک و متقی لوگوں کی اولاد کم نیکی کی وجہ سے آخرت میں اپنے والدین سے دور ہوگی تو اس کم عمل والی اولاد کو بلند درجے پر فائز مقی والدین کے اعلی درجات میں پہنچا دیا جائے اور والدین کے عمل سے کم نہ کیا جائے گا۔ اس لیے حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دو شخص جو آپس میں اللہ تعالی کی محبت میں دوستی رکھتے ہیں اگر ان میں سے ایک کا مقام اعلی ہوگا تو دوسرے کم درجے والے کو بھی اعلی مقام والے کے ساتھ ملا دیا جائے گا جیسے اولاد ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ساتھ لاحق کیے جاویں گے۔

۴) حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے جلال کی خاطر دوستی کرنے والے کہاں ہیں۔ (اَیْنَ الْمُتَحَابُوْن بِجَلَالِیْ) آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ اس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔[۱]

۵) حضرت ابوھریرہؓ راوی ہیں کہ سیدنا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

(۱) عادل حکمران (۲) وہ جوان جو اللہ تعالی کی عبادت میں بڑا ہوا (۳) وہ شخص کہ جس کا دل مسجد سے باہر آنے پر مسجد میں ہی لگا رہے جب تک کہ پھر مسجد میں جاوے (۴) وہ دو آدمی جنھوں نے آپس میں اللہ تعالی کے لیے محبت کی اور اسی پر آپس میں جمع ہوئے اور جدا ہوئے

---

[۱] (مسلم شریف)

(۵) جس شخص نے تنہائی میں اللہ تعالی کا ذکر کیا اور رویا (۶) وہ شخص جس کو کسی عورت خاندانی جمال والی نے بلایا تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالی سے ڈرتا ہوں (۷) وہ شخص جو اسطرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے چھپا کر کیا دیا۔[1]

۶) حضرت ابن عباسؓ بروایت حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص سے اللہ تعالی کے لیے ملتا ہے اور اس کی زیارت کے شوق اور دیدار کی رغبت میں تو ایک فرشتہ اس کو اس کے پیچھے سے یوں کہتا ہے کہ تو پاک ہوا اور تیرا چلنا ستھرا ہوا اور تجھ کو ستھری جنت عطا ہوئی۔ اس حدیث مبارکہ کو حضرت ابو ھریرہؓ نے بالفاظ دیگر روایت کیا ہے۔[2]

۷) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کسی برادر فی اللہ (ولی اللہ) کے ملنے کو چلا۔ اللہ تعالی نے راستہ میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ فرشتہ نے اس شخص سے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ فلاں بھائی کی ملاقات کو جاتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا اس سے کیا مطلب ہے؟ جواب دیا نہیں۔ پھر پوچھا اس سے کچھ رشتہ داری ہے؟ جواب دیا نہیں۔ فرشتہ نے پوچھا پھر کس وجہ سے جاتے ہو؟ جواب دیا کہ میں اللہ تعالی کے لیے اس سے محبت کرتا ہوں فرشتہ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالی نے تیرے پاس بھیجا ہے کہ تجھ کو اطلاع کروں کہ اللہ تعالی تجھ سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ تو اس بھائی سے محبت کرتا ہے اور تیرے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ [3]

اس حدیث مبارکہ میں اولیاء اللہ سے محبت کرنے والوں اور اہل اللہ کی زیارت اور صحبت کے لیے سفر کرنے والوں کے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے کہ اس سے اللہ تعالی کی محبت اور جنت عطا ہو رہی ہے۔

[1] (بخاری، مسلم)، [2] (ترمذی، ابن ماجہ)، [3] (مسلم شریف)

۸) براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ فرمایا ایمان کی رسیوں میں زیادہ مضبوط محبت فی اللہ ہے۔ [۱]

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ کے باعث واجب ہے کہ آدمی کے کچھ دشمن ہوں جن سے اللہ تعالی کے لیے بغض رکھتا ہو اور کچھ دوست ہوں جن سے اللہ تعالی کے لیے محبت کرتا ہو۔ سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ الٰہی کسی بدکار کا مجھ پر احسان مت کرنا کہ اس وجہ سے میری محبت اس کو نصیب ہو۔ مروی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر تم میری عبادت تمام آسمانوں اور زمین کے باشندوں کی سی کرو اور اگر تم میں محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ تم میں نہ ہو تو وہ عبادت تمھارے کچھ کام نہ آوے گی۔

۹) حضرت سیدنا عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اہل معصیت سے دشمنی کر کے اللہ تعالی کی محبت پیدا کرو اور ان سے دور رہ کر اللہ تعالی کا قرب حاصل کرو اور ان کو ناراض کر کے اللہ تعالی کی رضا کے طالب ہو۔ لوگوں نے عرض کیا یا روح اللہ ہم کس کے پاس بیٹھیں؟ فرمایا ان لوگوں کے پاس بیٹھو جن کے دیکھنے سے اللہ یاد آوے اور جن کی تقریر تمھارا علم بڑھائے اور جن کا عمل تم کو شوق آخرت دلاوے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالی نے سیدنا موسٰی علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے پسر عمران ہوشیار رہو اور اپنے لیے یار غار طلب کرو۔ وہ دوست تیرا دشمن ہے جو میری خوشی میں تیرا موافق نہ ہو۔

۱۰) سیدنا حضور نور مجسم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے اللہ تعالی کے نزدیک محبوب وہ ہیں جو زیادہ الفت کرتے ہیں اور الفت کیے جاتے ہیں اور زیادہ مبغوض وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور بھائیوں میں بغض ڈالتے ہیں۔ [۲]

[۱] (احمد)، [۲] (حکیم ترمذی بحوالہ احیاء العلوم)

۱۱) حضرت سیدنا علیؓ شیر خدا فرماتے ہیں کہ دوست پیدا کرو کہ وہ دنیا میں بھی کام آتے اور آخرت میں بھی۔ ان لوگوں کا قول بے وزن نظر آتا ہے جو عام طور پر کہتے ہیں کوئی نیک آدمی نہ دنیا میں کام آسکتا ہے اور نہ آخرت میں بھی۔

۱۲) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر ستر برس عبادت کرے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کا حشر اس شخص کے ساتھ فرمائے گا جس سے اس کو محبت ہو گی۔ اسی لیے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فاسق سے بغض رکھنا اللہ تعالیٰ کے لیے قرب الٰہی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

۱۳) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب محبت فی اللہ کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرنے والے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو ان کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے سردیوں میں درخت کے پتے سوکھ کر گرتے ہیں اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو اپنے نیک بھائی کے چہرے پر نظر مودت اور رحمت سے دیکھنا عبادت ہے۔ [1]

صحبت کے محرکات

صحبت کا مطلب ہے پاس بیٹھنا، ملنا جلنا، ہم نشینی اختیار کرنا اور ایک دوسرے کی قربت اختیار کرنا ہے۔ اولیاء کرام کی اصطلاح میں صحبت سے مراد کسی کامل ہستی کا دیدار کرنا اور اس کی روحانی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ کسی نبی، صحابی یا ولی کے لطائف باطنیہ سے انوارات و فیوضات کو اپنے باطن میں سمیٹنے کا نام صحبت ہے۔ کسی نبی، صحابی یا ولی کی نظر رحمت میں آنا اور ان کی توجہات نورانیہ سے فیض یابی حاصل کرنا صحبت کہلاتا ہے۔

[1] (احیاء العلوم)

یہ فیضان نظر تھا یا مکتب کی کرامت　　　سکھائے کس نے اسماعیل کا آداب فرزندی [۱]

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ انبیاء، اصحاب اور اولیاء اللہ کے باطن میں انوارات و اسرار کی نعمت عظمٰی ہوتی ہے جو ان عظیم ہستیوں کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے لہذا ایسے صاحب انوار و معارف ہستی کی صحبت انسان کو آسمان کی بلندیوں تک اٹھانے کا سبب بنتی ہے اور ایسی صحبت اللہ تعالی کے قرب و معرفت کا دروازہ ہوتی ہے اور انسان پر اللہ تعالی کی ذات اور صفات کے حقائق و اسرار منکشف ہوتے ہیں اور ایسی صحبت انسان کے ایمان غیبی کو ایمان شہودی کے درجہ کمال تک لے جاتی ہے۔ ایسی نایاب صحبت بندہ مومن کو صورت توحید سے گزار کر حقیقت اور جوہر توحید کے لامتناہی سیر میں داخل کر دیتی ہے۔

اسی لیے حضرت شیخ سعدی نے فرمایا تھا کہ ایک لمحہ کی ولی کی صحبت صد (۱۰۰) سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ اسی طرح حضرت مولائے روم صحبت شیخ کے متعلق فرماتے ہیں [۲]:

سالہا باید کہ تا زاز آفتاب　　　لعل یابد رنگ رخشانی و تاب

طالب کا قلب تربیت روحانی سے پہلے بے قیمت پتھر کی طرح ہے اور شیخ کا قلب جو انوار نسبت سے منور ہو کر مثل آفتاب بن چکا ہے بلکہ قابل رشک صد آفتاب ہے لہذا طویل عرصہ تک فیضان صحبت سے مرید کا دل بھی نسبت مع اللہ کی نعمت سے لعل و گہر بن جائے گا۔ حضرت جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں [۳]:

چہ کشد ایں نار را نور خدا　　　نور ابراہیم را ساز اوستا

نفس کی خواہشات کا واحد علاج صرف یہی ہے کہ کسی صاحب نسبت ولی سے تعلق پیدا کیا جائے اور اس کی صحبت کے انوار دل میں حاصل کیے جائیں۔ وہی بتائے گا کہ دل میں نور کس

[۱] (اقبال)، [۲] (مثنوی مالا ناروم)، [۳] (مثنوی مولانا رومؒ)

طرح آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نور اس قدر قوی ہوتا ہے کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اہل ایمان دوزخ کو بذریعہ پل صراط عبور کریں گے تو دوزخ سے آواز آئے گی:

جُزْ یَا مُوئُمِنُ فَاِنَّ نُوْرُکَ تُطْفِئُی نَارِیُ۔

ترجمہ: اے مومن جلد گذر جا تیرا نور میری آگ کو بجھا رہا ہے۔

اسی نور الٰہی کا اعجاز تھا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود ملعون نے آگ میں ڈالا تو وہ آگ گلزار بن گئی۔

جب ایک کمزور ایمان والا مسلمان کسی قوی ایمان والے مرد مومن کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو قوی ایمان کی روشنی سے ضعیف ایمان کی روشنی بھی تیز تر ہو جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ دوسرے صحابیؓ کے مہمان ہوئے۔ جب مہمان صحابی نے عبادت فافلہ کے لیے اٹھنے کا ارادہ کیا تو میزبان صحابیؓ نے فرمایا کہ: اِجْلِسْ بِنَا نُوئُمِنُ سَاعَۃً۔

ترجمہ: میرے پاس بیٹھو ہم کچھ دیر تم سے ایمان تازہ کریں گے۔

صحبت دو طرح کی ہے۔ ایک اتفاقی صحبت جیسے ہمسایہ میں رہنے سے ہو جائے یا اکھٹا سکول، کالج میں ساتھ رہنے سے ہو جائے یا ایک جگہ نوکری کرنے کی وجہ سے ہو جائے یا سفر میں ساتھ رفیق ہونے کی وجہ سے ہو جائے۔

دوسری صحبت اختیاری ہے جس کو انسان مقاصد کے لیے اختیار کرتا ہے۔ گویا صحبت اختیاری کے پیچھے کچھ محرکات ہوتے ہیں۔ ان محرکات میں دنیاوی فوائد یا اخروی فوائد یا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی ہو سکتی ہے۔ صحبت روحانی کی بنیاد بہتری آخرت اور رضا ربانی کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جن کی مناسبت باطنی اور مشابہت معنوی ایک طرح کی ہوتی ہے وہ باہم یکجا ہو جاتے ہیں اور ہم صحبت بن جاتے ہیں۔

سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روحیں لشکر کے لشکر مجتمع ہیں جن میں ازل سے شناسائی ہوتی ہے وہ آپس میں الفت کرتی ہیں اور جو ازل سے اجنبی ہوتی ہیں وہ دنیا میں بھی جدا جدا ہوتی ہیں۔ [۱]

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کر کے ان میں سے بعض کے دو ٹکڑے کیے اور ان کو اپنے عرش کے گرد طواف کروایا۔ دو ٹکڑوں میں سے جن کے دو دو میں وہاں تعارف ہو گیا وہ دنیا میں بھی ملے رہے۔

اسی طرح حضرت سیدنا علیؓ سے روایت ہے کہ بے شک روحیں لشکر مجتمع میں ملتی ہیں اور ایک دوسرے سے ہوا میں قریب ہوتی ہیں۔ [۲]

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ فرمایا کہ دو مومنوں کی روحیں ایک مہینہ کے فاصلے سے ملتی ہیں حالانکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا۔ [۳]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر ایک مومن اس مجلس میں جاوے جس میں سو منافق ہوں اور ایک ایماندار آدمی ماجود ہو۔ تو وہ مومن اسی ایک ایماندار آدمی کے پاس آ کر بیٹھے گا اور اگر ایک منافق ایسی مجلس میں جاوے جس میں سو مومن موجود ہوں اور ایک منافق آدمی ہو۔ وہ منافق شخص مجلس میں موجود منافق کے پاس ہی آ کر ہم نشت ہو گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مثل کو اپنی مثل کی طرف کشش ہوتی ہے اگرچہ اس کو علم نہ ہو۔ [۴]

مصاحبت اور دوستی کے حقوق

اخوت و دوستی کی بجا آوری میں مندرجہ ذیل حقوق کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

---

[۱] (بخاری، مسلم، [۲] (طبرانی)، [۳] (احمد)، [۴] (احیاء العلوم)

تا کہ پیر و مرشد کے ساتھ تعلقات میں اور باہمی پیر بھائیوں کے ساتھ تعلقات میں مثالی رویہ اپنایا جاسکے:۔

۱) حق مال میں شراکت کا احساس ہونا ضروری ہے تا کہ نفع ونقصان میں ایک دوسرے کے ساتھ باہم شریک ہوں۔ حسب ضرورت شیخ کی مالی خدمت کرنا تا کہ مقاصد دینیہ کی سرانجامی آسانی ہو۔ ضرورت مند کو مانگنے کی حاجت نہ ہو بلکہ بغیر مانگے اس کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

سیدنا حضور نور مجسم ﷺ فرماتے ہیں کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کے مثل ہے کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے۔ دونوں ہاتھ ایک ہی مقصد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح دونوں پیر بھائیوں کی اخوت اس وقت کامل ہوتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضروریات کا احساس رکھیں اور اپنے نفس پر بھائی کے نفس کو ترجیح دی جائے یہ مقام صدیقین کا ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں۔

مروی ہے کہ صوفیوں کی چغلی کسی حکمران کے سامنے ہوئی جن میں حضرت ابوالحسن نوریؒ بھی تھے۔ حکمران نے سب کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ سب سے پہلے جلاد کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا سب سے پہلے مجھے قتل کرو جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے خود کو پہلے کیونکر پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نازک لمحہ میں دوسروں کی زندگی کو اپنی زندگی پر مقدم کرنا پسند کرتا ہوں۔

ایک شخص حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی کروں۔ آپؓ نے فرمایا کہ دوستی تو کرنا چاہتے ہو کیا اخوت کا حق بھی جانتے ہو؟ اس نے عرض کیا مجھے بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا اسی دوستی کا حق یہ ہے کہ تو اخوت کے بعد اپنے دینار و درہم کا حقدار مجھ سے زیادہ نہ ہوگا۔

سیدنا امام زین العابدینؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر جو چاہتا ہے بغیر اس کی اجازت کے نکال لیتا ہے یا نہیں؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا آپس میں بھائی نہیں ہو۔

جذبہ ایثار کی ایک مثال پیش خدمت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس اصحابؓ میں سے بکری کی سری ہدیہ میں آئی انہوں نے دوسرے کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ان کو بھیج دی انہوں نے تیسرے کے گھر بھیج دی اسطرح وہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے گھر میں پہنچ آئی۔

سیدنا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ بیس (۲۰) درہم جو میں اپنے دوست فی اللہ کو دوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہیں کہ میں (۱۰۰) سو درہم مساکین پر خیرات کروں۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صحبت میں ایثار کرنا اللہ تعالی کے حق کو بجانا ہے۔ [۱]

سیدنا حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپؓ نے فرمایا میرا جلیس یعنی میرے پاس بیٹھنے والا شخص۔ اور فرمایا کہ جو شخص میری مجلس تین بار آتا ہے اور اس کا مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا تو میں جان لیتا ہوں کہ اس کا مقصد آنے کا دنیا نہیں ہے۔

۲) دوستوں کا دوسرا اہم حق یہ ہے کہ ان کے عیبوں پر چشم پوشی کرے۔ انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جس طرح اپنے دوست کی برائیاں بیان کرنے سے بچنے کے لیے خاموشی واجب ہے اسی طرح دل سے سکوت کرنا بھی واجب ہے یعنی دوست کے ساتھ بدگمانی مت کریں کیونکہ بدگمانی کرنا دل

[۱] (احیاء العلوم)

سے غیبت کرنا ہے۔ اس سے بچنا شرعی طور پر ضروری ہے۔ سالکین طریقت کے لیے دل کی حفاظت کرنا بے حد ضروری ہے۔

۳) حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ تین صورتوں میں اپنے پیر بھائیوں کی خبر لو۔ اگر مریض ہو تو ان کی عیادت کرو اور اگر کام میں پھنسے ہوئے ہوں تو ان کی مدد کرو اور اگر بھول گئے ہوں تو ان کو یاد دلاؤں۔

مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے حضور میں داہنے بائیں تاکتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ایک شخص سے محبت ہے اس کو دیکھتا ہوں وہ معلوم نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی سے محبت کرو تو اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اس کا مکان پوچھ لیا کرو اور پھر وہ اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور کام میں ہو تو اس کی مدد کرو۔

۴) ہم صحبت لوگوں کا یہ حق ہے کہ ان کے احوال کا تجسس نہ کرے اور ان کی پوشیدہ باتوں اور رازوں کو ظاہر نہ کرے۔ یہاں تک کہ کسی دوسرے اپنے دوست سے بھی راز افشا نہ کرے۔ کیونکہ سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کسی کے سامنے وہ بات نہ کرتے جو اس کو بری لگتی ہو۔[1]

۵) بھائیوں کے قصوروں کو معاف کرنا چاہیے۔ کیونکہ حضرت فضلؒ فرماتے ہیں کہ بھائیوں کی غلطیوں کو معاف کرنا جوانمردی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اس برے ہمسایہ سے جو اگر نیکی دیکھے تو اس کو چھپا دے اور اگر برائی دیکھے تو اس کو ظاہر کرے۔

۶) دوستوں سے حسد اور بغض نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ باطن کو خباثت سے پر کر دیتا ہے۔

---

[1] (ابوداؤد، ترمذی)

۷) کسی حکیم کا قول ہے کہ اس کی صحبت اختیار نہ کرو جو چار باتوں میں بدل جائے یعنی غصہ، ہوا، رضا اور طمع کی حالت میں جو اصل حالت سے مختلف ہو جائے۔

۸) حضرت سیدنا عباسؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابن عباسؓ کو ارشاد فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تم کو بوڑھوں پر مقدم کرتے ہیں اس لیے پانچ باتیں کہتا ہوں ان کو یاد کر لو۔ (۱) ان کا راز فاش مت کرنا (۲) ان کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا (۳) ان کے سامنے جھوٹ نہ بولنا (۴) ان کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا (۵) ایسی بات نہ کرنا کہ تمھاری ان کے سامنے خیانت ثابت ہو۔

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کا ایک کلمہ ایک ہزار بات کرنے سے بہتر ہے۔

۹) مجلس میں کسی کی بات کو کاٹنا مناسب نہیں۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی حدیث میں ہے کہ سیدنا حضورﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم ایک دوسرے کی بات کاٹ رہے تھے تو آپﷺ غصہ ہوئے کہ بات کاٹنے کو چھوڑ و کہ اس میں بہتری کم ہے اور اس کو جانے دو کہ اس میں فائدہ تھوڑا ہے اور بھائیوں میں عداوت پیدا کرتا ہے۔[۱]

۱۰) پیر و مرشد کی صحبت میں عاجزی سے حاضر ہو وہ دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ مجھے کسی ولی اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

۱۱) پیر و مرشد کی صحبت میں حاضری کے وقت ادب سے سلام عرض کرے اور دست بوسی کرے۔

۱۲) پیر و مرشد کی مجلس میں جہاں بھی جگہ مل جائے بیٹھ جائے کسی خاص مقام پر بیٹھنے کی

[۱] (احیاء العلوم)

خواہش نہ کرے ہاں اگر پیرومرشد حکم فرمائیں تو ان کے حکم کے مطابق اس جگہ بیٹھ جائے۔

۱۳) پیرومرشد کی خاص اشیاء مثلاً جائے نماز، گلاس، لوٹا یا مسند وغیرہ کو استعمال نہ کرے اگر شیخ حکم فرمائے تو پھر تعمیل کرے۔

۱۴) شیخ کی محفل میں شیطانی وساوس سے دل کو بچا کر رکھے۔

۱۵) تمام توجہ شیخ کے دیدار کی طرف کرے۔

۱۶) شیخ کی خانقاہ سے جو کھانے اور پینے کے لیے عطا ہو اسے عقیدت سے تبرک سمجھ کر کھائے کیونکہ مرشدی استاد صاحب مبارک کا فرمان ہے کہ اولیاء اللہ کی خانقاہوں کے کھانے میں نور ہوتا ہے۔ اس نور حسی باطنی کو صرف اہل نور ہی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

۱۷) پیرومرشد کی مجلس سے اجازت لے کر ہی واپسی کا سفر کرے۔

۱۸) پیرومرشد کی صحبت میں خدمت کی سعادت حاصل کرنے کو ترجیح دے مثلاً مہمانوں کے ہاتھ دھلوانا، دسترخوان بچھانا اور خانقاہ شریف کے برتن دھونا، خانقاہ کی صفائی کرنا۔

۱۹) مجلس صحبت کی جگہ بلند آواز سے باتیں نہ کرے اور کبھی بھی ہنسی مذاق نہ کرے۔

۲۰) پیرومرشد کی خانقاہ میں غیر مناسب حرکات سے پرہیز کرے اور شیخ کی طرف پوؤں کر کے نہ لیٹے اور شیخ سے منسوب ہر چیز کا احترام کرے۔

باب نمبر۲

(نورانی توجہات)

طریقت وتصوف میں توجہ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے لفظ توجہ کی وضاحت سے اس کی اصل اور حقیقت واضح ہو جائے گی۔ تَوَجُّہ تصوف کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ توجہ کی اہمیت و افادیت کو صرف اہل باطن لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

مختلف افراد نے توجہ کی تعریف مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔ ایک تعریف اس طرح بیان ہوئی ہے کہ توجہ سے مراد تسخیر قلب کی وہ خاصیت ہے جس میں صاحب توجہ اپنے خیال کی طاقت اور ارادے کی قوت کے ذریعے کسی کے دل پر اثر انداز ہو کر اس کے قلب میں تبدیلی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اس کو اصطلاح تصوف میں تصرف بھی کہتے ہیں۔ توجہ اپنی قوت ارادی اور خیال کی طاقت سے کسی کے دل پر اثر ڈال کر اس کی حالت میں تبدیلی پیدا کرنا توجہ یا ہمت کہلاتا ہے۔ اہل طریقت اس کے ذریعے سالکوں کے دلوں پر ان کی اصلاح کا اثر ڈالتے ہیں۔ [۱]

حضرت محمد سعید مجددی صاحب نے توجہ کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے کہ شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا توجہ کہلاتا ہے۔ سلوک کی منزلوں میں شیخ ہر سبق کے لیے توجہ کے ذریعے طالب کے لطائف پر فیض القا کرتا ہے۔ اس کو تصرف یا ہمت بھی کہا جاتا ہے۔ [۲]

---

[۱] (مخزن طریقت)، [۲] (البینات جلد اول)

مجھ ناچیز کے مشاہدہ وحال کے مطابق خیال کی طاقت اور قوت ارادی کا اثر دوسرے انسانوں پر توجہ نہیں کہلاتا۔ بلکہ شیخ کا اپنے لطائف سے انوارات وفیوضات کو شعاعوں کی صورت میں طالب کے لطائف میں منتقل کرنے کا عمل توجہ کہلاتا ہے

حضرت علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ لطیفہ وہ جوہر ہے جو مادہ سے خالی ہوتا ہے اور اسے لطیفہ انسانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ [۱]

جبکہ حضرت پیر محمد سعید احمد مجددیؒ فرماتے ہیں کہ انسانی جسم میں محل نور کو لطیفہ کہتے ہیں۔ [۲]

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ سید الکونین نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس حالت میں بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ [۳]

حضرت قاضی ثناء اللہ مجددیؒ اس حدیث مبارکہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالی کو جو علوم اور کمال نبوۃ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کو عطا فرمانے منظور تھے، وہ تجلیات ذاتیہ جو انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہیں، سب کی سب اسی وقت آپ ﷺ کو عطا فرمادی تھیں جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسد بن گیا اور ان کی ذریت کی روحیں ان کی پشت میں جاگزیں ہوگئیں تو وہ سب تجلیات ذاتیہ کے قبول کرنے کے لائق ہوگئے۔ [۴]

حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ اکابر صوفیہؒ کے نزدیک یہ امر پایا ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جیسے سورج کی روشنی زمین اپنی کثافت کے سبب برداشت کرسکتی ہے اور دیگر عناصر لطافت کے سبب متحمل نہیں ہوسکتے اسی طرح تجلی ذاتی کو بھی عنصر خاکی ہی برداشت کرسکتا ہے۔ اور باقی عناصر میں جتنی کثافت ہے اس کے سبب تجلی صفاتی کو تو برداشت کر بھی سکتے

---

[۱] (کتاب التعریفات ۱۰۷)، [۲] (سعادت العباد جلد ۲)، [۳] (طبرانی۔ حلیہ)، [۴] (تفسیر مظہری جلد اول)

ہیں مگر تجلی ذاتی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اور عالم امر کے لطائف چونکہ لطیف ہیں اس لیے انہیں تجلیات ذاتیہ سے تو حصہ ملتا نہیں لیکن تجلیات ظلیہ سے کچھ بہرہ مل جاتا ہے اور انسان چونکہ عالم امر اور عالم خلق کے دس لطائف سے مرکب ہے جو اجزاء عالم کبیر ہیں۔ اور سوائے انسان کے کسی مخلوق میں یہ لطائف مجتمع نہیں ہیں۔ اس لیے وہ خلافت کے قابل اور اس بار امانت کا حامل ہوا۔

چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا: اِنَّـا عَـرَضۡنَـا الۡاَمَـانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ الۡـجِبَـالِ فَـاَبَيۡـنَ اَنۡ يَّـحۡـمِلۡـنَهَـاوَ اَشۡـفَـقۡـنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسٰنُ ط اِنَّـه' كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۝ [۱]

ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

یہاں ظَلُوۡمًا اس لیے فرمایا گیا کہ انسان نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور جَهُوۡلًا اس لیے کہ اس نے بار امانت کی عظمت کو نہ جانا۔ اور یہ انسان گو بظاہر عالم صغیر کہلاتا ہے مگر حقیقت میں عالم کبیر سے بڑھ کر ہے چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ مجھے نہ میری زمین سما سکتی ہے نہ آسمان مگر مومن بندہ کامل کا قلب مجھے سما سکتا ہے۔ [۲]

اسی طرح وَ يُعَلِّمُكُمۡ مَا لَمۡ تَكُوۡنُوا تَعۡلَمُوۡن۔ [۳] تفسیر فرماتے ہوئے مفسر بے مثل حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعلیم اور قسم کی ہے تو ممکن ہے کہ اس دوسری تعلیم سے مراد علم لدنی ہو جو ظاہر قرآن سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ باطن قرآن اور سینہ بے کینہ جناب سید المرسلین ﷺ سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس

[۱] (سورۃ الحزاب، پ۲۲، آیت نمبر۷۲)، [۲] (تفسیر مظہری)، [۳] (سورۃ البقرۃ، پ۲، آیت نمبر۱۵۱)

نور کے حاصل کرنے کا سوائے انکاس کے کوئی دوسرا طریقہ نہیں اور اس کی حقیقت کا ادراک بعید از قیاس ہے۔[۱]

تفسیر مظہری کی اس بحث کو نقل کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ انبیاء کرام لطائف انوارات وتجلیات الہیہ کا مظہر ہوتے ہیں اور انبیاء کے نورانی اجسام سے مومنین نور چینی کرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت سے ظاہر ہو رہا ہے یعنی وہ انوارات وتجلیات کی عظیم امانت تھی جس کو آسمانوں، پہاڑوں اور زمین نے اٹھانے سے معذرت اور عاجزی پیش کی تھی۔ جیسا کہ سیدنا موسی علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نور الہی سے پہاڑ جل کر راکھ ہو گیا۔

اسی طرح قرآن مقدس کے ایک ظاہری الفاظ ہیں اور ساتھ ہی کلام الہی ہونے کی وجہ سے قرآن مقدس کے انوارات بھی ہیں۔ صرف قرآن کو کتابی شکل میں آسمان وزمین اور پہاڑ پر رکھنا مقصود نہیں تھا بلکہ انوارات قرآنیہ کو برداشت کرنا کسی اور مخلوق کی ہمت نہ تھی۔ ان تمام انوارات وتجلیات الہیہ اور انوارات قرآنیہ کو نور مجسم ﷺ نے جذب کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید کو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا۔

اس وضاحت سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ توجہ، انوارات و فیوضات باطنیہ کو انعکاس کی صورت میں طالبوں کے باطن پر منتقل کرنے کا عمل ہے۔ جدید سائنسی علوم میں حرارت اور روشنی کی منتقلی کا عمل بھی تین طریقوں سے ہوتا ہے۔

Conduction(۱)   Convection(۲)   Radiation (۳)

فیض یابی کے دوران صحبت اور توجہ کا عمل اسی نوعیت کا ہوتا ہے جس میں باہمی ملاپ اور انعکاس ہوتا ہے۔ نور مجسم ﷺ کی صحبت اور نورانی توجہات سے صحابہ کرام تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب

[۱] (تفسیر مظہری جلد اول)

کی نا قابل بیان بلندیوں تک پہنچ گئے اس ظاہری صحبت اور بلا واسطہ نور چینی نے ان کو وہ عظمتیں عطا کیں کہ آج اگر سب اولیاء اللہ جمع ہو کر بھی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اگر چہ وہ قیوم زماں ہوں یا غوث زماں یا امام الوقت۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج اللہ تعالی رب العزت کی وہی بے مثل ذات ہے جو اس وقت تھی، آج وہی کعبۃ اللہ ہے جو اس وقت تھا، آج وہی قرآن ہے جو اس وقت تھا پھر نور مجسم ﷺ کے فیض یافتہ صحابہ کی عظمت کیوں ہے اور آپ ﷺ نے کیوں فرمایا کہ میرا زمانہ بہتر ہے اور پھر میرے صحابہ کا زمانہ بہتر ہے اور پھر تابعین کا زمانہ بہتر ہے؟

اس وقت نور مجسم ﷺ کے جسم اطہر سے بلا واسطہ جن لوگوں نے نور چینی کی وہ درجہ صحابیت پر فائز ہوئے پھر صحابہ و اہلبیت اطہار کی صحبت و توجہ سے جن لوگوں نے نور و فیض حاصل کیا وہ تابعین کے مقام پر فائز ہوئے۔ اس طرح انوارات و تجلیات ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں منتقل ہوتے ہوئے آج تک اولیاء اللہ کے باطنی لطائف میں موجود ہیں۔ ان انوارات کی بدولت باطنی حجابات اٹھ جاتے ہیں اور قلب و روح منور ہو جاتے ہیں اور ایمان درجہ غیبی سے ترقی کرتا ہوا درجہ شہود تک پہنچ جاتا ہے جو اللہ تعالی کے ہاں قربیت و محبوبیت کے سبب بنتا ہے۔

نور کا سینہ بسینہ منتقل ہونا

جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دو طرح کے علوم حاصل کیے ایک بیان کر دیا اگر دوسرا علم بیان کروں تو لوگ میری گردن کاٹ دیں۔ [1]

تمام مستند محدثین نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ ایک علم شریعت ہے اور دوسرا علم

---

[1] (بخاری باب العلم)

معرفت ہے۔

سید الکونین نور مجسم ﷺ کی شان محبوبیت دیکھئے کہ اللہ تعالی رب العزت قرآن میں آپ ﷺ کے سینہ انور کا ذکر فرماتا ہے: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝ [1]

ترجمہ: کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع کیا ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوت اور علم وحکمت کے لیے یہاں تک کہ عالم غیب وشہادت اس کی وسعت میں سما گئے۔ اور علائق جسمانیہ انوار روحانیہ کے لیے مانع نہ ہو سکے۔ اور علوم لدنیہ وحکم الہیہ ومعرفت ربانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے اور ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا جس میں جبرئیل امین نے سینہ پاک چاک کر کے قلب مبارک کو نکال کر آب زم زم سے غسل دیا اور نور وحکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ [2]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی فرماتے ہیں کہ ہم نے تمھارا سینہ کھول دیا جس کے اندر نور الہیہ کے ساتھ ایسے علوم صادقہ اور معارف دینیہ سما گئے جس کسی دانش مند کو دانش وعقل کے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتے اور دل کے اندر اللہ تعالی کی کامل توجہ بھی پیدا کر دی گئی تا کہ مرتبہ عروج کی تکمیل ہو جائے اور حضور کامل کے مخلوق کی طرف بھی اس کا دعوتی اور تبلیغی رح کر دیا گیا تا کہ مرتبہ نزول بھی حاصل ہو جائے، پس حالت نزول میں تمھارا انقطاع اللہ تعالی سے نہیں ہے کہ تم کو اس کا رنج ہو۔ [3]

اسی بحث میں آپ مزید لکھتے ہیں کہ صوفیہ کو نفس اور نفسانیت کی مکمل فنا کے بعد شرح صدر اور ایمان حقیقی کی بشارت دی جاتی ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے یہی فرمایا

[1] (سورۃ الشرح، پ۳۰، آیت نمبر۱)، [1] (تفسیر خزائن العرفان)، [2] (تفسیر مظہری جلد۱۲)

ہے اور دوسرے مشائخ کرام کے ملفوظات سے بھی ہم نے یہی استفادہ کیا ہے۔ [۱]

سید الکونین، سرور کائنات، نور مجسم ﷺ کے سینہ اطہر کے انوارات سے منور کا ثبوت ظاہر ہوتا ہے اور یہی انوارات سینہ بسینہ آگے امت کے اولیاء میں منتقل ہو رہے ہیں اب مومنین اولیاء اللہ کے سینہ میں نور کے داخل ہونے کا ثبوت قرآن مجید اور حدیث مبارکہ سے پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط [۲]

ترجمہ کنز الایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نور پر ہے۔ کیا وہ شخص اور وہ لوگ جن کے دل سخت اور تاریک ہیں برابر ہیں اور نور سے مراد بصیرت یعنی دل کی بینائی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ سینہ کیسے کشادہ ہوتا ہے فرمایا جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخرت کی طرف ہمہ تن رجوع اور دنیا سے دوری اختیار کرنی اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنی ہے۔ [۳]

حدیث ابو ھریرہؓ کی وضاحت ضروری ہے تاکہ یہ بات سمجھ میں آ سکے کہ باطنی اسرار و معارف عام لوگوں کی فہم سے بلند ہوتے ہیں اگر اس حدیث مبارکہ میں علم شریعت اور علم لدنی کا تذکرہ ہی تسلیم کر لیا جائے تو اس پر کم فہم آدمی اعتراض کر سکتا ہے کہ علم لدنی کے حقائق بیان کرنے

---

[۱] (تفسیر مظہری جلد۱۲)، [۱] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر۲۲)، [۲] (بغوی۔ حاکم۔ بیہقی)

میں گلا کاٹنے کی بات ہے؟ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو زبان قال سے سمجھانا مشکل ہیں ان کے لیے زبان حال کا حامل ہونا ضروری ہے یعنی احوال باطنیہ کو سمجھنے کے لیے نفس مزکی اور قلب ذاکر بنیاد ہیں۔ احوال باطنیہ نور کی صورت میں دوسرے قلب میں توجہ کے ذریعے داخل کیے جاتے ہیں یا پھر ایک قلب کا دوسرے قلب پر عکس واقع ہوتا ہے، یا پھر شرح صدر کے حامل اولیاء پر الہام کی صورت میں اسرار واحوال کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل علم لوگ جانتے ہیں کہ زبان سے تعلیم چند امور پر موقوف ہے:۔

۱) وہ شے اس قسم کی ہو کہ جو علم اکتسابی سے حاصل ہو سکتی ہو۔

۲) الفاظ اس شے کے مقابلہ میں موضوع ہوں۔

۳) سننے والے کو وضع کا علم ہو۔

اب ہم جب علم لدنی پر غور کریں تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب امور علم لدنی میں مفقود ہیں نہ تو علم حصولی سے مدرک ہو سکتا ہے بلکہ اس کا ادراک علم حضوری سے ہوتا ہے جس سے کسی وقت غفلت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی ان معارف کے لیے الفاظ موضوع ہیں اور نہ سامعین کو علم بالوضع حاصل ہے۔

علماء دیوبند کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب عجیب انداز میں علم تصوف و روحانیت کے سینہ بسینہ منتقل ہونے کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عنوان اصلاح، ابطال دعوی سینہ بسینہ شدن علم تصوف۔ (یعنی علم تصوف کا سینہ بسینہ منتقل ہونے کا دعوی کرنا باطل ہے)۔[۱]

دوسرے مقام پر تصرف وتاثیر (توجہ) کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ توجہ کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ فلاں شخص میں ذوق وشوق پیدا ہو جائے اس کے واسطے

[۱] (التکشف صفحہ ۶۲۶)

دعا کر دے اس کا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف مصطلحہ ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور بقصدِ تصرف ہوتا ہے۔ یہ گو جائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں۔۔۔۔ اس چند خلجان ہیں اول تو سنت میں منقول نہیں دوسرے اس سے کام میں اکثر سستی ہونے لگتی ہے۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی۔۔۔ بعضے ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ و اختیار میں ہوتا ہے۔ [۱]

اہلسنت کے مطابق سید الکونین ﷺ کو انوارات و اسرار کا منبع و سر چشمہ بنایا جہاں سے امت باطنی سیرابی کے لیے رجوع کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سر سے لے کر قدم مبارک تک نور تھے۔ آپ ﷺ کے جمال و کمال کو دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں چاند اور سورج کی طرح روشن اور چمکدار تھے اگر آپ ﷺ لباس بشریت نہ پہنے ہوتے تو کسی کا آپ ﷺ کی طرف دیکھنا آپ ﷺ کے حسن و جمال کا ادراک ممکن نہ ہوتا۔ [۲]

سید الکونین ﷺ کے نور مجسم اور سر چشمہ انوارات ہونے کا ذکر قرآن مجید میں اسطرح بیان ہوا ہے: قَدْ جَآئَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ [۳]

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے اس طرح فرمائی ہے کہ نور سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ [۴]

---

[۱] (شریعت وطریقت صفحہ ۳۱۵ تا ۳۱۶)، [۲] (مدارج نبوت)، [۳] (سورۃ المائدہ، پ ۶، آیت نمبر ۱۵)، [۴] (تنویر مقیاس)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ [۱]

حضرت مفسر علامہ بیضاوی، حضرت علامہ حازن اور علامہ اسماعیل حقی اور صاحب تفسیر قرطبی سب نے نور سے مراد سید الکونین ﷺ کی ذات لی اور کتاب سے مراد قرآن مجید لیا اور امام زجاج نے بھی یہی معنی لیا ہے۔ [۲]

اسی طرح اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت قطب الدین دمشقی لکھتے ہیں نور سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ [۳]

حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ تینوں ولایتیں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا آپ ﷺ کے فیضان کے سمندروں کے قطرے ہیں اور نبوت و رسالت دونوں آنحضرت ﷺ کے انوار سے ماخوذ ہیں اور مقطعات قرآنیہ آپ ﷺ کے اسرار کے رموز ہیں۔ [۴]

حضرت شیخ احمد الصاوی المالکی جلالین شریف پر حاشیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو نور اس لیے فرمایا کہ آپ بصارتوں کو نورانی بناتے ہیں اور کامیابی کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور حضور ﷺ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔ [۵]

سید الکونین نور مجسم ﷺ کے سینہ انور سے انوارات کی تزکیہ کے لیے منتقلی کے بارے میں مشہور زمانہ محدث ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے وجود اطہر سے نور منعکس ہو کر دلوں کے اسرار و احوال کو کھولتا ہے۔

هُوَ صَلى اللّٰه تعالى عليه وسلم بِقَلْبِهٖ وَقَالِبِهٖ نوُر" يَسْتَنَارُ مِنْهُ الْاَنوَارُ وَ

[۱] (جلالین شریف)، [۲] (تفسیر حازن۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر روح البیان۔ تفسیر قرطبی۔ تفسیر مدارک)، [۳] (امداد السلوک صفحہ ۲۰۱)، [۴] (مکتوبات معصومیہ، جلد اول صفحہ ۲۸۳)، [۵] (الصاوی علی الجلالین ۱: ۴۳۹ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

يَسْتَضَاءُ مِنْهُ الْاَسْرَار۔[1]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا قلب اقدس اور جسم اطہر تمام نور ہے اور جملہ نور اسی نور سے روشن ہیں اور دلوں کے اسرار آپ ﷺ کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے تین چیزوں مشکاۃ، مصباح، ذجاجہ کا ذکر آیت **مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاح**"[2] میں کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت سہیل بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مصباح سے مراد آپ ﷺ کا قلب اقدس اور دجاجۃ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ مبارک ہے۔ گویا کہ مشکاۃ سے مراد وجود بشریت محمد ﷺ کا وہ پیکر جمیل ہے جسے نور مجسم کہا جاتا ہے گویا کہ وہ ایک چمکدار ستارہ ہے جس کے اندر نور، ایمان و حکمت بھرا ہوا ہے۔[3]

حضرت امام ربانی قیوم زمانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ نے حضرت ابوھریرہ کی حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسرا علم اسرار کا علم ہے جس تک کسی کا فہم نہیں پہنچ سکتا اور وہ اسرار و دقائق ہیں۔ یہ روحانی دولت جس کے چھپانے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ یہ اسرار و معارف سینہ نبوت کے نور سے اخذ کیے جاتے ہیں۔[4]

اب حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی کی وضاحت پیش خدمت ہے کہ کس طرح سینہ نبوت سے نور چینی کا عمل ہوتا ہے۔ سینہ بسینہ کس طرح انوارات و اسرار کی منتقلی ہوتی ہے۔ جس کی نفی علماء دیوبند کے حکیم الامت اور عظیم بزرگ کر رہے ہیں: جب معلوم ہو چکا کہ معارف و حقائق یا تو

---

[1] (شرح شفا یہ حاشیہ نسیم الریاض)، [2] (سورۃ النور، پ ۱۸، آیت نمبر ۳۵)، [3] (الشفاء للقاضی عیاض)، [4] (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۲۶۷)

انعکاس قلوب سے حاصل ہوتے ہیں اور یا القا سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اور کثرت ذکر و مراقبہ خواہ مجلس ذکر میں ہو یا خلوت میں اس انعکاس کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے اور وہ انعکاس نور خود جناب رسول ﷺ سے بلاواسطہ یا وسائط کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور فرماتے ہیں صوفیاء سے علم لدنی حاصل کرنا فرض عین ہے۔ [1]

پہلی وحی کے نزول کے وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام کا سید المرسلین ﷺ کو سینے سے لگا کر دبانا قوت توجہ کے لیے بہت بڑا ثبوت ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل نے سینہ سے لگا کر دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی۔ [2]

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں حضرت عبداللہ بن ابی حمزہ نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم یعنی سینہ سے ہوا جس کو دبایا گیا۔ تو یہ اتصال حصول فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہوتی ہے اور اہل میراث متبعین سنت محققین صوفیہ نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے۔ [3]

حدیث جبریل سالکوں کی مطلوبہ چیز ہے۔ [4]

مختلف احادیث مبارکہ میں نور مجسم ﷺ کا سیدنا حضرت عمرؓ، سیدنا حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابومحذورہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دیگر صحابہ کرام کے ہاتھ پکڑ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر، سر سے ناف تک ہاتھ پھیر کر نظر کرم فرما کر توجہ نورانی کے ذریعے ان کے باطنی احوال و کیفیات دینا اور ان حضرات کا اپنے سینہ میں تبدیلی محسوس کرنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ [5]

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد فرمانا کہ میرے سینہ میں جو کچھ اللہ تعالی نے ڈالا میں وہ

---

[1] (تفسیر مظہری جلد اول)، [2] (بخاری۔ مسلم)، [3] (بہجۃ النفوس)، [4] (فتح الباری شرح بخاری ۱:۸۹)،
[5] (مستدرک۔ مشکوۃ۔ ابوداؤد۔ مسند احمد۔ ابن ماجہ)،

ابوبکر صدیقؓ کے سینہ میں ڈال دیا۔ ۱؎

امام محقق علامہ حضرت یوسف نبہانی فلسطینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی طرح نور مصطفوی ﷺ کے جلوے اور سینہ اطہر کے انوارات کی ضیا پاشیاں دیکھئے وہ آج تک اپنے عاشقوں کو کس طرح عشق و مستی کے احوال کے مشاہدے کرواتے ہیں چنانچہ حضرت شیخ صالح نجم الدین بن فیولی مصری نے عیدالفطر کے دن اونگھ کی کیفیت میں ۱۰۰۷ھ میں دیکھا گویا نبی مکرم ﷺ اپنے روضہ انور کی جگہ پر سامنے تشریف رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کے سارے جسم سے نور نکل رہا ہے لیکن سینہ اقدس سے جو نور نکل رہا ہے وہ ایسی کیفیت میں ظاہر ہے جیسے جسمانی کیفیت ہے۔ اور اس کی مقدار اتنی تھی کہ آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کا حلقہ بنایا اور یہ نور اپنی جگہ سے پھیل کر حضرت سیدی محمد عجیلؒ تک پہنچتا ہے اور حضرت عجیل اس وقت اپنی مسجد میں محفل میلاد و ذکر قائم کیے بیٹھے ہیں اور یہ سینہ نبوت سے نکلنے والا نور لگاتار ان کے سینے میں داخل ہوتا چلا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا باقی اولیاء کو بھی یہ نور نصیب ہورہا ہے مگر اس کی مقدار تھوڑی ہے۔ اب میں پوری طرح جاگ گیا تب بھی وہی کیفیت جاری تھی کہ نور سید المرسلین ﷺ کے سینہ انور سے سیدی فقیہ محمد عجیلؒ کے سینہ میں آ رہا ہے۔ یہ اللہ تعالی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے وہ دے دیتا ہے کیونکہ وہ عظیم فضل والا ہے۔ ۲؎

حضرت ابی کعبؓ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگی جب رسول ﷺ نے مجھے دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔ ۳؎

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ دست مبارک کی برکت

۱؎ (ترمذی۔ مکتوبات امام ربانی)، ۱؎ (جامع کرامات اولیاء صفحہ ۷۹۸)، ۲؎ (مشکوۃ شریف)

سے غفلت دور ہو گئی اور فوراً ہی ان کو مقام حضور و مشاہدہ حاصل ہو گیا۔

اس حدیث مبارکہ کے فوائد میں علماء دیوبند کے شیخ مولانا اللہ یار خان نقشبندی اس طرح لکھتے ہیں:

۱) توجہ کی غرض غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

۲) ابی بن کعبؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہو جاتا ہے۔

۳) مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سے توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۴) شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہیں۔

۵) حدیث فعلی میں توجہ و تصرف کی مثال حضرت جبریل علیہ السلام کا سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کو حرا میں سینہ سے لگا کر دبانا ہے

ہمارے سلسلے میں اس حدیث فعلی کی روشنی میں سالک پر ابتداء میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متواتر چلا آ رہا ہے۔ توجہ کے لیے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے اس لیے اس اعتراض کی گنجائش نہیں کہ ابو طالب پر رسول اکرم ﷺ نے تصرف کیوں نہ کیا۔[1]

اب واضح ہو گیا مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا نظریہ قرآن و حدیث اور اکابرین اولیاء اللہ کے منافی ہے جس میں وہ تصوف کے سینہ بسینہ منتقل ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہ توجہ کرنے کو خلاف سنت لکھتے ہیں اور انبیاء و شیوخ کے فیض پہنچانے میں شک ظاہر کر رہے ہیں۔

[1] (دلائل السلوک صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۰)

محترم مولانا تھانوی صاحب کی دلیل کے رد کے لیے مولانا شیخ اللہ یار خان نقشبندی دیوبندی کی تحریر ہی کافی ہے۔ باقی نور کے موضوع پر قرآنی آیات اور احادیث لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ سید البشر اور سید المرسلین ﷺ کا نور مجسم ہونا ثابت ہو اور آپ ﷺ کا سینہ منبع انوار و اسرار ثابت ہو سکے اور یہ بھی ثابت ہو سکے کہ آج تک آپ ﷺ کے سینہ منورہ سے اولیاء امت کے قلوب منور ہو رہے ہیں جیسا کہ محترم علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ نور نبوت کے بغیر علوم نبوت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہو سکتی۔ [۱]

قرآن وحدیث سے توجہ کا ثبوت

۱) اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا۔ [۲]

ترجمہ: جب تم دشمن تھے پس اللہ تعالی نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی سو تم اللہ کی نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

دلوں میں الفت کا پیدا ہونا توجہ کا ہی نتیجہ ہے۔

۲) اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط [۳]

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب آپ ﷺ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں پس تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔

حضرت محمد سعید احمد مجددی صاحب اس آیت مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے، ان کی ہمت بڑھانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت اور جذبہ القا کریں کہ وہ کفار کے مقابلہ میں مضبوطی دکھائیں اور ڈٹ کر

---

[۱] (معارف مثنوی صفحہ۴۰۳)، [۲] (سورۃ آل عمران، پ۴، آیت نمبر۱۰۳)، [۳] (سورۃ الانفال، پ۹، آیت نمبر۱۲)

لڑیں۔ لہذا یہ عمل بھی توجہ ہی کہلائے گا۔ اسی طرح اس آیت سے القا اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ [1]

۳) وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط [2]

ترجمہ: اور ہم نے عیسی علیہ السلام کی تائید روح پاک سے کی۔

حضرت سیدنا عیسی علیہ السلام میں تائید باطنی اس طرح ظاہر ہوئی کہ وصف بشریت پر ملکیت کو غالب کر دیا گیا۔ اس طرح آپ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں آباد ہوئے۔

حدیث مبارکہ نمبر۱: حضرت سیدنا ابو ھریرہؓ کو حدیث یاد کرنے کا بہت شوق تھا مگر آپ کا حافظہ کمزور تھا۔ آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے اپنی حالت بیان کی آپ ﷺ نے فرمایا! چادر پھیلاؤ حضرت ابوھریرہؓ نے چادر پھیلا دی۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ چادر میں کچھ ڈالا اور فرمایا اب چادر کو سینہ سے لگاؤ۔ حضرت ابوھریرہؓ نے چادر کو اپنے سینے سے لگایا تو آپؓ کو اسی وقت حافظہ عطا ہوگئی جس کی وجہ سے آپؓ کو کبھی بھی حدیث پاک نہ بھولی۔ [3]

حدیث مبارکہ نمبر۲: ایک غزوہ سے نبی کریم ﷺ واپسی پر ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے اور اپنی تلوار درخت سے لٹکا دی ایک یہودی نے آ کر آپ ﷺ کی تلوار اٹھالی اور آپ ﷺ کو جگا کر کہا آپ ﷺ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی۔ یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور آپ ﷺ نے تلوار اٹھا کر فرمایا اب تجھے کون بچائے گا وہ گھبرا گیا اور بولا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو بھی کہہ دیتا اللہ تو اللہ تعالی تجھے بچا لیتا۔ آپ ﷺ نے توجہ کی وجہ سے وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور پھر وہ آپ ﷺ کی توجہ کی برکت سے ہی

[1] (تحفۃ القاری ۱:۲۱۱)، [2] (سورۃ البقرۃ، پ۱، آیت نمبر ۸۷)، [1] (بخاری شریف)

مسلمان ہو گیا۔

حدیث مبارکہ نمبر۳: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالی نے میرے سینے میں ڈالا تھا میں نے ابوبکر صدیقؓ کے سینے میں ڈال دیا۔ [۱]

حدیث مبارکہ نمبر۴: حضرت زھرہ بن معبدؓ فرماتے ہیں ہم آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا واللہ یا رسول اللہ آپ مجھے سوائے میری جان کے ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تو اس وقت مومن کامل نہیں ہوگا جب تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ پس آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ہاتھ رکھ کر خاص توجہ فرمائی جس سے ایسی تاثیر ہوئی کہ حضرت عمرؓ بول اٹھے۔ قسم ہے اللہ تعالی کی کہ اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ اب تو پورا مومن ہوا۔ [۲]

اس حدیث مبارکہ سے آپ ﷺ کی خصوصی توجہ سے حضرت عمرؓ کے باطن سے ان کی جان کی محبت ختم ہوئی اور آپ ﷺ نے مومن کامل ہونے کی بشارت دی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توجہ باطنی کی برکت سے ایمان کی ترقی ہوتی ہے اور اہم نقطہ یہ ظاہر ہوا کہ تکمیل ایمان کا معیار عشق رسول ﷺ ہے لہذا ایمان کا مرکز و محور ذات مصطفے علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

حضرت علامہ شامی قربت روحانی حاصل کرنے کے لیے اولیاء اللہ سے توجہات حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے اور اس کی اصل حدیث میں موجود ہے۔ [۳]

اہل اللہ کی توجہات حکمت خداوندی کے تابع ہوتی ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت

---

[۱] (الحاوی اللفتاوی)، [۲] (مسند احمد)، [۳] (شامی ۴: ۲۳۹)

اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے اور حضرت عروۃ الوثقٰی خواجہ محمد معصوم فاروقی نقشبندی فرماتے ہیں کہ مرشد کے باطن سے فیض حاصل کرنا مرید کی محبت کے اندازے کے مطابق ہے۔[۱]

پس ثابت ہوا شیخ سے عدم محبت کی بناء پر مرید فیض سے محروم رہتا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت اور قربت عطا کرنا چاہتے ہیں انہیں اہل اللہ کی محبت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

توجہ کی اقسام

مختلف صوفیاء کرام نے توجہ کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مندرجہ ذیل چار اقسامِ توجہ کا ذکر کیا ہے[۲]

۱) توجہ انعکاسی ۲) توجہ القائی
۳) توجہ اصلاحی ۴) توجہ اتحادی

اب ان چار اقسام کی وضاحت پیش خدمت ہے تاکہ ان میں فرق کی نوعیت ظاہر ہو سکے۔

۱) توجہ انعکاسی

اس توجہ کو حاصل کرنے کے لیے قربت جسمانی یا قوی قربت معنوی ضروری ہے جیسے کسی چیز پر شیشے یا روشنی کا عکس پڑتا ہے یا پھر اہل مجلس میں سے کسی نے خوشبو لگائی ہو اور اہل مجلس خوشبو کو محسوس کریں یہ انعکاسی توجہ کے مشابہ ہے۔ یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے اور اس کا اثر اس صورت میں تھوڑا ہوتا ہے۔ اگر صاحب توجہ کی توجہات زیادہ قوی نہ ہوں مگر ایسی توجہ سے فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر اگر صاحب توجہ ولی کی روحانی قوت زیادہ ہو تو پھر انعکاسی توجہ کا اثر بھی خوب ہوتا ہے۔ جیسے

---

[۱] (مکتوبات معصومیہ صفحہ ۲۸۳ جلد اول)، [۲] (تفسیر عزیزی)

حضرت شیخ المشائخ مرزا مظہر جان جانان شہید فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد کے دروازے پر بیٹھے دوست مجذوب پر توجہ کی تو میں اس کے عکس میں ہی دب گیا اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اونچا پایا۔[1]

یہ مجذوب کی جوابی توجہ کا نتیجہ تھا کہ حضرت قبلہ مرزا مظہر جان جاناں خود کو توجہ انعکاسی کے سبب عکس میں محسوس کیا۔

۲) توجہ القائی

اس طریقہ توجہ میں مریدین کو نسبت القاء کی جاتی ہے جو شیخ سے روحانی رابطہ کا ذریعہ ہوتی ہے۔ بعض نے اس کی مثال اس طرح بیان کی جیسے کوئی شخص بتی اور تیل ایک برتن میں ڈال کر لایا اور دوسرے شخص کے پاس آگ تھی اس نے چراغ روشن کر دیا مگر جب اس کو آندھی یا کوئی آفت آ جائے تو چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس قسم کی توجہ سے لطائف باطنیہ پر اثر قائم رہتا ہے مگر اس کو مزید قوی کرنے کے لیے شیخ سے مسلسل رابطہ اور ذکر کی باقاعدگی لازمی ہے۔ طالب کے قلب و روح میں جو اسم ذات اللہ کا نور داخل کر کے بیج بویا گیا ہے اب اس کو مزید توجہ حاصل کر کے اور شریعت اسلامیہ پر کاربند رہ کر اس کو ایسا تناور درخت بنانا جو آسمانوں کی بلندیوں کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ اس کی مثال ایک چراغ سے دوسرا کمزور چراغ جلانے کی طرح ہے۔ قائدے کے اعتبار سے یہ توجہ پہلی قسم سے زیادہ قوی اور فائدہ مند ہے۔

۳) توجہ اصلاحی

یہ توجہ کی صورت زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ اس سے مریدین کے باطن سے سیاہیوں اور

[1] (حکایات اولیاء صفحہ ۲۳)

آلودگیوں کی صفائی کی جاتی ہے تاکہ رزائل نفسانیہ اور قلبی سیاہیاں دور ہو جائیں۔ اس توجہ سے مرحلہ وار عیوب نفسانیہ زائل ہوتے ہیں۔ گویا شیخ اپنے فیض سے طالب کے باطن کی صفائی کرتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی دریا سے پانی حوض میں آئے اور پھر وہاں سے فوارے کی صورت میں پانی باہر نکلے اور صفائی و سیرابی کرتا چلا جائے یا کسی بلند پانی کی ٹینکی سے جب نلکے میں آتا ہے تو پریشر اور قوت سے اپنا راستہ بناتا جاتا ہے۔

حضرت قدرۃ السالکین جنید بغدادیؒ کا ایک مرید بصرہ شہر میں تھا اور اس سالک کے قلب میں گناہ کا ارادہ پیدا ہوا تو اس کا قلب اور چہرہ کالا ہو گیا۔ روحانی طور پر شیخ جنید بغدادیؒ پر اس کی حالت منکشف ہوئی آپ نے اپنے قلب منور سے غائبانہ توجہات کیں تین دن کے بعد اس مرید کا قلب اور چہرہ صاف ہو گیا اور وہ لوگوں کے سامنے آیا۔ اسی وقت حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کا خط بھی اسے موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ دل کی حفاظت کیا کر کیونکہ مجھے تیرے قلب کی صفائی اور تزکیہ تین دن تک اس طرح کرنا پڑا جس طرح کہ دھوبی کپڑے کو دھو کر صاف و شفاف کر دیتا ہے یہ دور سے غائبانہ توجہ کی مثال ہے۔ [1]

۴) توجہ اتحادی

یہ توجہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس میں شیخ اپنی پوری ہمت صرف کر کے اپنی روح کے کمالات طالب کی روح میں منتقل کر دیتا ہے اس طرح دونوں روحیں باہم جذب ہو جاتی ہیں اس طرح کی توجہ سے شیخ کے لطائف باطنیہ کے کمالات طالب کے لطائف باطنیہ میں سما جاتے ہیں اس کمال درجہ کی توجہ میں شیخ توجہات کے ذریعے تصرف کرتے ہوئے طالب کے لطائف کو

---

[1] (تذکرہ الاولیاء جلد دوم صفحہ ۱۸)

اپنے لطائف سے متحد کر کے عروج ونزول کا روحانی سفر طے کرواتا ہے۔

اس عظیم توجہ اتحادی کی مثال نور مجسم، سرور کائنات، احمد مجتبیٰ ﷺ کی وہ توجہات اتحادیہ جو غار ثور میں آپ ﷺ نے صدیق اکبرؓ پر کیں اور اپنی خصوصی معیت کے درجے پر فائز کر دیا اور قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کر دی جب آپ ﷺ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کریں بےشک اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے۔

حضور نور مجسم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو اپنے ساتھ شامل کیا جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے تو فرمایا تھا میرا رب میرے ساتھ ہے جو عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا اور کسی امی کو اپنے ساتھ شامل الفاظ میں نہیں کیا۔

اس توجہ اتحادی کا ہی اثر تھا جب سرور کائنات ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ مدینہ منورہ پہنچے تو اہل مدینہ کو ابوبکر صدیقؓ پر عکس مصطفیٰ ﷺ کے اثرات نظر آ رہے تھے وہ اس طرح کہ ابوبکر صدیقؓ ظاہری شکل بھی آپ ﷺ کے مشابہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی چادر سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے اوپر تان لی تا کہ آقا اور غلام کا فرق واضح ہو جائے۔

آپ ﷺ کا فرمان کہ میرے سینے میں جو اللہ تعالی نے ڈالا وہ میں نے ابوبکر صدیقؓ کے سینہ میں ڈال دیا ہے۔

اسی طرح برصغیر میں شیخ المشائخ مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ نے ایک نانبائی پر توجہ اتحادی کر کے اس کی ظاہری شکل اور باطنی کیفیت کو اپنے جیسا کر دیا جس کو وہ ضبط نہ کر کے وصال پا گیا۔ [1]

---

[1] (تفسیر عزیزی، سورۃ علق۔ خطبات شیخ الاسلام)

اس قسم کی توجہ میں شیخ مکمل فیض منتقل کرتا ہے اور اپنی روحانیت کو مرید کی روحانیت سے متحد کرتا ہے۔

ان چار اقسام کے علاوہ بھی چند مزید اقسام کی وضاحت درج ذیل ہے۔

۵) توجہ دفع امراض وآفات

اولیاء کے عمل سے امراض وآفات کو دور کرنے کے لیے بھی توجہات کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کریمی کے صدقے ان توجہات دفع امراض سے بیماریوں کو زائل فرما دیتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ توجہ کرنے والا شخص وحدانی التوجہ (یکجہت) ہو جائے اور جس امر کی توجہ کرنی ہے اس کا اپنا مطمع نظر بنائے اور یہی طریقہ امراض وتکالیف کو دفع کرنے اور مراد کے پانے اور مقصد کے حاصل کرنے کے لیے توجہ کرنے میں ہے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ معصوم مجددیؒ کو ہلاک کرنے کے لیے ایک بزرگ نے توجہ کی مگر جب حضرت خواجہ معصومؒ نے مدافعت کی توجہ کر کے اس کا بھیجا ہوا اثر واپس اسی بزرگ پر پلٹ دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔[2]

۶) توجہ حفاظت وکشش

اولیاء اللہ سالکین یا کسی مقام وچیز کی حفاظت کے لیے توجہ فرماتے ہیں وہ اس طرح کہ اس چیز کے گرد انوارات کا حصار توجہات کے ذریعے قائم کرتے ہیں۔ اس طرح اہل اللہ توجہ کے ذریعے مریدین کو اپنی طرف راغب کر سکتے ہیں اور مریدین خواہ کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں وہ توجہات کی کشش کی وجہ سے شیخ کی محبت میں بے تاب ہو کر حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ اسی طرح

[1] (مکتوبات معصومیہ جلد دوم صفحہ ۱۴۰)، [2] (انفاس العارفین)

صاحب توجہ ولی اپنی توجہات سے لوگوں کو خود سے دور رکھنے کی بھی عطائی طاقت رکھتا ہے اور وہ افراد ایسی شخصیت سے دور ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت آصف صاحب کے ملکہ بلقیس کے تخت سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آن واحد میں لانے کا کراماتی ثبوت موجود ہے۔ درحقیقت یہ اس ولی اللہ حضرت آصف صاحب کی توجہ کشش کا نتیجہ تھا۔

اللہ تعالی اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء واولیاء کو کچھ طاقتیں اور صلاحیتیں عطا فرما دیتا ہے جس سے ایسے امور وجود میں آتے ہیں جو معجزہ وکرامات کی شکل میں ہوتے ہیں اور عام آدمی کی سمجھ سے بلند ہوتے ہیں۔ ان معاملات کی اصل اس حدیث میں موجود ہے جس میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا ارشاد عالیشان ہے کہ جب بندہ اطاعت ونوافل سے میری کی قربت حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

جس طرح غزوہ بدر اور غزوہ احد میں فرشتے حصہ لیتے رہے اور ان کی مدد کو اللہ تعالی نے اپنی مدد ونصرت قرار دیا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالی کی عطا اور حکم واذن سے سب کچھ کر رہے تھے۔ اسی لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیھم السلام، ملائکہ اور اولیاء کے وہ افعال جو اللہ تعالی کی عطا اور اذن سے ہوتے ہیں وہ غیر اللہ کے فعل نہیں کہلاتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عیسی علیہ السلام مردوں کو اللہ تعالی کے اذن اور اجازت سے زندہ کرتے ہیں اور زندہ کرنے کی نسبت بھی عیسی علیہ السلام اپنی طرف کر رہے ہیں۔ مگر قرآن مجید ان کے اس کام وتصرف کو غیر اللہ کا کام بیان نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے شرک کہا گیا ہے۔

۷) توجہ عروجی ونزولی

ایک توجہ سالکین کو ایک روحانی مقام سے دوسرے روحانی مقام پر عروج کروانے کے لیے کی جاتی ہے تا کہ سالک اس روحانی فیض سے قوت حاصل کر کے اگلے بلند مقام میں داخل ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ سالک کو توجہات سے اوپر کھینچے جس مقام پر اس کو پہنچانا ہے اور اگر کوئی معین مقام ملحوظ نہ ہو تو پھر سالک کو اوپر (عروج) کی طرف کھینچے اور اسی طرح اموات کی طرف توجہ کر کے ان کی ترقی کے لیے ان کو عروج کی جانب کھینچے۔ [1]

اسی طرح مشائخ سالکین طریقت جو عروج میں جا کر ٹھہر جاتے ہیں ان کو توجہات کے ذریعے نزول کرواتے ہیں تا کہ ان کے فیوضات سے عام مسلمان فائدہ مند ہو سکیں۔ عروج میں رک جانے والا سالک کامل ولی نہیں ہوتا لہذا دعوت وارشاد پر متمکن ہونے کے لیے عروج ونزول طے کرن ضروری ہے۔ جو چیزیں احوال واسرار سے تعلق رکھتی ہیں ان کو الفاظ کی زبان میں سمجھنا بہت ہی مشکل ہے لہذا اگر کوئی موضوع میں کسی شخص کی فہم وفراست سے باہر ہو تو اس کا انکار کرنا نادانی ہے۔ کیونکہ قرون اولی سے لیکر آج تک مسلسل مومنین کی ایک جماعت ان احوال ومعارف کی امانتوں کو اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں جس پر بے شمار کتب تصوف موجود ہیں۔

طریق توجہ

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندیؒ توجہ کا طریقہ اس طرح مختصراً بیان فرماتے ہیں: میرے مخدوم توجہ ایک واضح امر ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں، جس طرح آپ اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی طرح طالب کے دل کی جانب فیض رسانی کی توجہ کرنی

---

[1] (مکتوبات معصومیہ جلد دوم مکتوب نمبر ۷۸)

چاہیے۔ جب احباب کے حلقہ میں بیٹھیں تو خود کو درمیان میں نہ دیکھیں بلکہ بزرگوں کے باطن کی طرف متوجہ رہیں یعنی اکابرین مشائخ سے فیض وصول کرتے ہوئے آگے طالبوں کو منتقل کرتے جائیں۔[۱]

شیخ مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو مرید کے قلب پر غالب کرے اور اپنے قلب سے مرید کے قلب پر فیوضات و انوارات منتقل کرے۔ قلب کے علاوہ لطیفہ روح، سر، خفی، اخفی، نفسی اور قالب پر توجہ کا یہی طریقہ ہے۔ جس لطیفہ پر توجہ کرنا مقصود ہو اپنے اسی لطیفہ سے شیخ توجہ کرے گا۔

اگر مرید غیر حاضر ہو تو غائبانہ توجہ بھی دی جا سکتی ہے۔ جس میں مرید کی صورت کا تصور کر کے اس کے باطنی لطائف پر توجہ کی جاتی ہے۔

مرید کو جو نسبت عطا کرنی ہو اسی کی نیت و ارادہ کر کے توجہ کرے تو انشاء اللہ مرید کی محبت، قابلیت اور استعداد کے مطابق اس کو فیض و برکات حاصل ہونگے۔ توجہ سے باطن میں ٹھنڈک، حرارت، گریہ، جذب وغیرہ کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ باقی لطائف کے ذاکر ہونے سے مختلف احوال و معارف ظاہر ہوتے ہیں جو صاحب حال لوگ ہی جانتے ہیں۔ باقی توجہات کی جو سات اقسام بیان ہوئی ہیں ان کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے شیخ وہی نیت اور ارادہ کرنا ہوگا جو شیخ کی تمنا ہوگی۔ باقی اللہ تعالی رب العزت کے فضل و کرم اور نور نبوت کے فیضان کی برکات سے عملاً سب مراحل طے ہو جاتے ہیں اور توجہات جن مقاصد کے لیے کی جاتی ہیں وہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ وَمَا تَوُفِیُقِیُ اِلَّا بِااللّٰهِ الْعَظِیُم ہ۔

توجہ کرنے والے شیخ کے لطائف باطنیہ کا ذاکر ہونا لازمی شرط ہے کیونکہ ذاکر لطائف ہی

---

[۱] (مکتوبات معصومیہ جلد دوم مکتوب نمبر ۲۵۰)

منور ہوتے ہیں۔ جب مشکوۃ نبوتﷺ سے انوارات سینہ بسینہ صاحب توجہ شیخ میں آرہے ہونگے تب شیخ ان فیوضات وانوارات کو مریدین کے باطن میں توجہ کے ذریعے داخل کرے گا۔ توجہات کا نوراولیاء کی اجازت وخلافت سے آگے منتقل ہوتا ہے۔ بغیر کسی ولی کامل کی اجازت کے کوئی توجہ کرنے کی صلاحیت ہرگز حاصل نہیں کرسکتا۔ اجازت کی اہمیت کی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے جس میں سیدالمرسلینﷺ نے ایک کافر اعرابی سے فرمایا کہ جاکر اس کھجور کے درخت کو کہہ دے کہ تجھے رسول اللہﷺ بلاتے ہیں وہ درخت اعرابی کے کہنے پر چل کر بارگاہ رسالتﷺ میں حاضر ہوگیا اور وہ کافر اعرابی یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ اس اعرابی کو آپﷺ نے درخت کو بلانے کی اجازت دی۔ اس اجازت کی بدولت درخت نے حکم کی تکمیل کی۔

اولیاءکرام کے عمل سے توجہ کرنے کا ثبوت اور طریقے

۱) سلطان الاولیاء حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

جب خواجہ غریبؒ سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سلطان الاولیاء غوث الاعظم نے اپنے خادم کو حکم فرمایا میری چادر کمرے میں بچھادو اور حجرہ کے کواڑ بند کروادیئے اور حضرت غوث الاعظم حجرہ مبارک سے باہر آگے۔ پھر کیا منظر تھا حجرہ مبارک میں فیوضات وانوارات کی ایسی بارش شروع ہوئی حضرت خواجہ غریب نوازؒ پر عجیب حالت وجد طاری ہوا اور حاضرین بھی وجد وگریہ کی حالت میں ڈوب گئے جبکہ حضرت غوث الاعظم حجرہ مبارک سے باہر اپنے عصا سے زمین کو دبارہے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ زمین کو لرزہ آجائے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ میں مشائخ کسی کپڑا سے بھی فیوضات واحوال مریدین تک منتقل کر سکتے ہیں۔ جیسے برھان علم لدنیہ غوث الزمان خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قادری (مصنف مجموعہ صلوۃ

الرسل ۳۰ پارے) اپنا رومال بنگلہ دیش، رنگوں، جہلم وغیرہ مقامات پر بھیج دیتے اور فرماتے اس پر ہاتھ لگا کر اپنے قلب پر مس کر دو اس طرح باطنی توجہات و فیوضات سے مریدین کے لطائف کو نور معرفت سے بھر دیتے۔ آپؒ کا طریقہ محبوبیہ تھا جو براہ راست مشکوۃ نبوت سے اخذ نور پر مبنی تھا۔ آپؒ کے طریق ہاتھوں سے چلو بھر کر طالبوں کے سینوں میں انڈھیلنا اور اس کپڑے کو سینہ سے لگانا جس پر ہاتھوں سے فیوضات انڈھیلے گئے ہوں بھی ثابت ہے اور اصل اس کی ابوھریرہؓ کی وہ حدیث ہے جس میں نور مجسم ﷺ نے ہاتھوں سے علوم ظاہریہ و باطنیہ کے انوارات ابوھریرہؓ کی چادر میں انڈھیلے اور فرمایا اسے سینے سے لگا لو چنانچہ ابوھریرہؓ کو دو قسم کے علوم عطا ہوئے یعنی علوم شریعہ اور علوم باطنیہ۔ آپؐ نے فرمایا ایک علم میں ظاہر کر دیا اگر دوسرا علم ظاہر کروں تو لوگ میرا گلا کاٹ دیں۔ یہ احوال و معارف کے انوارات و اسرار تھے۔ [۱]

حضرت غوث الاعظمؒ کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نقشبندی فرماتے ہیں کہ آپؒ اپنی مجلس میں پہلے وعظ فرماتے تھے پھر آپؒ فرماتے تھے کہ اب قیل وقال (بولنے) کا وقت ختم ہو گیا اور اب حال کی طرف آتے ہیں جب احوال کی محفل شروع فرماتے تو آپ کی توجہات سے محفل میں آہ و بکا شروع ہو جاتی، گریہ و رقت طاری، کچھ لوگ تڑپتے، کچھ کپڑے پھاڑتے اور دوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے اور کچھ مر جاتے ہیں۔ [۲]

اسی طرح دوسرے مشائخ نے بھی توجہ کرنے کے مختلف طریقے بیان کیے ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب القول الجمیل میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکی نے کلیات امدادیہ میں اور حضرت غلام محمد شاہ دہلوی نے درالمعارف میں بیان فرمایا ہے۔

---

[۱] (مکتوبات رحمانیہ)، [۲] (اخبار الاخبار)

۲) حضرت سیدی خواجہ معین الدین چشتیؒ

برھان ولایت حضرت سید خواجہ معین الدین اجمیری چشتی المعروف خواجہ غریب نواز کے پیرو مرشد شمس العارفین حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کو خلیفہ وقت نے سماع سے روکنے کے لیے علماء کی مجلس منعقد کر کے بلوایا۔ جب آپؒ بادشاہ کی مجلس میں پہنچے تو آپؒ کے وجود مبارک کی توجہات اس قدر تیز تھیں کہ وہ خلیفہ بے تاب ہر کر اپنی مسند سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور علماء آپؒ کی توجہات کے سامنے دب گئے اور لرزہ براندام ہو گئے اور اپنے علم سے ہاتھ دھو بیٹھے اور تمام علماء و فقہا آپ سے معافی کے طلب گار ہوئے۔

شمس العارفین حضرت سید خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی عمر مبارک جب پندرہ سال ہوئی تو آپ کے والد ماجدؒ دنیا سے تشریف لے گئے آپ اپنے ایک بڑے باغ میں موجود تھے کہ وہاں سے ایک ولی کامل حضرت خواجہ ابراھیم مجذوب کا گذر ہوا۔ خواجہ غریب نواز بڑی عقیدت سے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پلیٹ میں رکھ کر پیش کیے۔ حضرت خواجہ ابراھیم مجذوب نے انگور خوشی سے کھائے اور پھر آپؒ نے ایک خشک روٹی کا ٹکڑا نکال کر اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور حضرت خواجہ غریب نواز کو کھانے کا حکم دیا۔ جب آپ نے ٹکڑا کھایا تو فوراً باطن انوارات سے بھر گیا اور دنیا کی محبت دل سے اٹھ گئی آپ نے وہ باغ غرباء میں تقسیم کر دیا اور خود محبت ربانی میں گم ہو کر عشق حقیقی کے سفر پر گامزن ہو گئے۔ روٹی کے ٹکڑے کے ذریعے دل کی دنیا بدل گئی تو ثابت ہوا اولیاء کھانے کی چیز کے ذریعے بھی توجہ و تصرف کر کے باطن میں فیوضات منتقل کر دیتے ہیں۔[1]

[1] (سیر العارفین)

یہی وجہ ہے کہ مرشدی برھان حقیقت جامع جمیع سلاسل اولیاء محمد لعل خان نقشبندی صاحب المعروف حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ العالی نے فرمایا کہ اولیاء کی خانقاہوں کے لنگر میں انوارات ہوتے ہیں لہذا عارفین پر یہ کیفیت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہل اللہ کے کھانے میں انوارات و فیوضات ہوتے ہیں جس سے باطنی ترقی ہوتی ہے۔ جب نفس امارہ کے حامل لوگوں کے کھانوں سے شہوت، حرص، تکبر اور حب دنیا میں اضافہ ہوتا ہے۔ اولیاء کی طرف سے کھانے کی چیز دینا خواب کی حالت میں بھی فیض رسانی کی نشانی ہوتی ہے۔ لہذا آج خواجہ غریب نواز اجمیری کے سلسلے میں یہ طریق آج بھی جاری ہے۔ جیسا کہ سلطان الہند شیخ اجمیریؒ نے فقیر ناچیز عاجز بندے کے ساتھ ایسا ہی شفقت و کرم کا معاملہ فرماتے ہوئے خلافت اور دو قسم لنگر سے نوازا۔ اپنی پرانی خانقاہ کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک سید بزرگ کو سلسلہ چشتیہ کی خلافت منتقل کرنے کا بھی اشارہ فرمایا۔ اسی طرح فقیر ناچیز کو سیدی امام الاولیاء سید علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف حضرت داتا صاحب نے اپنی زبان مبارک سے کھانا چوسنے کی سعادت بخشی اور فیضیابی فرمائی۔

اس طرح مشائخ عظام کے طریقوں میں کھانے کی جنس سے بھی فیوضات و احوال کی منتقلی کا عمل ہوتا ہے جسے فیض رسانی یا توجہ باطنی کہا جا سکتا ہے۔

سلطان احمد فاروقی مشائخ چشتیہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے جو آدمی ہوتھ ملاتا تھا اس پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس کے باطن میں عجیب ذوق پیدا ہوتا تھا۔ [1]

---

[1] (چشت اہل بہشت)

۳) حضرت امام ربانی قیوم زمانی سیدی مجدد الف ثانیؒ

آپؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سلوک طے کروانے اور توجہ کی طاقت کے حوالے سے یوں بیان فرماتے ہیں: اس طریقہ میں طالب کو سلوک شیخ مقتدا کی تقلید پر منحصر ہے۔ شیخ کے تصرف کے بغیر کچھ کام نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سلسلہ میں ابتداء میں نہایت کا درج ہونا اسی شیخ کی شریف توجہ کا اثر ہے۔ اور بیچونی اور بیچگونی کا حاصل ہونا اسی شیخ کے کمال تصرف کا نتیجہ ہے۔ بے خودی کی وہ کیفیت جس کے لیے انہوں نے مختص راستہ اختیار کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وہ توجہ جو شش جہت سے معرا ہے اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند　　کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

ترجمہ شعر: نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں جو پوشیدہ، پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

یہ بزرگ جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور کم وقت میں طالبِ صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کو سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں۔ اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس (خالی) کر دیتے ہیں۔

ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیاء کرام کے غضب سے بچائے۔[1]

اس سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا عقیدہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولی اللہ کا تصرف کرنا برحق ہے۔ اولیاء کرام روحانی قرب عطا کرنے اور اسے واپس سلب کرنے پر بھی طاقت رکھتے ہیں۔ اولیاء کے غضب سے بے حد نقصان کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ آپؒ اس سے بچنے کی دعا کر

[1] (مکتوبات امام ربانی جلد دوم مکتوب نمبر ۲۲۱)

رہے ہیں۔ ایک اہم ترین بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ اللہ تعالی رب العزت کی قربت و معرفت کا ذریعہ اولیاء کی نورانی توجہات ہوتی ہیں جن سے حجابات باطنیہ قطع ہوتے ہیں اور روحانی سفر کے لیے قلبی و روحی حیات نصیب ہوتی ہے۔

باب نمبر۳

(وجد)

وجد

امام سلسلہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں وجد ایک روحانی جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطن انسانی پر وارد ہو، خواہ اس کا نتیجہ فرحت ہو یا حزن ہو۔ اس جذبہ کے وارد ہونے سے باطن کی ہیت تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کے اندر رجوع اِلَی اللہ کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ گویا وجد ایک قسم کی راحت ہے۔ یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کی صفات نفس مغلوب ہوں اور اس کی نظریں اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوں۔ ۱؎

شمس الاولیاء حضرت سید علی داتا گنج بخش ہجویری لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ وجد کے دو معنی ہیں ایک غم اور دوسرا مقصود کو حاصل کرنے کے ہیں۔ صوفیاء دوران سماع (قرآن، نعت، منقبت، قوالی) دو حال ثابت کرتے ہیں جو سماع کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ غم کی حقیقت محبوب کو کھو بیٹھنے اور مقصود سے محرومی کی صورت ہوتی ہے جبکہ پا لینے کی حقیقت مراد کو حاصل کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ وجد کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ وہ غم ہے جو محبت میں ملتا ہے اس لیے بیان سے باہر ہے۔ نیز وجد طالب و مطلوب کے درمیان ایک راز ہے جسے بیان کرنا مطلوب کی غیبت کے برابر ہے۔ وجد عارفوں کی صفت ہے۔ میرے نزدیک وجد خوشی و آرام اور رنج و تھکاوٹ کے سبب پہنچنے والے اس الم کا نام جو بحالت کشف و مشاہدہ ظاہر ہوتا ہے اور وجد مریدوں کے سوز کا

۱؎ (عوارف المعارف)

نام ہے۔ [۱]

شیخ المشائخ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وجد کسی کے پا لینے کی کہتے ہیں اور حضرت عمر بن عثمان مکی فرماتے ہیں کہ وجد کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ [۲]

حضرت ابوسعیدؒ فرماتے ہیں کہ وجد خاص لوگوں کا پہلا درجہ ہے اور یہ تصوف با الغیب سے حاصل ہوتا ہے جب وہ اس کا مزہ چکھ لیتے ہیں اور اس کا نور ان کے دلوں پر، پرتو (عکس) ڈالتا ہے تو ان کے دل سے ہر قسم کا شک وشبہ دور ہو جاتا ہے۔ جو چیز انسان کو وجد سے حجاب میں رکھتی ہے وہ اس کا اپنے نفس کے کاموں کو دیکھنا اور دنیاوی تعلقات اور اسباب کے ساتھ دل کا لگائے رکھنا ہے۔ کیونکہ نفس اسباب دنیا کی وجہ سے حجاب میں رہتا ہے۔ لہذا جب یہ اسباب منقطع ہو جائیں اور ذکر پاک ہو، دل ہوش میں ہو، دل صاف ہو، نصیحت اثر کرتی ہو اور اللہ تعالی سے مناجات کرتے ہوئے وہ ایک عجیب مقام پر پہنچے، اس سے خطاب کیا جائے، جسے وہ محفوظ کر لینے والے کانوں، حاضر دل اور پاک بطن سے سنے تو اس کا دل وہ کیفیات دیکھے گا جن سے وہ پہلے خالی تھا۔ اس کو وجد کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نے وہ کیفیت پا لی جو اس کے پاس پہلے نہ تھی۔ [۳]

حضرت سہیل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جس وجد کی شہادت کتاب وسنت سے نہ ملے وہ باطل ہے۔ حضرت شیخ واسطی فرماتے ہیں کہ وجد کے مقامات چار ہیں۔

۱) ذہول ۲) حیرت ۳) سکر ۴) صحو

ان مراتب کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص سمندر کا حال سنے، پھر وہ اس سمندر کے قریب جائے، پھر وہ سمندر میں داخل ہو جائے اور اس کے بعد وہ سمندر کی لہروں میں گھر جائے۔ [۴]

[۱] (کشف المحجوب)، [۲] (کتاب اللمع فی التصوف)، [۳] (کتاب اللمع فی التصوف)، [۴] (عوارف المعارف)

علماء دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب وجد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کسی حالت محمودہ وغریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔ احادیث میں کاملین کا وجد مذکور ہے اور قرآن میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ اور غشی وصعق جس کو عوام وجد سمجھتے ہیں وہ وجد کی متوسط درجہ کی قسم ہے جو سلف میں کم پائی جاتی ہے۔ سلف کو بوجہ قوت تحمل کے اس درجہ کا وجد کم ہوتا تھا لیکن احیانا (ایسا نہ) ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا جیسا کہ ترمذی شریف جلد ثانی ص ۶۸ میں حضرت ابوھریرہؓ کا بیہوش ہوجانا مروی ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہو اور وہ اس (قلب) کو اس کی حالت سے بدل ڈالے جیسا کہ حزن وسرور یہ وجد کہلاتا ہے۔ اور اگر صاحب وجد کو بے خود کردے تو اس کو وجود کہتے ہیں۔ اور اگر خود تغیر نہ ہو مگر سالک تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے تو اس کو تواجد کہتے ہیں۔ تواجد اگر بقصد ریا ہو تو گناہ ہے۔ [۱]

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ وجد برق کی طرح ظاہر ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی وجد جلد زائل ہو جاتا ہے۔ اگر برق تجلی متواتر نمودار ہوتی رہے اور اس وقت سالک کی قوت تمیز باقی نہیں رہتی اور سالک اسرار کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط قلعہ بن جاتا ہے تو اس کو غلبہ کہا جاتا ہے یعنی وجد متواتر کا نام غلبہ ہے۔ [۲]

تواجد

حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر وفکر سے وجد کو حاصل کرنا تواجد کہلاتا ہے۔ [۳]

حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ تواجد وجد لانے میں ایک تکلف ہوتا ہے

---

[۱] (شریعت وطریقت صفحہ ۳۰۸)، [۲] (عوارف المعارف)، [۳] (عواف المعارف)

اور یہ انعامات وشواہد حق کو دل کے حضور پیش کرنا ہے۔ اور محبوب کے وصال کا خیال اور انسانی آرزوؤں کا جوش میں آنا ہے، سیدنا حضورﷺ کا فرمان ہے کہ جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ اسی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح سید المرسلینﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو روؤ، اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے روؤ۔

اور یہ حدیث تواجد کے مباح ہونے پر گواہ ہے۔ [1]

وجود

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ وجود یہ ہے کہ وجدان کی فضا میں نکل کر وجد کے دائرے کو وسیع کرنا کہ وجد، وجدان کے ساتھ باقی نہیں رہتا، یعنی جب مشاہدہ کا عالم ہو تو خبر کی ضرورت باقی نہیں رہتی (اسی طرح وجدان کے عالم میں وجد کی ضرورت باقی نہیں رہتی) پس وجد ایک زوال پزیر حال ہے اور وجود پہاڑ کی طرح اٹل اور ثابت ہے۔

وجد کا قرآن مجید سے ثبوت

۱) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط [2]

ترجمہ: اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو ضرور دیکھتا اسے جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ تعالیٰ کے خوف سے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی وجد کے بارے میں فرماتے ہیں: اور جہاں تک وجد کا تعلق ہے جو اہل صلاۃ واہل قرآن پر طاری ہوتا ہے تو اس کا سماع حلال اور جائز ہے۔ اس میں ہمارے علماء میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں جبکہ اس کا مقصد صرف رضا الٰہی اور حضور ہو اور خوف

[1] (کشف المحجوب)، [2] (سورۃ الحشر، پ۲۸، آیت نمبر۲۱)

آخرت سے ذکر کرتے ہوں۔ اس طرح یہ سب محمود اور غیر مذموم ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے تواجد اور حرکت جسم کی کیفیت بھی غیر مذموم ہے۔[1]

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

عشق آن شعلہ ست کو چوں برفروخت   ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

ترجمہ: عشق حقیقی کا شعلہ جس دل میں روشن ہو جاتا ہے تو وہ عشق بجز خدا کے سب غیر کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

عشق جوشد بحر را مانند دیگ   عشق ساید کوہ مانند دیگ

ترجمہ: یہ عشق کی شان ہے کہ جو سمندر کو دیگ کی طرح جوش دیتا ہے اور پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے۔ یعنی عشق حق کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔

۲) فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ج[2]

ترجمہ: پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ چھنگلی کے آدھے پور کے برابر نور خداوندی کا ظہور ہوا۔ حکم کی صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔

جبکہ امام المفسرین حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نور خداوندی پہاڑ پر نمودار ہوا جبکہ ضحاک کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پردے ہٹا لیے تھے اور بیل کی ناک کے سوراخ

[1] (تفسیر مظہری ص۲۴۹)، [2] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر۱۴۳)

کے برابر نور کو ظاہر کر دیا تھا۔

حضرت عبد اللہؓ بن سلام اور کعبؓ نے فرمایا عظمت خداوندی کی جلوہ پاشی صرف سوئی کے ناکہ کے برابر ہوئی تھی کہ پہاڑ شق ہو گیا۔

حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے چھنگلی کے آخری جوڑ پر انگوٹھا رکھتے ہوئے فرمایا کہ اتنی تجلی ہوئی تھی کہ پہاڑ آہستہ آہستہ چلا یعنی لرزا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جبکہ حضرت سہیلؓ بن سعد ساعدی کی روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالی نے نور کے ستر ہزار حجابوں میں سے درہم کے برابر ہٹایا تھا کہ پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے۔

صوفیہ کے نزدیک پہاڑ اپنے دامن میں انوارات کے سمیٹنے کے لیے پھٹا تاکہ ذرہ ذرہ تک انوارات جذب ہو سکیں اسی طرح صوفیہ کے نزدیک کسی چیز کا دوسرے درجہ پر ظہور (یعنی عکس اور پرتو کا ظہور) تجلی کہلاتا ہے۔ جیسے آئینہ کے اندر کسی کی صورت کا ظہور ہو۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ جلوہ اندازی اور جلوہ بینی رویت ذات نہ تھی کیونکہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی استعداد اور قوت پہاڑ سے زائد تھی اور موسیٰ علیہ السلام کو دیدار ذات سے تاکید کے ساتھ روک دیا گیا تو پہاڑ میں نور ذات کو برداشت کرنے کی صلاحیت کہاں سے آسکتی ہے۔[1]

اس آیت قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر انوارات کی تاب نہ لا کر گر سکتے ہیں اور بے ہوش ہو سکتے ہیں تو آج حقیقی اولیاء تلاوت قرآن، نعت، سماع یا محفل توجہ میں حالت وجد طاری ہونے سے بے ہوش، متحرک، گریہ زاری اور لرزہ جیسی کیفیات کے ظاہر ہونے میں بے بس ہیں۔ ان کے لیے احوال اسرار کی یہ کیفیات شرعی طور پر

[1] (تفسیر مظہری جلد چہارم)

مستحسن اور جائز ہیں۔

۳) وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ج فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ۔[۱]

ترجمہ: موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہمارے عہد کے لیے منتخب کیا جب ان کو زلزلہ نے آلیا۔

اس آیت مبارکہ کہ تفسیر میں حضرت علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے اشراف سے ستر ایسے افراد کا انتخاب کیا جو صاحبان استعداد اور سلوک تھے۔ جب ان پر تجلیات کا ظہور ہوا تو ان کی جلد اور بدن حرکت کرنے لگے۔ اور ان کو زلزلے نے آلیا یعنی وہ کانپنے لگے اور کانپنا جو بدن پر تجلی صفاتیہ اور انوار و خوارق کے ظہور کے سبب سے محسوس ہوتا ہے جو بدن پر بال کھڑے ہونے اور بدن کی حرکت سے عبادت ہے۔ ایسی حالت اکثر سالکین پر ظاہر ہوتی ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور سننے سے یا اشعار سننے سے آتی ہے۔ قریب ہے کہ اس سے ان کے اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ اور ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ شیخ حضرت خالدؒ کے مریدوں میں جو طریقہ نقشبندیہ میں تھے اور نماز کے دوران یہ حالت عارض ہونے کہ وجہ سے اکثر وہ نماز میں چیختے تھے۔ ایسی وجہ سے بعض سالکین نماز کا اعادہ کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ ان پر بہت انکار کیا جاتا ہے اور میں نے بعض منکرین سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حالت عقل و شعور کی موجودگی کے باوجود عارض ہو جائے تو یہ بے ادبی ہے اور اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر یہ حالت عقل و شعور کی عدم موجودگی میں آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ وضو نہیں کرتے۔ میں (حضرت محمود آلوسیؒ) ان کو جواب دیتا ہوں کہ جن کا خیال ہے کہ وجد اور اس کی حالت سے نماز اور وضو ٹوٹ جاتے

---

[۱] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر ۱۵۵)

ہیں کہ یہ حالت غیر اختیاری ہے۔ عقل وشعور کے ساتھ اس کی مثال کھانسی اور چھینک جیسی ہے۔ اس لیے اس سے نہ تو نماز باطل ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ [۱]

حضرت مولائے رومی فرماتے ہیں [۲]:

عشق از اول چرا خونی بود　　　تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

ابتداء میں اور باہر سے عشق خونی نظر آتا ہے تاکہ غیر مخلص اور غیر محرم لوگ دربار عشق الٰہی میں داخل ہونے سے دور ہیں لیکن سچے عاشقوں کو اس کے خونی ہونے کی کوئی پرواہ اور خطرہ نہیں ہوتا۔ لہذا انہیں کرم خاص سے داخل کر دیا جاتا ہے اور پھر ان پر لطف و کرم کی بارش برستی ہے۔

۴)　اَلَمْ یَانِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِاللّٰہِ ۔ [۳]

ترجمہ: کیا وہ وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لیے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے گڑگڑائیں۔

حضرت امام فخر الدین رازی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حقیقت میں مومن مومن نہیں ہوتا مگر خشوع قلب کے ساتھ۔ رونا اور بے اختیار گرنا یعنی وجد و حال خشوع قلب کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔ [۴]

حضرت علامہ اسماعیل حقی، حضرت رقندیؒ کا فرمان لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علاو الدین الخلوتی بروسہ شہر میں تقریر کے لیے ممبر پر تشریف فرما ہوئے جہاں بہت بڑا مجمع تھا جب حضرت الحلوتی نے ایک بار کہا، یا اللہ۔ یہ سنتے ہی ساری جماعت پر ایک حالت طاری ہوگئی جس

---

[۱] (تفسیر روح المعانی ص ۸۶۔ ج ۹)، [۲] (مثنوی مولانا روم)، [۳] (سورۃ الحدید، پ ۲۷، آیت نمبر ۱۶)، [۴] (تفسیر کبیر)

میں آہ و بکا اور حرکت جسم تھی۔ [۱]

مولانا رومی فرماتے ہیں:

عاشقاں راشد مدرس حسنِ دوست
دفتر درس ہمہ شاں روئے اوست

ترجمہ: عاشقوں کا استاد محبوب کا حسن و جمال ہوتا ہے اور نصاب اور سبق محبوب کا چہرہ ہوتا ہے۔ یعنی عشق حقیقی میں سب انداز عطا ہو جاتے ہیں کہ کس طرح انبیاء کرام اور اولیاء کے عشق میں گرفتار ہو کر عشق حق سبحانہٗ تک رسائی حاصل کرنی ہے۔

۵) تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ج ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ط [۲]

ترجمہ: جس (قرآن) سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

مفسر قرآن حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جب قرآن میں آیات وعید کا ذکر آتا ہے تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جلد، بدن سکڑ جاتی ہے اس میں انقباض پیدا ہوتا ہے۔ اور جب آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں اور چمڑوں کا انقباض جاتا رہتا ہے۔ کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت سے سوکھے پتے۔ [۳]

---

[۱] (تفسیر روح البیان)، [۱] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر ۲۳)، [۲] (طبرانی)

جبکہ دوسرے روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالی کے خوف سے بندہ کے بدن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالی اس کو دوزخ کے لیے حرام فرما دیتا ہے۔ [۱]

حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جب برکات اور تجلیات کی بارش بکثرت ہوتی ہے مگر صوفی کا حوصلہ تنگ اور استعداد کمزور ہوتی ہے تو صوفی برداشت نہیں کرسکتا اس لیے بیہوشی کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسول کریم ﷺ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لیے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی تھی۔ صحابہ کرام کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لیے دو جہتوں سے ان پر بیہوشی طاری ہوجاتی ہے۔

۱) نزول برکات ہی کم ہوتا ہے

۲) یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سچائی نہیں ہوتی۔

تعجب ہے امام محی السنۃ نے ان صوفیوں کو برا کہا ہے جن پر قرآن سننے سے بیہوشی طاری ہوجاتی ہے۔ وہ بھول گئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

حَتّٰٓی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡ مَاذَا لا قَالَ رَبُّكُمۡ ط قَالُوا الۡحَقَّ ج وَهُوَا الۡعَلِيُّ الۡكَبِيۡرُ ہ [۲]

ترجمہ کنز الایمان: یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرما دی جاتی ہے ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق

[۱] (بغوی)، [۲] (سورۃ سبا، پ۲۲، آیت نمبر۲۳)

فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا۔

امام محی السنة نے اس آیت کی تفسیر میں خود ہی حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے اور وحی کے الفاظ فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے آسمانوں میں ایک شدید لرزہ آجاتا ہے۔ آسمانوں والے اس کو سن کر بیہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں پھر سب سے پہلے سر اٹھانے والے جبریل علیہ السلام ہوتے ہیں۔ [1]

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایسی ہی ایک حدیث نقل کی ہے لیکن الفاظ میں کچھ تغیر ہے اور وہ الفاظ اس طرح ہیں جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ ملائکہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں (اور وہ ایسی آواز ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب ان کے دلوں کی وہ ہیبت (حالت) دور ہو جاتی ہے تو (بعض فرشتے، بعض سے) کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا وہ جواب دیتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق ہے۔ اور ایک اور جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیہوش ہو جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ [2]

حضرت مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

غیر آں زنجیر زلف دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بردرم

یعنی عشق حقیقی ایسی قوت ہے کہ دنیا کی زنجیریں اگر دو سو بھی ڈال کر مجھے قید کیا جائے تو میں عشق حق سبحانہٗ کی تڑپ انہیں توڑ دوں گا۔ اس محبت و عشق کی ایک زنجیر نے مجھے باقی سب زنجیروں سے آزاد کر دیا ہے۔

---

[1] (الحدیث)، [2] (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

قرب خلق و زرق بر جملہ ست عام قرب وحی عشق دارند ایں کرام

یعنی اللہ تعالی رب العزت نے مخلوق ہونے اور رزق پانے کا قرب تو سب پر عام کر دیا مگر وحی و الہام کی قربت اور عشق و سوز کے اسرار و احوال سے صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو نوازا۔ خاص عطاؤں اور نوازشوں کے لیے صرف خواص کو ہی منتخب فرمایا۔

چنانچہ ایسی عشق الٰہی کی کیفیات اس وقت حاصل ہوتی ہیں جب اللہ تعالی کے سوا ہر چیز دل سے کوچ کر جاتی ہے اور دل صرف اللہ تعالی کے لیے خاص ہو جاتا ہے اور باطن سے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں مگر یہ ساری نعمت اولیاء کے فیضان صحبت سے عطا ہوتی ہے ورنہ قربت کی امید لگانا کم فہمی ہے اس وجہ سے مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہوتے ہیں اسے حاصل کرنا فرض عین ہے۔[1]

اسی طرح حضرت امام غزالی نے فرمایا وہ علم جس کا حدیث میں حاصل کرنا فرض آیا ہے اس میں علم معرفت بھی شامل ہے۔[2]

وجد کا احادیث مبارکہ سے ثبوت

۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو قرآن پڑھ کر سناؤ۔

میں نے عرض کیا کیا میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ خود آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہی چاہتا ہوں کہ دوسرے سے پڑھ کر سنوں۔

[1] (تفسیر مظہری جلد ۵، صفحہ ۴۴۸)، [2] (احیاء العلوم)

سو میں نے آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے آنسو بہنے لگے۔ ۱؎

۲) سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرو، انہوں نے عرض کیا میں آپ ﷺ کے سامنے قرآن کی تلاوت کروں حالانکہ آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے سے قرآن مجید سنوں۔ جب حضرت ابی بن کعبؓ نے سورۃ نساء کی تلاوت کی تو حضور ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسوں ٹپکنے لگے۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک بار حجر اسود کے پاس آئے اسے چوما اور بہت دیر تک اپنے لب مقدس اس پر رکھ کر اشکبار رہے اور فرمایا اے عمرؓ یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔ اسی طرح سیدنا حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ الٰہی مجھے تو خوب رونے والی آنکھیں عطا فرما دے۔ ۲؎

۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت میں سب سے پہلے بلایا جائے گا۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ شفی راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سن کر حضرت معاویہؓ کو اس حدیث کی خبر دی، حضرت معاویہؓ فرمانے لگے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جب ایسا معاملہ کیا گیا تو بقیہ لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ پھر حضرت معاویہؓ اس قدر زار زار روئے۔ کہ گمان ہوتا تھا کہ ان کی جان نکل جائے گی۔ پھر ہوش میں آئے اور اپنا چہرہ پونچھا۔ ۳؎

اس حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت معاویہؓ کی حالت سے وجد میں رونے اور بے

۱؎ (بخاری، نسائی)، ۱؎ (عوارف المعارف)، ۲؎ (مسلم، ترمذی، نسائی)

ہوش ہونے کا صریح اثبات ہوتا ہے کیونکہ ایک صحابیؓ کا عمل ہمارے لیے بہت بڑی دلیل کا درجہ رکھتا ہے۔

۴) حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے سینہ میں ایک ایسی آواز تھی جیسے (پکنے کے وقت) ہانڈی کی آواز ہوتی ہے۔ آپ ﷺ رو رہے تھے۔ ۱؎

۵) حضرت شفی اصبحی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے عرض کیا کہ میں آپ سے حق کے لیے اور پھر حق کے لیے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث حضور ﷺ کی بیان کریں جس کو آپؓ نے خوب سمجھا اور بوجھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ذکر کروں گا۔ میں تم سے ایسی حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا اور بوجھا ہو گا۔ پھر ابو ہریرہؓ نے چیخ ماری۔ ہم بڑی دیر تک منتظر رہے پھر ان کو افاقہ ہوا اور فرمایا کہ میں تم سے ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مکان میں بیان فرمائی ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا۔ بجز میرے اور بجز نبی ﷺ کے، ابو ہریرہؓ نے پھر بڑے زور سے چیخ ماری اور پھر ان کو افاقہ ہوا اور پسینہ منہ پر سے پونچھا اور فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا کہ میں اور حضور ﷺ اس مکان میں تھے ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور آپ ﷺ کے، پھر ابو ہریرہؓ نے بڑی زور کی چیخ ماری پھر آگے کو جھک کر منہ کے بل گر پڑے، بے ہوش ہوئے۔ میں نے ان کو بڑی دیر تک اپنے سہارے لگائے رکھا پھر ان کو افاقہ ہوا (ہوش آیا) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی۔۔۔ ۲؎

اس حدیث سے صحابی پر حال و وجد کا طاری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱؎ (نسائی شریف)، ۲؎ (ترمذی شریف)

۶) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ [۱]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اور جب اس آیت کو نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے تلاوت فرمایا تو ایک نوجوان لڑکا سنتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کے دل پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اور اس کے ساتھ ہی جنت کی خوشخبری سنائی۔ [۲]

۷) سید الکونین ﷺ نے جب آیت کریمہ: وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ [۳]

ترجمہ: اس دوزخ کا ایندھن لوگ اور پتھر ہونگے۔

پڑھی تو یہ آیت سن کر ایک نوجوان اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے ہوش ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے نوجوان کا سر شفقت فرماتے ہوئے اپنی گود مبارک میں رکھا۔ [۴]

۸) حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کی اچھی صفت بیان ہوئی ہے کہ آپ علیہ السلام اتنے خوش آواز تھے کہ آپ علیہ السلام کی مجلس سے چار صد (400) یا اس کے قریب جنازے اٹھائے جاتے تھے۔ [۵]

۹) حضرت ابو ھریرہؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا لڑکا جو پہاڑ پر رہتا تھا ایک دن اس نے اپنی ماں سے عرض کی کہ آسمان کس نے پیدا کیا ہے؟ اس کی ماں نے کہا اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ پہاڑ سے گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور وہ کثرت مشاہدہ سے گرا تھا۔ [۶]

[۱] (سورۃ التحریم، پ۲۸، آیت نمبر ۶)، [۲] (الترغیب وترھیب ـ تنویر المقیاس)، [۳] (سورۃ البقرۃ، پ۱، آیت نمبر ۲۴)، [۴] (الترغیب الترھیب)، [۵] (احیاء العلوم جلد دوم)، [۶] (عوارف المعارف ـ احیاء العلوم جلد سوم)

ایک دن امام شبلیؒ مسجد میں رمضان میں عشاء کی نماز امام کے پیچھے پڑھ رہے تھے کہ تلاوت سنتے ہوئے وجد کی وجہ سے چیخ ماری چہرہ سرخ ہو گیا اور باقی اعضاء حرکت میں آ گئے لوگوں نے سمجھا کہ آپ وفات پا گئے۔ [۱]

۱۰) سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک آگ میں نہیں ڈالا جائے گا جب تک دودھ تھن میں واپس داخل نہ ہو۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت زیادہ رویا کرتے تھے۔ تلاوت کے وقت بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ [۲]

۱۱) حضرت عمرؓ نے جب یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ سے لیکر وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ تک تو آپؓ بے ہوش ہر کر گر پڑے۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ گلی سے گزر رہے تھے کہ مکان کے اندر سے قرآن کی تلاوت کی آواز سنی تو سواری سے اتر کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی۔ کافی دیر کھڑے رہے پھر گھر واپس پہنچے تو ایک مہینہ تک بیمار رہے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس وجہ سے بیمار ہیں۔ [۳]

۱۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب سیدنا حضور ﷺ رات کو نماز پڑھتے تو آپ ﷺ کے سینے مبارک سے ہانڈی کے جوش مارنے کی طرح آواز آتی تھی۔ [۴]

وجد فقہا و علماء کی نظر میں

۱) صوفیاء کرام ایک مجلس میں ذکر الہی میں مشغول ہوتے ہیں اس مجلس میں ایک شخص پر وجد طاری ہو جاتا ہے اور وہ اٹھتا ہے خواہ یہ جذب اختیاری ہو یا بے اختیاری یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

[۱] (احیاء العلوم)، [۱] (حجۃ البالغہ جلد۲)، [۲] (احیاء العلوم)، [۴] (حجۃ البالغہ جلد۲)

اور کیا لوگوں کو منع کرنا چاہیے یا نہیں؟

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ وجد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بعینہ یہ سوال جب شیخ الاسلام سراج الدین البلقینیؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سے انکار نہیں اور جو لوگ منع کرتے ہیں ان کو عذر شرعی چاہیے۔ صاحب حال مغلوب ہوتا ہے۔ اس سے منکر محروم ہے۔ یہ لوگ وجد کی لذت سے نا آشنا ہیں۔ [۱]

۲) حجۃ الاسلام امام غزالیؒ وجد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وجد میں حرکت مباح ہے کیونکہ حبشی لوگ مسجد نبوی ﷺ میں کھیلتے تھے اور حضرت عائشہؓ چھپ کر اوٹ سے دیکھتی تھیں اور جب حضرت علیؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو حضرت علیؓ خوشی سے متحرک ہو کر جھومنے لگے۔ وہ لوگ جو وجد کو حرام جانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اس کی انتہا مستی ہے جبکہ مستی بھی حرام نہیں۔ [۲]

۳) حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید الحراز کا فرمان ہے کہ حضرت علی بن الموفق سماع کی ایک مجلس میں بیٹھے تھے اور لوگوں سے کہا کہ مجھے اٹھالو مجھے اٹھالو۔ جب اٹھا لیے گئے تو انہوں نے تو جد شروع کر دیا۔ [۳]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نقشبندی تحریر فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ جب غوث الاعظمؒ وعظ کے لیے تشریف فرما ہوتے تو آپ کی تقریر انواع علوم پر ہوتی حاضرین آپ کی عظمت کے سامنے خاموش بیٹھے رہتے تھے مگر جب آپ فرماتے کہ اب قال کا وقت ختم ہے اور حال شروع ہے تو اس جملے کے ساتھ ہی حاضرین وجد میں گم ہو جاتے۔ کچھ روتے، کچھ کپڑے

[۱] (از حافظ جلال الدین سیوطی۔ الحاوی للفتاوی ۲۳۴ جلد دوم)، [۲] (از حجۃ الاسلام امام غزالی۔ کیمیائے سعادت ص ۲۰۵ رکن دوم)، [۳] (انوار القدسیہ)

پھاڑتے اور بعض بے ہوش ہو کر جان دے دیتے۔ [۱]

حضرت امام العارفین حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے مرید کو سماع کے دوران چیخنے سے روکا اس نے ضبط سے روکنے کی کوشش کی تو اس کے جسم سے پسینہ ٹپکنے لگا اور آخر کار ایک دن ضبط کرتے ہوئے چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ [۲]

۴) حضرت شیخ المشائخ جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ دوران وجد بے قابو ہو جاتے ہیں اور وجد میں کھومتے ہیں اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: ان لوگوں کو اللہ تعالی کی محبت پر چھوڑ دو۔ کیونکہ طریقت نے ان کے دل کاٹ دیئے ہیں۔ اگر تم ان کی لذت سے آشنا ہو جاؤ تو چیخنے چلانے اور کپڑے پھاڑنے میں ان کو معذور سمجھو گے۔ [۳]

۵) حضرت علامہ ابن کمال پاشا فرماتے ہیں کہ وجد اور تواجد میں کوئی گناہ نہیں اگر یہ خالص رضا الٰہی کے لیے ہو۔ اور جو عارفین باللہ ہیں اور ہمیشہ نیک کام کرتے ہیں اور ایسے سالکین جو اپنے آپ کو اعمال قبیحہ سے بچاتے ہیں۔ ان لوگوں کی قوالی سماع اور وجد صرف اللہ تعالی کے لیے ہوتے ہیں۔ اور جب عشق الٰہی ان پر غالب آ جاتا ہے تو یہ لوگ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں اور محبت الٰہی میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ [۴]

۶) حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خیر النساجؒ کا فرمان ہے کہ ایک دن جب سیدنا موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے حکایت بیان فرما رہے تھے کہ اس دوران ایک شخص پر وجد طاری ہوا اس نے چیخ ماری حضرت موسی علیہ السلام نے اس شخص کو ڈانٹا تو اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ اے موسی (علیہ السلام) اس شخص نے میری محبت میں چیخ ماری

[۱] (اخبار الاخبار)، [۲] (عوارف المعارف)، [۳] (رسائل ابن عابدین جلد ۱)، [۴] (فتاوی شامی جلد ۱، ص ۳۳۷)

آپ علیہ السلام کو کیونکر انکار ہے۔ [۱]

۷) علامہ حضرت سید محمود آلوسی مفسر تفسیر روح المعانی وجد کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں منکرین وجد کو جواب دیتا ہوں کہ نماز میں وجد یا آہ آہ، اف اف کرنا یہ حالت غیر اختیاریہ ہیں۔ عقل وشعور کے ساتھ اس کی مثال کھانسی اور چھینک کی سی ہے جو ایک غیر اختیاری فعل ہے۔ اس وجہ سے اس سے

نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ [۲]

۸) صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی نے نماز میں آہ کیا اور وہ کیا اور اتنا رویا کہ رونا حرف پر مشتمل ہو جائے۔ پس اگر یہ حالت جنت یا دوزخ کی وجہ سے طاری ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگر دنیاوی درد و مصیبت کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ [۳]

۹) حضرت علامہ شیخ طحطاوی فرماتے ہیں کہ وجد کی اقسام پر ہے اور بعض وجد ایسا ہوتا ہے جو اختیار کو سلب کر لیتا ہے پس مطلقاً انکار کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ [۴]

۱۰) فتاوی تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ مغلوب الحال سالک جس کی حرکات مرتعش کی حرکات کی طرح غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ اس کے لیے یہ حالت جائز ہے۔

۱۱) اگر کوئی شخص نماز میں آہ آہ کرے یا بلند آواز میں روئے شوق جنت یا خوف جہنم سے تو نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ رونا اور آہ آہ کرنا زیادہ خشوع پر دلالت کرتا ہے۔ [۵]

۱۲) اگر نمازی نماز میں روئے یا آہ آہ کرے یا اونچی آواز سے روئے اگر یہ رونا کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر یہ رونا شوق جنت یا خوف جہنم کی وجہ سے ہو تو

[۱] (انوار القدسیہ جلد ۱)، [۲] (تفسیر روح المعانی جلد ۹، ص ۸۶)، [۳] (ھدایہ جلد ۱)، [۴] (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح)،
[۵] (فتاوی عالمگیری)

نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ؁۱

۱۳) حضرت مولانا محمد زکریا محدث کاندھلوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ اہل بصرہ کے متعدد قصے لکھے ہیں جن میں قرآن پڑھنے سے بعض پر غشی طاری ہو جانا اور بعضوں کا مر جانا وغیرہ وغیرہ اس پر اس زمانہ کے بعض اکابر نے انکار بھی کیا۔ بعضوں نے تو اس وجہ سے کہ اس کو تکلف سمجھا اور بعضوں نے اس وجہ سے کہ صحابہؓ کے دور میں یہ چیز نہیں پائی گئی۔ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ مغلوب الحال تھا تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی اگر چہ جو اپنے حال پر ثابت رہے وہ اس سے افضل ہے۔

حضرت امام محمدؒ سے غشی اور وجد وغیرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید قطان پر ایک دفعہ قرآن پڑھا گیا تو ان پر غشی طاری ہوگئی اگر کوئی شخص اس حالت کو دفع کر سکتا تو یحییٰ بن سعید ضرور دفع کرتے کیونکہ ان سے زیادہ عقلمند میں نے کوئی نہیں دیکھا اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے کہ خود ان پر یہ حالت طاری ہوئی اور علی بن فضیل بن عیاض کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات ایسے لوگوں سے کثرت ثابت ہیں جن کے صدق پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن صحابہ کے احوال جو قرآن میں مذکور ہیں جیسے قلوب کا دہل جانا، آنسو کا بہنا وغیرہ ان سے اونچے ہیں۔ اور ان حالات پر وہ لوگ انکار کرتے ہیں جن کے قلوب میں قساوت ہے اور دلوں پر زنگ لگ چکے ہیں اور جن کو دین سے بعد ہے۔ ؁۲

۱۴) قدوۃ العارفین حضرت شیخ سید علی ہجویری المعروف داتا صاحب فرماتے ہیں کہ جان لیں کہ رقص کی شریعت اور طریقت میں کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی سند ہے۔ اس لیے کہ جملہ عقل والے اس بات پر متفق ہیں کہ رقص اگر حدود کے اندر کیا جائے تو یہ ایک لہو ولعب ہے اور

؁۱ (کنز الدقائق جلد۱ ص۵۵)، ؁۲ (شریعت وطریقت کا تلازم صفحہ۱۶۳)

اگر حدود سے متجاوز ہو تو یہ لغو اور بے ہودہ کام ہے۔ حضرات مشائخ طریقت میں سے کوئی بھی اس کی تعریف نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں غلو کا کوئی قائل ہوا۔ [۱]

۱۵) یزید رقاشی راوی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز چالیس ہزار آدمیوں سے نکلے کہ ان کو وعظ سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔ ان میں سے تیس ہزار مر گئے اور دس ہزار کے ساتھ آپ واپس آئے۔ آپ کی دو لونڈیاں تھیں، ان کو یہ کام سپرد تھا کہ جب آپ پر خوف آتا ار گر کر تڑپتے تو وہ دونوں سینے اور پاؤں پر بیٹھ جاتیں کہ کہیں جوڑ علیحدہ ہو کر مر نہ جائیں۔ [۲]

۱۶) حضرت عمرؓ جب کوئی آیت قرآن مجید کی سنتے تو مارے خوف کے بے ہوش ہو کر گر پڑتے اور پھر چند روز ان کی عیادت ہوا کرتی تھی۔ ایک روز آپ نے ایک تنکا زمین پر سے اٹھایا اور کہا کہ کیا خوب ہوتا جو میں یہ تنکا ہوتا۔ کاش میں کوئی چیز مذکور نہ ہوتا۔ کاش میں کچھ نہ ہوتا۔۔۔۔۔ کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی۔

مرا اے کاش کے مادر نمی زار   دگر میزاد کس شیرم نمی داد!

آپ کے منہ پر آنسوؤں کے دو کالے خط تھے اور فرماتے تھے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنا غصہ نہیں نکالتا اور جو کوئی اس سے تقوی کرتا ہے اپنی جی چاہتی بات نہیں کرتا۔ اور اگر قیامت نہ ہوتی تو ہم کچھ اور ہی ڈھنگ دیکھتے۔ اور جب آپؓ نے سورۃ التکویر پڑھی اور اس آیت پر پہنچے **وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَت**، بے ہوش ہو کر گر پڑھے۔ [۳]

۱۷) حضرت سفیان ثوریؒ بیمار پڑے تو ایک طبیب کو دکھلایا گیا۔ اس نے کہا کہ اس شخص کے جگر کو خوف نے ٹکڑے کر دیا۔ پھر آ کر نبض دیکھی تو کہا کہ ملت اسلام میں اس جیسا آدمی مجھ کو نہیں

---

[۱] (کشف المحجوب)، [۲] (قصص الاولیاء از محمد عبداللہ ابن اسعد یمنی)، [۳] (قصص الاولیاء از محمد عبداللہ ابن اسعد یمنی)

معلوم ہوا۔ [1]

۱۸) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک لونڈی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سلام کر کے ان کے گھر میں جو مسجد تھی اس میں رکعتیں نماز کی پڑھیں اور پھر اس کو نیند آ گئی اور سو گئی اور خواب ہی میں روئی۔ جب جاگی تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا امیر المومنین میں نے اس وقت عجیب معاملہ دیکھا۔ آپ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟

اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ دوزخیوں کے واسطے دھڑ دھڑ جل رہی ہے۔ پھر پل لا کر اس کے اوپر رکھا گیا۔

آپ نے فرمایا: پھر کیا ہوا؟

اس نے کہا کہ پھر عبدالملک بن مروان کو لائے اور اس پل پر اسے چڑھا دیا، تھوڑی ہی دیر چلا تھا کہ پل الٹ گیا اور وہ درزخ میں جا پڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ نے فرمایا: پھر؟

اس نے کہا پھر عبدالملک کے بیٹے ولید کو لائے اور اس کو پل پر سوار کیا۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل نے کروٹ بدلی اور وہ دوزخ میں جا پڑا۔۔۔۔آپ نے پوچھا کہ پھر؟

اس نے کہا کہ پھر سلیمان بن عبدالملک کو لائے اور پل پر چڑھا دیا وہ بھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل ترچھا ہو گیا اور وہ بھی دوزخ میں گر پڑا۔۔۔۔آپ نے پوچھا کہ پھر؟

اس نے کہا کہ پھر میں نے یہ دیکھا کہ آپ کو لائے۔ یہ اس کا کہنا تھا کہ آپ نے ایک دفعہ ایسی چیخ ماری کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ وہ لونڈی اٹھی اور ان کے کان میں پکار پکار کر کہنے لگی کہ اے امیر المومنین بخدا میں نے یہ دیکھا کہ آپ بچ گئے آپ نے نجات پائی۔ ہر چند وہ کان میں چیختی رہی مگر آپ برابر نعرے مارتے تھے، اور پاؤں دے دے مارتے تھے۔ [2]

---

[1] (قصص الاولیاء از محمد عبداللہ ابن اسعد یمنی)، [2] (قصص الاولیاء از محمد عبداللہ ابن اسعد یمنی)

وجد کی ماھیت

شیخ ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ وجد کی ماھیت کے متعلق اھل تصوف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ وجد کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ مومنوں کے پاس اللہ کا ایک راز ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا وجد کسی کے پا لینے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔[۱]

ترجمہ: انہوں نے جو عمل کئے تھے انہیں موجود پایا۔

اور فرمایا: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ ط[۲]

ترجمہ: تم اپنی ذات کے لیے جو اعمال آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پالو گے۔

اور فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا۔[۳]

ترجمہ: یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے کچھ بھی نہ پایا۔

ہر وہ چیز جسے دل پالے، خواہ غم ہو خواہ خوشی، وجد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دلوں کے متعلق بتایا ہے کہ یہ دیکھتے ہیں۔ یہی ان کا وجد ہے چنانچہ فرمایا: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصٰرُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ۔[۴]

---

[۱] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت نمبر۴۹)، [۲] (سورۃ البقرۃ، پ۱، آیت نمبر۱۱۰)، [۳] (سورۃ النور، پ۱۸، آیت نمبر۳۹)، [۴] (سورۃ الحج، پ۱۷، آیت نمبر۴۶)

ترجمہ: کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

یعنی یہ کہ وہ وجد کے اعتبار سے اندھے ہوتے ہیں۔ اللہ نے صاحب وجد اور غیر صاحب وجد دل میں فرق بیان کر دیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجد حق تعالیٰ کی طرف سے مکاشفات کا نام ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ساکن ہوتا ہے پھر حرکت کرنے لگ جاتا ہے، آہ وزاری کرتا ہے اور چیختا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص میں زیادہ قوت ہو وہ وجد کی حالت میں بھی ساکن رہے اور اس سے اس قسم کی کسی چیز کا اظہار نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔[۱]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

مشائخ متقدمین میں سے کسی کا قول ہے کہ وجد کی دو قسمیں ہیں وجد ملک اور وجد ملاقات۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ۔[۲]

ترجمہ: جس کے پاس یہ نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔[۳]

ترجمہ: انہوں نے جو عمل کئے تھے انہیں موجود پایا۔ (یعنی ان کی ملاقات ہوئی)

ایک صوفی کا قول ہے کہ ہر وہ وجد جو تم پر طاری ہو کر تم پر قابو پالے وجد ملک کہلاتا ہے۔ اور ہر وہ وجد جسے تو خود پائے وجد ملاقات ہے، تو اپنے دل سے ایک چیز سے ملاقات کرتا ہے مگر یہ

---

[۱] (سورۃ الانفال، پ۹، آیت نمبر۲)، [۲] (سورۃ النساء، پ۵، آیت نمبر۹۲)، [۳] (سورۃ الکہف، پ۱۵، آیت نمبر۴۹)

کیفیت قائم نہیں رہتی۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن حصریؒ کو یوں فرماتے سنا کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

۱) مدعی جس کا راز کھل جاتا ہے

۲) معترض کہ کبھی اس کے حق میں (بات ہوگی) اور کبھی خلاف

۳) وہ متحقق جو اپنی حقیقت پر اکتفا کرتا ہے

۴) اور صاحب وجد جو اپنے وجد میں ہی فنا ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید احمد بن بشر بن زیاد الاعرابیؒ فرماتے ہیں کہ وجد کی ابتداء یہ ہے کہ حجاب اٹھ جائے، خدائی رفیق کا مشاہدہ ہو، فہم حاضر ہو، امور غیب نگاہ میں ہوں، باطن سے گفتگو ہو اور مفقود چیز سے انس اور اس اعتبار سے کہ تم تم ہو یہ تمھاری فنا ہوگی۔

حضرت ابوسعیدؒ فرماتے ہیں وجد خاص لوگوں کا پہلا درجہ ہے اور یہ تصدیق بالغیب سے حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ اس کا مزہ چکھ لیتے ہیں اور اس کا نور ان کے دلوں پر پرتو ڈالتا ہے تو ان کے دل سے ہر قسم کا شک وشبہ دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپؒ فرماتے ہیں کہ جو بات انسان کو وجد سے حجاب میں رکھتی ہے وہ اس کا اپنے نفس کے کاموں کو دیکھنا اور دنیاوی تعلقات اور اسباب کے ساتھ دل لگائے رکھنا ہے کیونکہ نفس اسباب دنیا کہ وجہ سے حجاب میں رہتا ہے۔ لہذا جب یہ اسباب منقطع ہو جائیں اور ذکر پاک ہو، دل ہوش میں ہو اور رفیق وصاف ہو، نصیحت اس میں اثر کرتی ہو اور اللہ سے مناجات کرتے ہوئے وہ ایک عجیب مقام پر پہنچے، اس سے خطاب کیا جائے جسے وہ محفوظ کر لینے والے کانوں، حاضر دل اور پاک باطن سے سنے تو اس کا دل وہ کیفیات دیکھے

گا جن سے وہ خالی تھا۔ اس کو وجد کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نے وہ کیفیت پالی ہے جو اس کے پاس نہ تھی۔[۱]

صاحب وجد لوگوں کی صفات کا بیان

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا: مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ط[۲]

ترجمہ: (اس کتاب کے احکام) دھرائے جاتے ہیں جن سے ان لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہو کر نرم ہو جاتے ہیں۔

صاحب وجد لوگوں کی صفات میں ڈر کی صفت بھی شامل ہے۔

چنانچہ فرمایا: وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ[۳]

ترجمہ: ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی: فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ م بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا ہ[۴]

ترجمہ: اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں ای گواہ لائیں گے اور آپکو ان تمام لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر لائیں گے۔

تو آپ ﷺ بیہوش ہو گئے۔ لہذا بیہوشی کا طاری ہونا بھی صاحب وجد لوگوں کی ایک صفت قرار پائی۔ آہ وزاری کرنا، چیخنا، رونا، غشی طاری ہونا، کراھنا، بیہوش ہو جانا، چلانا، زور سے

---

[۱] (اللمع فی التصوف)، [۲] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر۲۳)، [۱] (سورۃ الانفال، پ۹، آیت نمبر۲)، [۲] (سورۃ النساء، پ۵، آیت نمبر۴۱)

چلانا ان سب کے متعلق بہت سی روایات پائی جاتی ہیں اور یہ تمام باتیں صاحب وجد لوگوں کی صفات ہیں۔

صاحب وجد لوگوں کی دو قسمیں ہیں واجد اور متواجد۔

واجد کی پھر تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کا وجد ان کے ساتھ رہتا ہے مگر بعض اوقات اسباب نفس، بشری اخلاق اور طبیعت کا مزاج ان کی مخالفت کرتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جن کا وجد تو ان کے ساتھ رہتا ہے مگر جب ان کے وجد کی کوئی ہم جنس اور کانوں کو ٹکرانے والی چیز ان پر طاری ہو تو وہ اس سے لذت یاب ہوتے ہیں، زندہ ہو جاتے ہیں اور پھر سے اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا وجد بھی بدل جاتا ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جن کا وجد ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور اس وجد نے انہیں فنا کر دیا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر صاحب وجد جو وجد کی وجہ سے فنا ہو چکا ہو اس میں موجود وجد کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ جب یہ اپنے وجد کی طرف دیکھتے ہی نہیں ہیں تو موجودہ وجد کی وجہ سے ہر چیز ان کے نزدیک مفقود ہو گی۔

اسی طرح متواجدوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو تکلیف سے وجد کو لاتے ہیں۔ اور صاحب وجد لوگوں سے مشابہت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز وہ لوگ ہیں جو ہنسی اور تمسخر کے طور پر وجد کی حالت بناتے ہیں۔ نیز وہ لوگ جنہیں کوئی اہمیت حاصل نہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مشغول رکھنے والے تعلقات اور اللہ سے تعلق توڑ دینے والے اسباب منقطع کر کے قصداً احوال شریفہ کو دعوت دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اس وجد کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ بہتر یہی تھا کہ وہ ایسا نہ کرتے۔ اس لیے کہ یہ لوگ دنیا کو پس پشت ڈال

چکے ہوتے ہیں لہذا ان کا وجد خوش وقتی، غم غلط کرنے اور اس بات پر فرح وسرور کے لیے ہوتا ہے کہ انہوں نے آرام وراحت اور دنیاوی ساز وسامان کو خیر باد کہہ رکھا ہے۔

شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہے کہ علم کے اندر اس بات کی کوئی اصل بتایئے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو چکا ہے تو روؤ اور اگر رونا نہیں آتا تو پھر رونے والا منہ ہی بنالو۔

لہذا وجد اور تو جد کے مابین وہی نسبت ہے جو رونے اور رونے والا منہ بنانے میں واللہ اعلم۔

تیسری قسم ان کمزور لوگوں کی ہے جو صاحب احوال اور صاحب دل ہوں اور جو اپنی ارادتمندی میں پختہ ہوں۔

لہذا جب یہ لوگ اپنے اعضاء پر قابو پانے اور اپنے اس حال کو چھپانے سے عاجز آجاتے ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے وجد کا اظہار کیا ہوتا ہے اور جس امر کے برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی اسے جھاڑ کر پھینک دیتے ہیں حالانکہ اس کے دور ہٹانے اور رد کرنے کی ان کے پاس کوئی سبیل نہیں ہوتی۔ لہذا ان لوگوں کا اظہار وجد کشائش غم اور تسکین کے لیے ہوتا ہے۔ یہ لوگ اہل حقائق میں کمزور ہوتے ہیں۔

شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں میں نے عیسی قصار کو یوں کہتے سنا کہ جب حسین بن منصور کو قتل کر لینے کے لیے قید خانہ سے باہر لایا گیا تو اس وقت میں نے انہیں دیکھا اور آخری الفاظ جو انہوں نے فرمائے یہ تھے۔

حسب الواجد افراد الواحد (صاحب وجد کے لیے خدائے واحد کا یکتا جاننا کافی ہے)

آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ اس وقت بغداد میں جتنے بھی مشائخ تھے انہوں نے جب یہ الفاظ سنے تو انہیں بہت پسند آئے۔

کسی نے ابو یعقوب نہر جوریؒ سے سوال کیا کہ صاحب وجد کا وجد کب صحیح اور کب سقیم ہوتا ہے؟ آپؒ نے جواب دیا وجد کے صحیح ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اھل وجد اسے دل سے قبول کریں اور اس کے برعکس اھل وجد اسے دل سے ناپسند کریں اور ہم نشین اس سے تنگ دل ہوں، بشرطیکہ وہ ہم جنس ہوں، مخالف نہ ہوں یہ وجد کے سقیم ہونے کی علامت ہے۔ اور یہ علامت غیر ابناء جنس کے لیے نہیں ہے۔[1]

سچے مشائخ کے تواجد کا بیان

شیخ ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ شبلیؒ کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک انہوں نے اپنی مجلس میں تکلف سے وجد کا اظہار کرتے ہوئے کہا: آہ! اللہ کے سوا میرے دل کیفیت کا کسی کو علم نہیں ہے اس پر کسی نے سوال کیا کہ آپ نے کس چیز کے لیے افسوس کا اظہار کیا؟ جواب دیا ہر چیز کے لیے۔

ان ہی کے متعلق یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دن انہوں نے وجد کا اظہار کیا اور دیوار پر ہاتھ مارا جس سے دیوار پر نشان پڑ گیا۔ (یہ حال دیکھ کر) لوگ ایک طبیب کو لے آئے۔ جب طبیب آ گیا تو شبلیؒ نے اسے کہا تم پر حیف ہے، کس گواہ کو ساتھ لایا ہے۔ طبیب نے کہا کہ میں تو تمھارے ہاتھ کا علاج کرنے آیا ہوں۔ یہ جواب سن کر شبلیؒ نے اسے تھپڑ مارا اور باہر نکال دیا۔ وہ ایک اور طبیب کو لے آئے جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ نرم طبیعت تھا شبلیؒ نے اسے بھی یہی کہا تو

---

[1] (اللمع فی التصوف)

کس گواہ کو لے کر آیا ہے۔ طبیب نے جواب دیا: اسی کا گواہ لایا ہوں۔ یہ جواب سن کر شبلیؒ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ طبیب نے اسے چیرا اور شبلیؒ خاموش رہے مگر جب طبیب نے اس پر لگانے کے لیے دوا نکالی تو اس نے چیخ ماری اور وجد کا اظہار کیا اور درد کے مقام پر انگلی رکھ کر یوں کہتا گیا:

انبتت صبابتکم قرحتہ علی کبدی　　　بت من تفجعکم کالا سیر فی الصفد

(تمہارے عشق نے میرے جگر کو زخمی کر دیا ہے۔ اور تمہارے دردمند کرنے کی وجہ سے میں رات بھر اس اسیر کی طرح رہا جسے بیڑیوں میں جکڑ دیا گیا ہو)۔

ابوالحسین نوریؒ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دعوت میں انکی صحبت کچھ مشائخ کے ساتھ ہوئی اور وہاں علم کے بارے میں ایک مسئلہ پر بحث چھڑ گئی مگر ابوالحسین نوریؒ خاموش تھے اس کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اور یہ اشعار پڑھے:

رب ورفاء ھتوف فی الضحی　　　ذات شجو صدحت فی فئن
ایک خاکستر رنگ کی فاختہ دوپہر کے وقت آہ و زاری کر رہی تھی، غمناک تھی اور ٹہنیوں میں گا رہی تھی

فبکسائی ربما ارقھا　　　وبکاھا ربما ارقنی
کبھی میرا رونا اسے بیدار رکھتا　اور کبھی اس کا رونا مجھے بیدار رکھتا

ھی ان تشکو فلا افھمھا　　　و اذا اشکو فلا تفھمنی
اگر یہ شکایات کرتی ہے تو میں اس کی شکایت کو نہیں سمجھ سکتا اور اگر میں شکایت کرتا ہوں تو یہ میری

بات کو نہیں سمجھتی۔

غیر انی بالجوی اعرفها وهی ایضا بالجوی تعرفی

مگر میں اسے شوزش عشق کی وجہ سے پہچان جاتا ہوں اور وہ بھی مجھے سوزش عشق سے پہچان لیتی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر ہر شیخ نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ سالہا سال سے میری یہ خواہش ہے کہ میں کسی صاحب وجد آدمی سے جو وجد کی حالت میں اپنے وجد کے متعلق بات کہہ رہا ہوں محبت کے بارے میں کوئی کلمہ سنوں۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسعید خراز موت کے ذکر سے خوب وجد میں آیا کرتے تھے۔ کسی نے اس کے متعلق جنیدؒ سے پوچھا تو جواب دیا کہ عارف کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جو ناپسند بات اللہ نے اس کے ساتھ کی ہے وہ اس لیے نہیں کہ اسے اس بندے کے ساتھ بغض ہے اور نہ اس لیے کہ وہ اسے سزا دینا چاہتا ہے اور جو امور اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں مثلا کوئی ناپسند امر تو عارف اس میں اپنے اور اللہ کے مابین خالص محبت کا مشاہدہ کرتا ہے اور جو مصائب اللہ تعالی اس پر نازل کرتا ہے وہ اس لیے کرتا ہے کہ عارف کی روح اسے لوٹا دی جائے اور عارف برگزیدہ لوگوں میں سے ہو جائے۔ لہذا جب یہ حقیقت یا اسی قسم کی کوئی اور بات ظاہر ہو جاتی ہے تو کوئی عجب نہیں کہ عارف کی اس کے اشتیاق کی وجہ سے اڑ کر اس کے پاس چلی آئے اور وطن سے واپس لوٹ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کا تذکرہ ہوتے ہی عارف پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب اس کی موت کا وقت قریب آ چکا ہو۔ اللہ تعالی اپنے ولیوں کے ساتھ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے کرتا ہے۔

کسی عارف سے پوچھا گیا کہ وجد اور تواجد میں کیا فرق ہے۔ فرمایا وجود غیب سے ظاہر ہونے والے امور اور حقیقت کی طرف سے بھیجی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں اور تواجد میں بندے کے اکتساب کا دخل ہوتا ہے اور بندہ ہونے کی حیثیت سے بندے کے اوصاف کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے۔

اور جن لوگوں نے وجد کو ناپسند کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تکلف سے وجد لانے والوں میں کسی نقص کا مشاہدہ کیا ہے۔

ابوعثمان حیری الواعظ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو تکلف سے وجد کا اظہار کر رہا تھا تو کہا اگر تو اس میں سچا ہے تو تو نے ایسے امر کو ظاہر کیا ہے جسے چھپا کر رکھنا چاہیے تھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو تو نے شرک کیا ہے۔

اللہ جانتا ہے کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس پر شفقت کرتے ہوئے یہ بات کہی ہو نیز اس لیے کہ اسے فتنہ اور آفت سے بچالیا جائے۔ واللہ اعلم۔[1]

سلطان وجد کی قوت، ھیجان اور غلبے کا بیان

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ جن امور کی تعلیم میں نے جعفر بن محمد خلدی سے حاصل کی ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے جنیدؒ کو یوں کہتے ہوئے سنا کہ ایک روز سری سقطیؒ سے کسی نے ان تیز وجدوں کا ذکر چھیڑ دیا جو قوی اذکار میں پیش آتے ہیں نیز اسی قسم کے اور امور کا بھی تذکرہ ہوا ہے جو بندے پر قوت کے ساتھ وارد ہوتے ہیں۔ میں نے بھی اس بارے میں ان سے پوچھ لیا تو فرمایا کہ ہاں! ایسا بھی ہے اس کے منہ پر تلوار چلائی جائے تو

---

[1] (اللمع فی التصوف)

اسے محسوس نہ ہوگا۔

ابو القاسم (جنید) رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ یہ بات ناممکن ہے لہذا میں نے اپنا سوال دہرائے ہوئے کہا: ہاں! اس پر تلوار چلائی جائے اور وہ محسوس نہ کرے اور میں نے یہ الفاظ انکار کے طور پر کہے۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ ہاں اس پر تلوار چلائی جائے اور اسے محسوس نہ ہو اور اپنی بات پر قائم رہے۔

حضرت جنیدؒ کی نسبت مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص علم کو ترجیح دیتا ہو اس کا وجد بھی زیادہ کامل ہوگا۔ اسی طرح آپؒ نے فرمایا علم کی فضیلت کے ہوتے ہوئے وجد کی کمی نقصان دہ نہیں ہوتی۔ اور علم کی فضیلت وجد کی فضیلت کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتی ہے۔

حضرت جعفر خلدیؒ نے حضرت جنیدؒ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جو شخص غلبہ کی حالت کے باوجود ساکن رہے وہ وجد میں غلبہ کی حالت کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوگا۔ مگر جو شخص سکون اور شاہد کے بعد مغلوب ہو جائے اس کی حالت (صاحب سکون) کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوگی۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ آپؒ نے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا؟

جواب میں فرمایا کہ مغلوبیت کے بعد جس شخص کو غلبہ کی حالت سے ہٹا کر سکون کی حالت میں رکھا جاتا ہے وہ زیادہ صاحب کمال ہوتا ہے مگر جو شخص سکون اور شاھد کے بعد بھی مغلوب ہو جائے اس کی حالت (صاحب سکون کے مقابلہ میں) زیادہ کامل ہوتی ہے۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ نے جو کچھ فرمایا اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جو صاحب وجد وجد کے غلبہ اور وارد کے قوی ہونے کے باوجود ساکن رہے گا وہ اپنی کیفیت میں اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوگا جس پر وجد غالب آجائے یہاں تک کہ اس کا اثر اس کی ظاہری صفات پر بھی ظاہر ہونے لگے۔ اور وارد کی قوت اور دل کے ساتھ

اس کے ٹکراؤ کی وجہ سے وجد کا غلبہ ہونا اس شخص کی حالت سے زیادہ کامل ہوگا جو پرسکون رہے اور انگاری اس میں آگ نہ لگا سکے اور نہ وارد اس پر اثر انداز ہو سکے۔

آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے ابن سالمؒ کو اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے کہا کہ سہل بن عبداللہ کا وجد بہت ہی شدید قسم کا ہوا کرتا تھا چنانچہ ان کی یہ حالت ہو جاتی کہ پچیس یا چوبیس دن تک وہ بغیر کچھ کھائے کے گزار دیتے تھے اور سخت جاڑے کے موسم میں باوجود اس کے کہ صرف ایک قمیض پہنی ہوتی تھی انہیں پسینہ آ جاتا تھا اور (اس حالت میں) اگر کوئی ان سے علم کی کوئی بات پوچھتا تو فرماتے کہ (اس وقت) مجھ سے کچھ نہ پوچھو کیونکہ تمہیں اس حالت میں میری باتوں سے فائدہ نہ پہنچے گا۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عمر بن علوانؒ کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو یوں کہتے ہوئے سنا کہ شبلی تو مست پڑے ہیں اگر ہوش میں آ جائیں تو امام ہوں گے اور لوگوں کو ان سے فائدہ حاصل ہوگا۔

حکایت ہے کہ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ میں نے کہیں سری سقطیؒ کے سامنے محبت کا ذکر کر دیا تو انہوں نے اپنے بازوں کی کھال پر ہاتھ مار کر اسے کھینچ ڈالا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ یہ کھال محبت کی وجہ سے بازو پر خشک ہوگئی ہے تو یہ سچ ہوگا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنے کے بعد ان پر غشی طاری ہوگئی یہاں تک کہ بالکل بیہوش ہو گئے۔ پھر ان کے چہرے کا رنگ گلاب کی طرح ہو گیا اور وہ ہالہ قمر کی طرح دکھائی دینے لگا۔ ہم اس کی طرف اس کی خوبصورتی کی وہ سے دیکھ نہ سکتے تھے۔ لہذا ہم نے ان کے چہرے کو ڈھانپ دیا۔

حضرت عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ دلوں پر جو پری اور وجد وارد ہوتا ہے تا آنکہ اس میں مزید وجد کی گنجائش نہیں رہتی۔ یعنی وہ حالت جو اسے اس کیفیت کے حاصل ہونے سے پہلے

ہی معلوم تھی اس حالت میں نفس کو یہ مزید معرفت حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالی کی کس قدر بڑی قدر و منزلت ہے اور وہ کس قدر تعظیم کا حقدار ہے تا کہ نفس کو معلوم ہو جائے کہ یہ وہ حالت ہے جو تنہا اسی کو حاصل ہے اور اس حالت میں ہوئے ہوئے نفس کی اور حالت کو پا بھی نہیں سکتا لہذا اس حالت میں نفس کے تمام احساسات منقطع ہو جاتے ہیں اور محسوسات سے منقطع ہونے کا علم اس کیفیت سے ہوتا ہے جو حق تعالی نے اس پر ڈال دی ہوتی ہے اور کسی اور کیفیت کی اس میں گنجائش نہیں رہتی۔

حضرت ابوعثمانؒ کے متعلق روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے:

فسکر الوجد جی معنا صحو　　　وصحوالوجد سکر فی الوصال

یعنی وجد کا سکر در حقیقت صحو ہے اور وجد کا صحو وصال کی حالت میں سکر کے درجہ رکھتا ہے۔[1]

صاحب وجد جو ساکن رہے وہ افضل ہے یا وہ صاحب وجد جو حرکت میں آئے

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ ابوسعید ابن الاعرابیؒ اپنی کتاب میں جو انہوں نے وجد کے بارے میں لکھی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا وجد کی حالت میں حرکت میں آنا افضل ہے یا ساکن رہنا کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حرکت کرنے اور بیقرار ہونے کے مقابلے میں ساکن رہنا اور اپنے اور قابو رکھنا افضل ہے۔

حضرت ابوسعیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ اذکار کی وجہ سے جو واردات پیش آتے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ساکن رہنا ہی ضروری ہوتا

---

[1] (اللمع فی التصوف)

ہے لہذا اس حالت میں ساکن رہنا حرکت کرنے سے افضل ہوگا اور بعض واردات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں حرکت کرنا ضروری ہوتا ہے لہذا اس حالت میں حرکت کرنا افضل ہوگا کیونکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحب وجد پر یہ حالت غالب آچکی ہے اور اگر یہ غالب نہیں آتا تو سمجھ لینا چاہیے کہ وارد کمزور ہے اور اگر وارد حقیقی طور پر وارد ہو تو اس سے حرکت کرنا لازمی چیز ہو جاتی ہے۔ واردات ان علوم اور اذکار کی وجہ سے ہوتے ہیں جن سے دلوں پر وجد اور دیوانگی کی حالت واقع ہوتی ہے لہذا وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ صاحب سکون لوگوں کو افضل سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی عقل بڑی اور قوی ہوتی ہے اور وہ اس واقع ہونے والے وارد پر نگاہ رکھتی ہے اور اس حالت میں یہ لوگ اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہی حق بات ہے۔ مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وارد ایسا امر ہوتا ہے جو مخلوق عقل کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا لہذا اس کا نور زیادہ قوی اور اس کی دلیل زیادہ زوردار ہوگی اور اسی وارد سے اس کا شاہد قائم ہوگا اور عقل اسے سمجھ نہ سکے گی لہذا وارد عقل سے زیادہ طاقتور ہوگا لہذا یہ حرکت زیادہ کامل ہوگی۔

حضرت ابوسعیدؒ فرماتے ہیں کہ بعض واردات کو عقل کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے لہذا عقل ان کا ادراک کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ مل کر رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حالت میں انسان سے حرکت کا ظہور نہیں ہوتا اس لیے کہ عقل کو اپنے اوپر قابو ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل اس کی طرف جو اشارہ کرتے ہے اسے وہ پہچاننا ہوتا ہے۔ لہذا جن لوگوں نے اہل سکون کو افضل قرار دیا انہوں نے انکی عقل کی فضیلت اور اسے اپنے اوپر مضبوطی سے قابو رکھنے کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے اور جنہوں نے حرکت کرنے والوں کو فضیلت دی ہے انہوں نے اس وارد کی طاقت کی بناء پر دی ہے جو ان پر اس ذکر کی وجہ سے وارد ہوتا ہے جو عقل کی فہم کے احاطہ سے باہر ہوتا ہے۔ لہذا اس

وارد کے افضل ہونے کی بناء پر یہ وجد بھی افضل قرار پایا۔ اگر دونوں عقلیں یکساں ہوں بایں معنی کہ کسی کو بھی دوسری پر فضیلت نہ ہو تو اس صورت میں ساکن افضل ہوگا۔ مگر میرے نزدیک یہ بات ممکن نہیں کہ وہ شخص یا دو عقلیں یا دو وارد یکساں ہوں۔ اور اہل علم نے بھی اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ لہذا جب مساوات اٹھ گئی تو ہم پھر سے وہی بات کہیں گے جو ہم نے مسئلہ کی ابتداء میں کہی تھی کہ ساکن کو متحرک پر یا متحرک کو ساکن پر فضیلت دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ حالت جو وارد ہو کر حرکت کرنا ضروری کر دیتی ہے اور وہ حالت جو ساکن رہنے پر مجبور کرتی ہے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ جن لوگوں پر وجد طاری ہوتا ہے وہ ان حالات میں یکساں نہیں ہوتے جو ان پر ظاہر ہوتے ہیں اور نہ ان حالات میں یکساں ہوتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً ذکر کی وہ حالت جو حرکت وسکون میں سے ایک نہ ایک حالت کو واجب قرار دیتی ہے۔ اور وہ واردات جو سکون کو واجب قرار دیتے ہیں ان میں بعض واردات ایسے بھی ہوتے ہیں جو حرکت کو واجب قرار دینے والے واردات سے بلند تر ہوتے ہیں اسی طرح اس کے برعکس جو واردات حرکت کو واجب قرار دیتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو سکون کو واجب قرار دینے والے واردات سے افضل ہوتے ہیں۔ لہذا یہاں فضیلت حرکت وسکون رہنے والوں پر وارد ہوتی ہے۔ لہذا اگر ایسی حالت ہو جس میں ساکن رہنا ضروری ہو اور پھر بھی صاحب وجد ساکن نہ ہو تو یہ حالت دیگر حالتوں کے مقابلہ میں ناقص ہوگی اور اگر یہ حالت متحرک ہونا لازم قرار دیتی ہے اور اس کے باوجود متحرک نہ کر سکے تو یہ وارد کے ناقص ہونے کی دلیل ہوگی۔

اور اسی طرح وارد ہونے والے مشاہدات جس قدر زیادہ صاف ہوں گے اور جس قدر وہ ان حجابات سے جو واردات کو قبول کرنے سے مانع ہوتے ہیں پاک ہوں گے اسی قدر زیادہ وارد ہونے والے مشاہدے ہوں گے۔

یہ بیان اہل احوال کے اذکار کا ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ وہ ان پر اسی حد تک قائم رہتے ہیں۔ جس حد تک علم واجب قرار دیتا ہے۔ رہے اہل غلبہ اور اھل سکر تو ان کے متعلق اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔[1]

وجد کے متعلق ابوسعید بن الاعرابی کا بیان

ابوسعید بن الاعرابیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حالت جو بیقرار کرنے والی بات کے ذکر کرنے یا بے چین کر دینے والے خوف یا کسی لغزش پر زجر و توبیخ کرنے، یا کسی لطیف امر سے گفتگو کرنے، یا کسی فائدہ کی طرف اشارہ کرنے یا کسی غائب چیز کا شوق دلانے، یا ہاتھ سے نکل جانے والی کسی چیز پر افسوس کرنے یا کسی گزشتہ امر پر ندامت ہونے، یا کسی حالت کو پیدا کرنے یا کسی واجب امر کی طرف دعوت دینے والی بات یا راز میں مناجات کرنے سے پیدا ہو وہ وجد ہے۔ اس حالت میں ظاہر کا مقابلہ ظاہر سے، باطن کا باطن سے، غیب کا غیب سے اور راز کا راز سے ہوتا ہے۔ نیز اس حالت میں ایسے امور کے ذریعے جو بظاہر تمھارے خلاف ہوں ایسے امور کو باہر لایا جاتا ہے جو تمھارے حق میں مفید ہوں اور یہ وہی کچھ ہوتا ہے جو پہلے سے ہی تمھاری تقدیر میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ اور (اس حالت کا مقصد یہ ہوتا ہے) کہ تو ان اعمال کے کرنے کی کوشش کرے اور جب یہ اعمال تم سے صادر ہوں تو تمھارے نامہ اعمال میں لکھے جائیں۔ اسی طرح تمھارے قدم اٹھانے کے بغیر ہی تمھارے نام قدم لکھ دیا جاتا ہے اور بغیر ذکر کرنے کے ذکر۔ کیونکہ درحقیقت اللہ تعالی

---

[1] (اللمع فی التصوف)

ہی انعامات کی ابتداء کرنے والا اور وہی ان کا والی ہے۔ اور ان انعامات پر شکر ادا کرنے کا خیال بھی وہی دل میں ڈالتا ہے ایسا کرنے پر اسے تمھاری طرف منسوب کرتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر تمھیں فوراً ہی مرتبہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ ہر امر کا مرجع وہ خود ہے۔

جہاں تک علم ظاہر کا تعلق ہے یہی باتیں وجد کہلاتی ہے۔

حضرت ابو سعیدؒ فرماتے ہیں کہ وجد راحت کا پانا اور مزید (انعامات) کی طرف نگاہ رکھنے کا نام ہے۔ اگر یہ کم ہو تو (صاحب وجد) اس پر قانع نہیں ہوتا اور اس میں کثیر کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اسے مسلسل خیالات آتے رہتے ہیں اور اس پر متواتر مہیز لگائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ (اس حالت میں) افسوس بھی لاحق ہوتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ افسوس سے پہلے ہی جان دے دیتا ہے۔ رہا رونا اور چیخنا تو یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اس کیفیت کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے جہاں سے مزید کیف حاصل ہو کیونکہ اسے اس کیفیت کے وارد ہونے سے پہلے اس کا علم نہ تھا اور نہ ہی یہ اس سے مانوس تھا پھر (یوں بھی ہوتا ہے) کہ یہ کیفیت تیزی سے گزر جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں امر (یعنی کیفیت کا آنا اور گزر جانا) بیک وقت واقع ہوتے ہیں۔ لہذا اس کیفیت کے آنے کی خوشی ابھی نا تمام ہی ہوتی ہے کہ اس کے گزر جانے کا افسوس لاحق ہو جاتا ہے۔

لرزہ، غشی، اعضاء کا زائل ہو جانا اور اس کا عقل پر غلبہ پا لینا اس لیے ہوتا ہے کہ وارد ہونے والی کیفیت بہت عظیم اور اس کا دبدبہ بڑا زوردار ہوتا ہے۔ وارد ہونے والی ہر وہ کیفیت جو اجنبی ہو یا گھبرا دینے والی ہو یا ڈرا دینے والی ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس کے تیزی سے آنے اور پھر تیزی سے گزر جانے میں کامل حکمت الہیہ اور واضع نعمت خداوندی ائی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالی اپنے اولیاء کو پکڑ کر نہ رکھے اور ہر دل پر اسی قدر کیفیت نہ ڈالے جس کی اس میں طاقت ہے تو

ان کی عقلیں اڑ جائیں اور ان کے نفس غافل ہو جائیں۔ لیکن (صاحب وجد کو تو) اس حالت کی خبر تک نہیں ہوتی اور اس گھاٹ پر اسے لازمی طور پر وارد ہونا پڑتا ہے۔ لہذا یہ حال ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہیں رہتا اور اپنے ولیوں پر یہ اللہ تعالی کی مہربانی ہے تاکہ وہ یہ بات بھول جائیں کہ اللہ تعالی نے ان کے لیے کیا کچھ اور کیسے ارادہ کر رکھا ہے۔

نیز فرمایا دنیا میں جو وجد ہوتا ہے یہ کشف نہیں ہوتا بلکہ یہ دل کا مشاہدہ، سچا توہم، اور یقینی ظن ہوتا ہے لہذا دل یقین کی راحت اور صاف ذکر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت بیدار ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اس بے خبری کی حالت سے ہوش میں آتا ہے تو اس کا وجد جاتا رہتا ہے اور اس کا علم اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے جس سے اس کی روح لطف اندوز ہوتی ہے اور جو یقین اس مکاشفہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے وہ اس پر مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ یقین بندے کے اپنے قرب و بعد کے اعتبار سے ہوتا ہے نیز اس مشاہدے کے مطابق ہوتا ہے جو اس کا خالق اسے کراتا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو وجد کی حالت میں ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جو مشاہدہ بھی کرتے ہیں نہایت ثابت قدمی کے ساتھ کرتے ہیں چنانچہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے مشاہدے کا کچھ حصہ بیان کر دیتے ہیں اور دوسروں کے لیے یہ بیان حجت بن جاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اسے محفوظ رکھتے ہوئے اور بچاؤ کرتے ہوئے اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرتے۔ نیز اس لیے بھی اسے بیان نہ کرتے کہ کہیں وہ اسے بے محل (اور نا اہل لوگوں کے سامنے) نہ رکھ دیں اور ان سے یہ کیفیت سلب نہ ہو جائے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو بول وہ سنتے ہیں اس میں غور کرنے سے پہلے ہی انہیں وجد طاری ہو جاتا ہے۔ نیز اس طرح بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک چیز کو صرف سرسری طور

پر دیکھا ہے اور ابھی غور سے دیکھا ہی نہیں ہوتا کہ وجد طاری ہو جاتا ہے۔ مگر انہیں اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ وجدان کی انسانی طبیعت کی طرف سے یا نفس کو پسند آ جانے کی وجہ سے نہ ہو اور حق باطل میں امتیاز نہ کر سکیں حالانکہ وہ اس وجد میں رقت محسوس کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنی حالت میں اضافہ محسوس کرتے ہیں۔ اور جو شخص اپنے خالق کی معرفت کا مدعی ہو اس کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ غیر اللہ سے سکون محسوس کرے یا اس کا دل کسی ناقص چیز کی طرف لگے یا اس کے وھم میں ایسی چیز کا خیال آئے جو زوال پذیر ہے۔ اگر چہ یہ بات (دونوں حالتوں) کے مشابہ ہونے کی وہ سے مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اھل نظر اور اھل کمال کے ہاں ان میں فضیلت کے اعتبار سے امتیاز کیا جاتا ہے کیونکہ جن امور کو دل بذریعہ مشاہدہ حاصل کرتا ہے وہ ان امور کی طرح نہیں ہو سکتے جنہیں وہ صرف ظن وگمان کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اور نہ ہی وہ شخص جو متروک اور مہمل ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو محفوظ ہو اور نہ ہی وہ کیفیت جسے کوشش سے کھینچ کر لایا گیا ہو۔ اس کیفیت کی سی ہو سکتی ہے جن کا فیضان اصل معدن سے خود بخود ہوا ہو اور نہ وہ خیالات جو سوچ بچار کا نتیجہ ہوں ان خیالات کی طرح ہو سکتے ہیں جو ذکر سے (خود بخود) ٹپکیں۔

بعض اوقات یہ بات کسی سبب کی وجہ سے صاحب تمیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی ہے مگر جب یہ سبب زائل ہو جاتا ہے تو پھر بات واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص سوچ بچار کے ذریعے امتیاز کرتا ہو اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو ہر دم ذکر میں لگا رہتا ہے اور نہ وہ شخص جو اپنے اختیار سے خود انتخاب کرے اس شخص کی طرح وہ سکتا ہے جس پر وجد اور دیوانگی کا غلبہ ہو۔ مگر ہر صاحب وجد کی یہ کیفیت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ہر صاحب وجد کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض کا وجد علم کی وجہ سے ہوتا ہے، بعض کا علم کی مدد سے اور بعض کا وجد ھمہ تن علم ہوتا ہے۔

اب رہا وہ وجد جو اھل ثبات لوگوں کو حاصل ہوتا ہے یعنی یہ کہ انہیں سکون حاصل ہوتا

ہے۔ حرکت میں نہیں آتے اور خلوت کے ذریعے ان کی ہر طرح سے حفاظت کی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو انس وہ محسوس کرتے ہیں وہ انہیں وحشت کو محسوس ہی نہیں کرنے دیتا اور جو قرب انہیں حاصل ہوتا ہے وہ مسافت کی طرف نگاہ میں نہیں کرنے دیتا۔

مزید برآں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان پر کسی کیفیت کا ظہور ہوتا ہے تو یہ وجد میں غل کر جاتے ہیں اور کبھی اللہ انہیں ان کی ذاتی صفات کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور یہ اللہ کا ان پر کرم ہوتا ہے کیونکہ غذا کی حاجت اور عورت کی ضرورت محسوس کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے لہذا جب یہ ان فطری ضرورتوں کو دیکھنے میں تو شرما جاتے ہیں اور سخت بے چین ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ مدت تک ان باتوں سے ڈرتے رہے ہیں، اس صورت میں وہ پھر سے اپنی گمشدہ حالت کو والہانہ طور پر تلاش کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر وہ ذریعہ استعمال کرتے ہیں جسے وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مقصود تک پہنچا دے گا اس حالت میں وہ کسی چیز میں امتیاز نہیں کر سکتے اور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ جہاں کہیں انہیں سراب دکھائی دیتا ہے یہ اسے پانی سمجھتے ہیں اور جہاں انہیں پانی دکھائی دیتا ہے یہ اسے سراب سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان پر حرص کا غلبہ ہوتا ہے لہذا جدھر کا رخ کرتے ہیں اسی طرف نکل جاتے ہیں اور ہر وادی میں دیوانہ وار پھرتے ہیں اور ہر چمکنے والی چیز کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ یہ لوگ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی کام کر گزرتے ہیں اور سوچنے سے پہلے ہی ان کا ذکر قائم ہوتا ہے۔ ہر سبب کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ حرص ان کی نگاہوں کو اوپر کو اٹھاتی ہے اور ناامیدی انہیں زجر کرتی ہے۔ لہذا نہ تو ان کے پاس دائم رہتا ہے کہ یہ پیچھے ہٹ جائیں اور نہ ہی ان کا حرص صحیح ہوتا ہے کہ یہ اس سے مالوف ہو جائیں۔ ان کی حالت بعینہ مجنوں کی سی ہوتی ہے اور اپنے مطلوب کی خاطر جان تک دے دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے

کہ ان کو مطلوب کسی بیابان میں ہے تو اس بیابان کی راہ اختیار کر لیں گے یا اگر سمندر کے پار ہو تو یہ تیر کر پار نکل جائیں گے یا کسی شعلہ زن آگ کے پیچھے ہو تو یہ اس آگ میں گھس جائیں گے۔ ان کی مثال اس پروانے کی ہے جو آگ کی روشنی دیکھتا ہے تو اس سے اس میں گھسے بغیر نہیں رہا جاتا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ یہ دیوانہ وار جنگلوں، بیابانوں، چٹیل میدانوں اور ھلاکت کی جگہوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ نہ کہیں ٹھکانہ کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں کہیں ٹھکانہ کرنے دیا جاتا ہے۔ مگر انہیں اپنے مقصد میں سچے ہونے کی وجہ سے لغزش سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور یہ علم کے ایک خاص طریقے پر گامزن ہوتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو علوم ظاہر سے الگ رہتے ہیں تو یہ لوگ لغزش سے محفوظ نہیں ہوتے کیونکہ جو شخص شاھراہ کو چھوڑ کر کسی اور راستے کا اختیار کرے گا اسے ہر وقت خطرے کا کھٹکا لگا رہے گا۔

علم وجد میں سے جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں وہ علم ظاہر کی باتیں ہیں۔ یا وہ باتیں ہیں جن کی تعبیر الفاظ میں کی جاسکتی ہے۔ یا جس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ یا ان پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے یا اس کی کوئی قریبی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

ان کے علاوہ جو صاحب وجد ہیں ان کا علم ان ہی کے پاس ہے اور ان کا گواہ ان ہی کے اندر ہوتا ہے اس کی حقیقت خود اس کا وجود ہوتا ہے اور اس کا ذوق اس کی صفت۔ کیونکہ یہ دلائل اللہ کی طرف سے بندے کو دکھائے جاتے ہیں وہ روشن دلائل ہوتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کے محتاج نہیں ہوتے کہ انہیں ان کا علم بھی ہو کیونکہ ان کا شاہد ان کے اندر موجود ہوتا ہے اور اس میں ہر قسم کے وصف کی نفی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کے وجود کا والی ہوتا ہے اور صرف اسی کو ان کی حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ اھل ایمان کو ان سے سرفراز کرتا ہے اور ان پر یہ حقائق منکشف کر دیتا ہے لہذا یہ لوگ اس کے بعد کے امر کو نہیں کریدتے اس لیے کہ یہ ہر چیز کو

چھوڑ کر ان حقائق کے ساتھ مستغنی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو حقیقت ان پر واضع کی جاتی ہے وہ اس کا ظاہری طور پر مشاہدہ کرتے اور باطنی طور پر اسی میں بستے ہیں۔ یہی وہ غیب ہے جس کا ذکر مومنوں کی صفت میں آیا ہے۔

چنانچہ فرمایا: اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ۔[1]

ترجمہ: جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

لہذا ان لوگوں کو اسی غیب میں غائب کر دیا جاتا ہے اور انہیں اس کے متعلق باوجود غائب ہونے کے کسی قسم کا شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا۔

اور کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ میں وجد کے مطابق کچھ اور بھی کہوں تو یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا کیونکہ جس امر کی وہ خود صفت ہو اور خود اس کے سوا کوئی اور اس کا شاہد بھی نہ ہو سکتا ہو اسے کیونکر بیان کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات کا خود شاہد ہے اور اس کا اپنا وجود ہی اس کی حقیقت ہے۔ جنہوں نے اسے پالیا وہ اسے پہچانتے ہیں اور جنہوں نے نہیں پہچانا وہ اس کا انکار کرتے ہیں لیکن (اس کی حقیقت کو معلوم کرنے سے) دونوں یعنی جنہوں نے پہچانا اور جنہوں نے نہیں پہچانا۔ عاجز ہیں۔ اس کا احساس صرف ذوق کے ذریعے ہوتا ہے اور صاحب وجد پر اس کی مراد واضح کر دی جاتی ہے۔ لہذا وہ نایاب بھی ہے اور موجود بھی، محفوظ بھی ہے اور مفقود بھی۔ اپنے انوار کے ذریعے (صاحب وجد کے) نور سے پوشیدہ رہتا ہے اور اپنی صفات کے ذریعے اس کی ادراک سے اور اپنے اسماء کے ذریعے اپنی ذات سے۔ میری مراد وجد، یقین، ایمان اور حقائق کی ذات ہے۔ یہی حال محبت، شوق اور قرب کا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا بیان بہت دقیق ہے۔ ان کی حقیقت کو صرف وہی پا سکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہو اور اللہ کی اس پر یہ عنایت ہو جائے۔ اس کے بعد

[1] (سورۃ البقرۃ، پ ا، آیت نمبر ۳)

وہ اس میں خیال آرائی کرتے ہیں مگر اس کی صفت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اسے پا سکتے ہیں۔ اس سے (حقیقت کو) پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور ان کی وحشت کو اس کے ذریعے دور کیا جاتا ہے۔ جس قدر زیادہ اس کی صفات بیان کرتے جائیں یہ اسی قدر زیادہ اس کی حقیقت سے دور ہوں گے لہذا اس بارے میں ان کا گونگا رہنا گویا ہونے کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہوگا کیونکہ اہل اللہ صرف اسی قدر اللہ کو پہچانتے ہیں جس قدر پہچان اللہ نے انہیں دے دی ہے اور ان کا اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا ہی انتہائی علم ہے۔ چنانچہ ان کی گویائی ان کا غیر قادر الکلام ہونا اس کی بلاغت اور ان کی لکنت ان کی فصاحت ہے۔ لہذا جو شخص یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ذائقہ ہے تو وہ ایک محال بات کے متعلق سوال کر رہا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا مزہ اس طرح حاصل نہیں ہوتا کہ اس کا مزہ بیان کر دیا جائے بلکہ چکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور جو شخص اس کی حقیقت کے متعلق سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال اس کی اس سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ عالم کے لیے ہر سائل کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں کیونکہ بعض سائل اس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں جو ان کے حق میں جائے اور بعض ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جو ان کے لیے غیر مفید ہوں جس طرح اللہ نے علماء سے اس بات کا عہد لے رکھا ہے کہ وہ اہل لوگوں سے علم کو چھپا کر نہ رکھیں اسی طرح اس بات کا بھی عہد لے رکھا ہے کہ علم کو نا اھل لوگوں سے بچا کر رکھیں اور ہم یہ بات کہہ چکے ہیں کہ اہل لوگوں کو اس کی ذات میں شک نہیں ہے لہذا وہ سوال نہیں کرتے اور نہ تذبذب میں ہیں کہ اسے پہچاننا چاہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اور چونکہ ان احوال کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح ان پر بحث بھی غیر منتہی ہوگی۔ اسی لیے ہم نے اسے یہیں ختم کر دیا ہے اگر جاری رکھیں تو کبھی ختم نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ان میں معرفت میں اضافہ (پر اضافہ) ہوتا ہے اور معرفت کی زیادتی میں انسانی کسب کا دخل نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالی کے

اس فرمان کے تحت ہے: وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝[1]

ترجمہ: اور ہمارے پاس اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔

لہذا یہ اللہ تعالی کے ان تمام انعامات میں سے ایک ہے جن کی کوئی انتہا نہیں اور کوئی ان کی صفت بھی بیان نہیں کرسکتا چہ جائیکہ وہ مخصوص انعامات جو اللہ تعالی اپنے اولیاء پر کرتا ہے اور جو وہ ان پر ہر وقت ہر آن اور ہر لحظہ وارد کرتا ہے۔ ان میں سے کم تر تو وہ حالات ہیں جو ہم علماء کے پاس مذکور اور اللہ کے فضل سے ہمیں معلوم ہیں اور اللہ سے تو ذرہ بھر بات بھی پوشیدہ نہیں۔

اگر چہ یہ احوال ایسے نہیں ہیں کہ کوئی انسان اپنی کوشش سے حاصل کر سکے کیونکہ یہ تو مخصوص باتیں ہیں (جو مخصوص لوگوں کے لیے ہیں) اور بعض احوال ایسے بھی ہیں جو اعمال کے نتیجہ کے طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا جو شخص اللہ کے ہاں مزید انعامات کا طالب ہو وہ پہلے اس اصل بنیاد کو مضبوط کرتا ہے جس سے مزید انعامات کا حاصل ہونا ضروری ہو جاتا ہے لہذا جس نے اس میں کوتاہی کی اسے اس بات کا خطرہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اصل بھی اس سے چھن نہ جائے کیونکہ اس نے اس کی کما حقہ نگرانی نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے نفس کے ساتھ ٹھہر جانا غلبہ، وجد کو منقطع کر دیتا ہے۔ اور علوم سے الگ رہ کر غلبہ کا ہونا واضح غلطی ہے۔ چنانچہ جب نفس کے ساتھ نہ ٹھہرنے کی رغبت قوی ہو تو غلبہ، وجد اللہ سے ملا دیتا ہے۔ مگر جس سے اصل کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس کا غلبہ غلط ہوگا کیونکہ اصل کو مضبوط کر لینے سے پہلے فرع کی طرف جانا غلطی قرار دیا گیا ہے اور ایسا لغزش سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔[2]

[1] (سورۃ ق، پ ۲۶، آیت نمبر ۳۵)، [2] (اللمع فی التصوف)

وجد کیا ہے؟

اس کو اسطرح سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ ایک وارداتی کیفیت ہے۔ یہ ایسی کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالی رب العزت سبحانہٗ کی طرف سے انبیاء و اولیاء کے وسیلہ سے وارد ہوتی ہے۔ یہ سالکین کی لذت و شوق کو تازہ کرنے کا عمل ہوتا ہے تا کہ وہ عشق و مستی میں روحانی سفر کو طے کرتے چلے جائیں مگر وہ خاص بندے جن کا مقصود خود ذات الہی ہے وہ اس عطائی واردات پر اکتفاء اور قناعت نہیں کر سکتا مگر جب بندہ کامل قرب الہی کی منزل پر اللہ تعالی کے فضل و کرم سے پہنچا دیا جاتا ہے تو اس کو یہ واردات اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی پس ایسا شخص وجد سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جب قرب حقیقی عطا رک دیا جاتا ہے تو اس وقت یہ واردات دوری اور بعد کی مظہر دکھائی دیتی ہے اور وہ مقرب بندہ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اب جس بندہ کو قرب میسر آ گیا تو اب وہ اس واردات کی طرف متوجہ ہو کر کیا کرے گا۔

وجد قرب کے راستے میں پہلے آتا ہے۔ حضرت شیخ سہل تشتری فرماتے ہیں کہ روحانی طاقت یہ ہے کہ شیخ پر جب کوئی وجد طاری ہو تو وہ اس کے ذریعے اس کیفیت وجد کو برداشت کرے اور یہ عارضی جذبہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب آپ نے کسی کو تلاوت قرآن کے وقت روتا دیکھا تو کہا کہ ہم ایسے تھے لیکن اب تلاوت قرآن کے موقع پر کسی کو روتا دیکھ کر ہمارے دل بھی سخت ہو گئے ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب قرآن کریم کی تلاوت کی ہیبت تاثیر سے دل مانوس ہو گئے ہیں اور اس کی تاثیر اور تجلیات سے اس قدر آشنا ہو چکے ہیں کہ اب وہ کوئی نئی اور عجیب چیز معلوم نہیں ہوتی جس کے باعث طبیعت میں تغیر اور انتشار پیدا ہو۔ اسی کے مطابق ایک بزرگ کا یہ قول ہے کہ

میری روحانی کیفیت حالت نماز سے پہلے ویسی ہی ہوتی ہے جیسی نماز کے بعد۔ اس قول میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ میری شہود حق کی حالت میں استمرار ہے۔ ان بزرگوں کی حالت ہر صورت میں اور ہر حال میں خواہ سماع ہو یا نہ ہو یکساں ہوتی ہے۔ [۱]

وجد کی اقسام

وجد کئی اقسام ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱) کل بدن کی حرکت اور اضطراب

۲) بعض بدن کی حرکت مثلاً لطائف کی حرکت اور اقشرار

۳) رقص کرنا جیسے کہ مسجد نبوی ﷺ میں ہر سال حبشی آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں آپ ﷺ کے سامنے رقص کرتے تھے۔

۴) منہ سے کچھ الفاظ جاری ہونا مثلاً آہ، اوہ، اف، لف، ہاہا، اللہ اللہ وغیرہ

۵) بکا اور رونا بلا صوت آنسو بہنا

۶) کپڑے پھاڑنا، دوڑنا اور چیخنا وغیرہ

۷) اعضاء کا ٹوٹ جانا موت کا خطرہ بلکہ موت واقع ہو جانا جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے سینکڑوں تواجد وجد کی وجہ سے مر جاتے تھے۔

۸) بلا اختیار ہنسنا

۹) نماز میں وجد بے اختیاری، بے ہوش ہونا وغیرہ بعض اوقات خارج نماز وجد طاری ہونا

۱۰) بے ہوش ہو کر گر جانا۔

[۱] (عوارف المعارف)

وجد کیوں ہوتا ہے؟

حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ تذکرہ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ قلب کی اصل عرش پر ہے اگر سالک کو اس کے قلب پر توجہ کی جائے تو یہ قلب اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور روح جب اصل قلب کی طرف رغبت کرتی ہے تو جسم مضمحل ہو جاتا ہے۔ [۱]

جب کہ بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ طالبین کی استطاعت کم ہوتی ہے اور وہ انوارات کو برداشت نہیں کر سکتے اور وجد کی حالت میں آجاتے ہیں۔ [۲]

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ جب روح نغمات سے محظوظ اور لذت اندوز ہوتی ہے تو اس نفس پر جو بیار محبت ہے وجد طاری ہو جاتا ہے اور اس سے متعلق ہر چیز وجد میں آجاتی ہے اسی طرح قلب جو ارادہ کا معمول ہے وہ بھی اندرونی کشائش کے باعث وجد میں آجاتا ہے۔ [۳]

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل ہم قرآن مجید سن کر روتے تھے لیکن اب تلاوت قرآن کے موقع پر کسی کو روتا دیکھ کر ہمارے دل بھی سخت ہو گئے ہیں۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب قرآن کریم کی تلاوت کی ہیبت تاثیر سے دل مانوس ہو گئے ہیں۔ اور اس کی تاثیر اور تجلیات سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ اب وہ کوئی نئی اور عجب چیز معلوم نہیں ہوتی جس کے باعث طبیعت میں تغیر اور انتشار پیدا ہو۔

گریہ وزاری کی کیفیات

سماع کے وقت مختلف لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ سماع کا معنی سننا ہے۔

---

[۱] (تذکرہ غوثیہ)، [۲] (تفسیر مظہری)، [۳] (عوارف المعارف)

بہترین سماع قرآن کا ہے، پھر نعت رسول ﷺ کا ہے اس طرح منقبت جس میں شان اہلبیت و صحابہ کرام اور اولیاء کا بیان ہو یا پھر کاملین و مقربین کا کلام اشعار کی صورت بھی اعلی باطنی فیوضات کا سبب بنتا ہے۔

سماع کے اثرات کے اعتبار سے لوگ پانچ قسم ہیں اور ہر قسم اپنی باطنی حالت کے مطابق اثر قبول کرتی ہے۔

۱) عوام ۲) مریدین ۳) اولیاء
۴) عارفین کاملین ۵) صاحبان حق الیقین

عوام پر سماع کا اثر اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ نفس امارہ کی مکمل لپیٹ میں ہوتے ہیں ان کے دلوں میں قساوت اور زنگ کی وجہ سے سختی اور تاریکی ہوتی ہے۔ ان کے دلوں کو روحانی زندگی نہ ہونے کی وجہ سے مردہ دل کہا جا سکتا ہے۔

مریدین لوگوں کے سماع میں طبعی رغبت اور خوف و رِجا کا دخل ہوتا ہے اس لیے ان کی روحانی کیفیت کے مطابق گریہ زاری ہوتی ہے۔ مریدین لوگوں کے باطن سماع سے کھلتے ہیں۔

اسی طرح اولیاء کے سماع کا محرب اللہ تعالی کی نعمتوں اور اس کے انعامات کے پانے کے باعث ہوتا ہے یہ شوق کا گریہ ہے۔

عارفین کاملین کا سماع مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے مطابق ان میں گریہ وزاری کے احوال ہوتے ہیں۔ ان میں سرور کا رونا ہوتا ہے۔ یہ اعلی درجے کا گریہ زاری ہے۔ اس حالت گریہ کو اس طرح سمجھ لیں جیسے کوئی شخص طویل سفر کے بعد اپنے اہل و عیال میں واپس آئے تو وہ اپنے اصلی گھر اور اہل خانہ کو دیکھ کر مسرت سے آنسو بہانے لگے۔ اس میں اصلی حالت کی طرف

روح کی کیفیت کا لوٹنا ہوتا ہے۔

اب سب سے اعلی وافضل گریہ وزاری کی حالت کی طرف آتے ہیں جو بالکل نادر اور نایاب ہوتی ہے۔ اس کو گریہ ادراک کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی گریہ کا پہلا درجہ خوف، دوسرا شوق، تیسرا سرور و مسرت اور چوتھا گریہ ادراک ہے۔ اس کو گریہ وجدان بھی کہتے ہیں۔ اس گریہ ادراک سے صرف وہی لوگ فیض یاب ہوتے ہیں جو حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس گریہ وجدان کا موجب یہ ہوتا ہے کہ جب حادث اور قدیم میں اس تبائن واختلاف صفت کا تصادم ہوتا ہے تو عظمت الہی کی سطوت شعلہ زنی کرتی ہے۔ اس سطوت اور رعب جلال کے باعث حادث سے آنسوؤں کا بہتا شروع ہوتا ہے۔ اس کو اسطرح سمجھا جاسکتا ہے جیسے اجرام فلکی کے تصادم سے بادلوں سے قطروں کا بہتا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سفر میں ایسا ہوتا ہے بندہ اپنی ہستی کو فنا کر کے اور قیود ہستی سے آزاد ہو کر تجلیات الہی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ پھر اس مرتبہ سے بھی ترقی کرتا ہے اور مقام بقا کو پالیتا ہے۔ پھر جب اس کو عالم ہستی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی گریہ و زاری بھی واپس آجاتی ہے۔ اب نفس مطمئن اور منور ہو گیا ہے۔ اب نفس مباح امور کی طرح سماع سے لذت یاب ہوتا ہے۔ ایسے نفس کو یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ سماع کی طرف متوجہ ہو یا اس میں اضافہ کرے اور اس سے اثر قبول کرے یا پھر سماع کے اثر کو رد کر دے۔ اس رونے میں ایک خاص فضیلت موجود ہے جس کو سیدنا حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لیے طلب فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے الہی مجھے خوب رونے والی آنکھیں عطا فرمادے۔

وجد کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ کبھی وجد اشعار کے معانی

ومطالب سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی صرف نغموں اور راگوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص میں وجد فہم ومعانی ومطالب سے پیدا ہوا وہ سامع باطل پرست ہے، جب بھی اس باطل پرست کا نفس روح کے ساتھ سماع شریک ہو جاتا ہے اور اسی طرح حق پرست کا دل روح کے ساتھ شریک ہوگا لیکن وہ سماع جو محض نغموں پر محدود و منحصر ہے اس میں صرف روح شریک ہوتی ہے، البتہ باطل پرست کا نفس اور حق پرست کا دل چوری چھپے اس کو سنتا ہے۔

روح کا نغموں سے لذت یاب ہونا اس وجہ سے ہے کہ عالم روحانی حسن و جمال کا مجموعہ ہے اور کائنات میں تناسب کو پسند سمجھا گیا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی، نیز شکل وصورت کا تناسب بھی روحانیت کی میراث ہے پس جب روح عمدہ نغمات اور متناسب آوازیں سنتی ہے تو مناسب اور ہم جنس ہونے کے باعث ان کا اثر قبول کر لیتی ہے لیکن عالم حکمت کے مصالح کے پیش اسے شرعی قیود سے مقید کر دیا گیا ہے اور ان پابندیوں پر عمل کرنے ہی پر انسان کے حال اور مستقبل کی فلاح کا انحصار ہے۔

نغمات سے لطف اندوز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ نغمات ایسے رموز واشارے ہیں جن سے روح چپکے چپکے نفس سے باتیں کرتی ہے اور جس طرح عاشق ومعشوق کے درمیان اشارے سے اور کنائے ہوتے ہیں اسی طرح نفس اور روح کے مابین اشاروں اور کنایوں سے باتیں ہوتی ہیں اور نفس اور روح کے درمیان حقیقی عشق ومحبت کا تعلق موجود ہے چنانچہ روح کو مذکر استعمال کیا جاتا ہے اور نفس کو مونث اور مذکر ومونث کے درمیان عشق ومحبت کا پایا جانا ایک فطری امر ہے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا[1]

ترجمہ: ہم نے اس کا جوڑ ابنایا کہ وہ آرام وسکون پائے۔

---

[1] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر ۱۸۹)

اس ارشاد میں ان تعلقات کا ذکر ہے جو باہمی تلازم اور میل یعنی عشق و محبت کا سبب ہیں، لہذا روح نغمات کو اسی لیے پسند کرتی ہے کہ وہ عاشقوں کے درمیان راز و نیاز کا ایک واسطہ ہیں، جس طرح عالم حکمت میں حضرت حوا علیہا السلام کی آفرینش و تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اسی طرح عالم قدرت میں نفس کو روحانی روح سے پیدا کیا گیا اسی وجہ سے ان میں یہ باہمی تعلق پیدا ہو گیا کہ نفس روح روحانی کے باعث اس کا ہم جنس بن گیا اور تمام حیوانی ارواح میں صرف اسی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ روحانی روح کے زیادہ قریب ہے لہذا اس ظاہری عالم کے آدم و حوا کی طرح نفس بھی روحانی روح سے پیدا ہوا ہے اس سبب سے ان کے درمیان عشق و محبت کے تعلقات پیدا ہو گئے اور ان میں سے ایک مذکر ہے اور دوسرا مونث، لہذا روح کو نغمات اسی وجہ سے پسند ہیں کہ وہ عاشق و معشوق کے درمیان مراسلت و مکالمت کا کام دیتے ہیں۔

جب روح نغمات سے محظوظ ہوتی ہے تو اس نفس پر جو بیمار محبت ہے وجد طاری ہو جاتا ہے وراس سے متعلق ہر چیز وجد میں آجاتی ہے اسی طرح قلب جو ارادہ کا معمول ہے وہ بھی ان اندرونی کشاکش کے باعث وجد میں آجاتا ہے۔

لیکن باطل پرست کا نفس اس کے آسمان کی زمین ہے اور حق کا قلب اس کے آسمان روح کی زمین ہے۔[1]

وجد ایک وارداتی کیفیت ہے

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ وجد اس وارداتی کیفیت کا نام ہے جو خداوند بزرگ و برتر کی طرف سے وارد ہوتی ہے لیکن جس بندے کا مقصود خود ذات الہی ہے وہ

---

[1] (عوارف المعارف)

اس عطا کردہ واردت پر اکتفاء اور قناعت نہیں کر سکتا اور جو شخص قرب الٰہی کی منزل پر ہے اس شخص کو یہ واردات اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی، اس لیے کہ یہ واردات خداوند مجد و علا سے دوری اور بعد کی مظہر ہیں، مقرب بندہ اوران واردات سے اس لیے بے نیاز ہوتا ہے کہ جس کو قرب الٰہی میسر آ گیا، اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا پس وہ ان واردات کی طرف متوجہ ہو کر کیا کرے۔[1]

مقام قرب سے بعد، وجد کی منزل پر پہنچا تا ہے

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں وجد ایک آگ ہے اور مقرب بندے کا دل سراپا نور رہے، چونکہ نور نار سے لطیف تر ہے اس لیے وہ سراپا نور قلب پر موئثر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ کثیف شے کا غلبہ لطیف شے پر ناممکن ہے پس جب تک ایسا مقرب بندہ اور مرد کامل اس جادہ استقامت راہ قربت پر گامزن رہے گا اور اپنے جسمانی رجحانات کے باعث اپنے اس مقررہ راستے سے (راہ قربت) منحرف نہیں ہوگا اس پر سماع کے ذریعہ وجد طاری نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب اس میں فتور و قصور پیدا ہو جائے یا خداوند محسن کی جانب سے وہ کسی آزمائش میں ڈال دیا جائے اور وہ اس ابتلا کی مختلف صورتوں کو برداشت کرنے لگے تو اس وقت چونکہ وہ اپنے وجود کی دنیا میں داخل ہو جائے گا تو اس ابتلا کے باعث وہ حجاب القلب کی طرف لوٹ آئے گا۔ پس اگر کسی خدا رسیدہ شخص کے قدم ڈگمگا جائیں اور وہ مقام قلب پر گر جائے تو یہاں سے وہ مقام نفس کی طرف لوٹ جاتا ہے (مقام قلب پر پہنچ کر قدموں کی لغزش اس کو مقام نفس پر پہنچا دیتی ہے)۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک شیخ نے فرمایا کہ ایک شخص سماع میں وجد کرنے لگا، کسی

[1] (عوارف المعارف)

بزرگ نے ان سے کہا کہ یہ کیا حال ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میرے اندر کوئی چیز گھس گئی ہے جس نے مجھے اس وجد کے مقام پر پہنچا دیا ہے۔

حضرت شیخ سہل تستریؒ کے ایک ساتھی نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ سہلؒ کے ساتھ مدتوں تک رہا لیکن میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ تلاوت قرآن یا کسی اور چیز کی سماعت سے ان کی طبیعت میں تغیر آیا ہو، جب ان کی عمر کا آخری حصہ تھا تو ایک بار ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی گئی تو سہلؒ لرزہ براندام ہو گئے اور قریب تھا کہ گر پڑیں، جب میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اب میں کمزور ہو گیا ہوں۔ یہ سن کر لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اگر کمزوری یہ ہے تو طاقت کون سی چیز ہے؟ آپؒ نے فرمایا روحانی طاقت یہ ہے کہ شیخ پر جب کوئی وجد طاری ہو تو وہ اس کے ذریعے اس کیفیت وجد کو برداشت کر لے اور یہ عارضی جذبہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔[1]

وجد مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں

مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے (قرآن مجید) سنوں۔ سو میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے آنسو بہنے لگے۔

نیز حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ سلف (صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بے ہوشی ہوتی تھی اور نہ کوئی چیختا تھا۔ صرف رویا کرتے تھے اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر خدا کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے تھے۔

کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔ تز رفان سے اس کی اصل

---

[1] (عوارف المعارف)

ثابت ہوتی ہے۔ ان احادیث میں کاملین کا وجد مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اسی کا تذکرہ ہے اور غشی وصعق جس کو عوام وجد سمجھتے ہیں وہ وجد کی متوسط درجہ کی قسم ہے۔ جو سلف میں کم پائی جاتی ہے سلب کو بوجہ قوت تحمل کے اس درجہ کا وجد کم ہوتا تھا لیکن احیانا ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا جیسا کہ ترمذی شریف جلد ثانی ص ۶۸ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا بیہوش ہو جانا مروی ہے۔

اللہ تعالی کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہو۔ اور اس کو اس کی حالت سے بدل ڈالے جیسا حزن وسرور، یہ وجد کہلاتا ہے اور صاحب وجد کو بے خود کر دے۔ اس کو وجود کہتے ہیں اور خود تغیر نہ ہو مگر سالک تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے اس کو تواجد کہتے ہیں اور پھر ترتیب اس کے مراتب کی یہ ہے کہ قصود، پھر ورود، پھر شہود، پھر وجود، پھر خمود۔ جیسے کسی دریا پر آنے کا ارادہ کیا پھر اس پر آ پہنچا۔ پھر اس کو دیکھا۔ پھر سوار ہوا، پھر اس میں ڈوب گیا اور مر گیا۔ البتہ تواجد اگر بقصد ریا ہو، تو گناہ ہے۔

باب نمبر ٤

(سماع)

اچھی آواز، سماع اور سننے والوں میں تفاوت

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: يَـزِيُدُ فِي الُخَلُقِ مَا يَشَآءُ ط[۱]

ترجمہ: اپنی مخلوق میں جس بات کا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔

مفسرین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ (ما یشاء سے مراد) پاکیزہ اخلاق اور عمدہ آواز ہے۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جتنے نبی بھیجے ہیں ان سب کی آواز عمدہ آواز ہوتی تھی۔

نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کسی بات کی طرف اس قدر کان لگا کرنہیں سنتے جس قدر وہ اچھی آواز والے نبی کے کلام کو سنتے ہیں۔ [۲]

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والے آدمی کی آواز کو زیادہ کان لگا کر سنتے ہیں بمقابلہ اس انسان کے جو اپنی گانے والی رنڈی کی آواز کو سنتا ہو۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ داؤد علیہ السلام کو عمدہ آواز عطا کی گئی تھی یہاں تک کہ جب وہ زبور پڑھا کرتے تو جن وانس و وحوش اور پرندے سبھی کان لگا کر سنا کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل

---

[۱] (سورۃ فاطر، پ۲۲، آیت نمبر۱)، [۲] (الحدیث)

اکٹھے ہوتے اور سنتے اور ان کی مجلس سے چار سو جنازے، ان لوگوں کے اٹھائے جاتے جو (ان کی آواز کی وجہ سے) مر گئے ہوتے۔ جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ابوموسی کے متعلق اس آواز کی وجہ سے جو انہیں دی گئی تھی فرمایا کہ ابوموسی کو آل داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن قرآن مجید پڑھا تو آپ ﷺ نے الفاظ کو لمبا کیا اور بار بار حلق سے آواز نکالتے تھے۔

مروی ہے کہ معاذ بن جبل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اسے خوب اچھی طرح سے ادا کرتا۔

اسی طرح روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو اپنی آواز سے مزین کیا کرو۔

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ قرأت قرآن کو خوبصورت بنائے بایں طور کہ قرآن پڑھتے وقت آواز کو بلند رکھے اس سے آواز عمدہ ہو جاتی ہے اور نغمہ بھی اچھا ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے لہذا یہ کسی مخلوق کی آواز سے خوبصورت نہیں بن سکتا نہ ہی اس نغمے سے خوبصورت بن سکتا ہے جو تکلف پیدا کیا گیا ہو۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ ہو کہ تم اپنی آوازوں کو قرآن کے ساتھ مزین کیا کرو لہذا اس صورت میں معنی کے اعتبار سے عبارت میں تقدیم وتاخیر ہوگئی۔

جس طرح اس آیت مبارکہ میں ہے کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ

الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ٥ؕ[1]

ترجمہ: تعریف اس خدا کی ہے جس نے اپنے بندے پر سیدھے کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔

اس آیت کے معنی میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: **انزل الکتاب علی عبدہ قیما ولم یجعل له عواجا،** قرآن مجید میں ایسا بہت جگہ آیا ہے۔

اور اللہ تعالی نے بری آواز کی مذمت بھی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ٥ؕ[2]

ترجمہ: گدھے کی آواز مکرہ ترین آواز ہے۔

اسی طرح بری آواز کی مذمت کے ضمن میں عمدہ آواز کی تعریف پائی جاتی ہے۔ حکماء نے عمدہ آواز اور اچھے نغموں کی خوبیوں کے متعلق بحث کی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔

ذوالنونؒ سے عمدہ آواز کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ ایسے مخاطبات اور حق کی طرف سے اشارے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہر طیب مرد اور عورت کے اندر ودیت کر رکھا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یحی بن معاذ رازیؒ نے فرمایا کہ عمدہ آواز اس دل کے لیے جس میں اللہ کی محبت ہو، ہوا کا ایک جھونکا ہے۔ کسی اور کا قول ہے کہ عمدہ نغمہ اللہ کی طرف سے ایک جھونکا ہوتا ہے جسے اللہ ان دلوں کے لیے چلاتا ہے جو اللہ کی آگ میں جل رہے ہوں۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ نے احمد بن علی وجیہی کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے

---

[1] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت نمبر۱)، [2] (سورۃ لقمن، پ۲۱، آیت نمبر۱۹)

ابو علی رود باری کو سنا کہ ابو عبداللہ الحارث بن اس محاربیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تین چیزیں ہیں جب حاصل ہو جائیں تو ان سے فائدہ ہوتا ہے مگر یہ تینوں ہم میں مفقود ہیں۔ دینداری کے ہوتے ہوئے عمدہ آواز، اپنے آپ کو بچاتے ہوئے خوبصورت چہرہ اور وفاداری کے ہوتے ہوئے اچھی دوستی۔

حضرت بندار بن حسینؒ کی نسبت مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ عمدہ آواز ایسی حکمت ہے جو بات کا جواب دیتی ہے اور یہ ایک سلیم آلہ ہے جو رسیلی آواز اور لطیف زبان سے ادا کی جاتی ہے اور یہ صاحب قوت اور صاحب علم خدا کے اندازے میں (جو اس نے مقرر کر رکھے ہیں) ایک اور لطیف بات جو اللہ نے عمدہ آواز میں ودیعت کر رکھی ہے یہ ہے کہ جب کوئی بچہ درد کی وجہ سے اپنے بستر میں روتا ہے اور پھر وہ عمدہ آواز سنتا ہے تو وہ چپ ہو جاتا ہے اور سو جاتا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ پہلے زمانے کے لوگ سوداوی مرض کے مریض کا علاج عمدہ آواز سے کیا کرتے تھے اور مریض صحت یاب ہو جاتا تھا۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ ان رازوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے عمدہ اور بلند آوازوں میں رکھ رکھے ہیں ایک یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگل میں جب اونٹ تھک جاتا ہے اور چلتے چلتے سست پڑ جاتا ہے تو حدی خوان کی طرف کان لگا کر حدی خوانی سنتے ہیں اور رفتار تیز کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ محمل ان کی تیز رفتاری سے حرکت کرنے لگ جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر حدی خوان حدی خوانی بند کر دے تو اونٹ بھاری بوجھ اور تیز رفتاری کی وجہ سے اپنے آپ کو ھلاک کر دیتے ہیں حالانکہ اس آواز کے بند ہونے سے پہلے انہیں بوجھ اور تھکان محسوس ہی نہیں ہوتا تھا اور اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ اونٹ حدی خوان کی حدی خوانی کا کان لگا کر سنتے تھے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں مجھے دمی نے دمشق میں ایک قصہ سنایا کہ اس وقت کسی نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں بادیہ میں تھا اور وہاں عربوں کے ایک قبیلہ کے ہاں گیا۔ ان میں سے ایک شخص نے میری ضیافت کی اور مجھے اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے کے اندر پہنچ کر میں نے ایک سیاہ فام غلام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھا۔ پھر میں نے خیمے کے سامنے کچھ مرے ہوئے اونٹ دیکھے اور ایک اور اونٹ دیکھا جو دبلا تھا اور اس قدر مرجھایا ہوا تھا کہ ابھی مرا کہ مرا۔ دمیؒ فرماتے ہیں مجھے اس جکڑے ہوئے بچے نے کہا آپ آج رات میرے آقا کے ہاں مہمان ہیں اور وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتا ہے آپ اس کے پاس سفارش کر کے میری بیڑیاں کھلوا دیں۔ وہ آپ کی بات کو رد نہیں کرے گا۔ دمی فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کھانا رکھا گیا تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات میزبان کو بری ناگوار معلوم ہوئی۔ اس نے اس کا سبب پوچھا تو میں نے کہا کہ جب تک آپ اس بچے کا گناہ معاف نہیں کر دیں گے اور اس کی بیڑیاں نہ کھول دیں گے میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ میزبان نے کہا کہ ارے بابا! اس نے تو مجھے فقیر کر دیا ہے اور میرے تمام اونٹ ھلاک کر دیئے ہیں اور اس نے مجھے اور میرے عیال کو دکھ دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس نے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس بچے کی آواز بہت سریلی ہے اور میں ان اونٹوں کی باربرداری پر زندگی گزارتا ہوں۔ اس نے ان پر بھاری بوجھ لاد دیا اور حدی خوانی کی اور تین راتوں کی مسافت ایک رات میں طے کر لی اور یہ اس کی سریلی حدی خوانی کی وجہ سے تھا۔ جب یہ اونٹ ہمارے پاس پہنچے اور اس سے بار اتارا گیا تو اس ایک اونٹ کے سوا سب مر گئے۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ میں آپ کی تعظیم کی خاطر اسے معاف کرتا ہوں۔ دمیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے اس کی بیڑیاں کھول دیں اور ہم نے کھانا کھایا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اس کا گانا سننا چاہا۔ لہذا میں نے اسے گانا سنانے کو کہا۔ اس پر

میزبان نے اسے کہا کہ وہ اس اونٹ پر حدی خوانی کرے جس پر کنوئیں سے پانی لایا جاتا ہے۔ بچہ آگے بڑھا اور وہ اس اونٹ کو ھانکنے اور اسے حدی سنانے لگا۔ جب اس نے آواز بلند کی تو اونٹ دیوانہ ہو گیا اور اس نے اپنی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اور میں خود منہ کے بل گر پڑا۔ میرا خیال نہیں کہ میں نے کبھی اس سے بہتر آواز سنی ہو۔ اس کا مالک چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ارے تو میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے تو نے تو میرے اونٹ کو خراب کر دیا۔ یہاں سے چلے جاؤ۔

دمیؒ نے اسی طرح قصہ بیان کیا ہے۔ یا ان کے جو الفاظ بھی ہوں۔ واللہ اعلم۔

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن الطلی کو انطا کیہ میں کہتے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ بشر فرماتے تھے کہ میں نے اسحٰق بن ابراھیم موصلی سے پوچھا کہ گانے میں کون ماہر ہو سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جسے اپنے سانس پر قابو ہو، سانس کو روکنے میں اوروں پر فوقیت رکھتا ہو اور جھپٹ کر آواز لگانے کا اسے لطیف پیرایہ آتا ہا۔ [1]

سماع اور اس کے معنی کے بارے میں اختلاف

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ کسی نے ذوالنونؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حق تعالی کی طرف سے وارد ہونے والا ایک کیف ہوتا ہے جو دلوں کو بیقرار کر کے حق تعالی کی طرف لیجاتا ہے لہذا جس نے اسے حق کے ساتھ سنا وہ صاحب حق ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کے ساتھ سنا وہ زندیق ہوا۔

احمد بن ابیالحواریؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان دارائیؒ سے سماع اور ان قصائد کو سننے کے متعلق سوال کیا جو خوش الحانی سے پڑھے جاتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: یہ دو

---

[1] (اللمع فی التصوف)

کیا ہیں کہ ایک کے مقابلے میں مجھے زیادہ محبوب ہوں۔

ابو یعقوب نہر جوریؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: جلن کی وجہ سے یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جس سے اسرار کی طرف رجوع کرنے کا اظہار ہوتا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ اہل معرفت کے لیے سماع روحانی غنا کا لطف ہے کیونکہ دیگر اعمال کے مقابلہ میں یہ وصف دقیق اور رقیق ہوتا ہے اور رقیق ہونے کی وجہ سے اس کا ادراک بھی رفت طبع سے ہوتا ہے اور اہل سماع کے نزدیک اس کی صفائی اور لطف کی وجہ سے اس کا ادراک بھی باطن کی صفائی سے ہوتا ہے۔

ابوالحسن دراجؒ کی نسبت مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے کہ سماع نے مجھے بہاء (الہی) کے میدانوں میں سے ایک میدان میں سرگرداں کر دیا پھر وجود حق نے عطا کرتے وقت مجھے وجود عطا کیا پھر صفائی کا پیالہ پینے کو دیا جس کی وجہ سے میں نے منازل رضا کو پالیا اور یہ مجھے وہاں سے نکال کر سیر و تفریح کے باغات و فضا میں لے گیا۔

حضرت شبلیؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: سماع بظاہر تو آزمائش ہے مگر باطن میں عبرت ہے لہذا جو شخص اشارہ کو سمجھتا ہو اس کے لیے اس عبرت کا سننا جائز ہے ورنہ سمجھ لو کہ اس نے آزمائش کو دعوت دی اور مصیبت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔

حضرت جنیدؒ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ سماع سننے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ سماع نہ سننا چاہیے۔ پھر سوال کیا گیا کہ یہ تین باتیں کیا ہیں؟ جواب دیا: وقت، جگہ اور ساتی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جو عمدہ کو پسند نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی نقص پایا جاتا ہے یا یہ کوئی چیز اس کے دل پر وارد ہو کر اسے مشغول کر رکھتی ہے اور اسے سماع

سے غافل کر دیتی ہے۔

حضرت جعفرؒ نے حضرت جنیدؒ سے حکایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے فرمایا کہ فقراء پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے، ایک سماع کے وقت کیونکہ وہ سنتے ہیں تو حق کی طرف سے سنتے ہیں اور کھڑے ہوتے ہیں تو وجد کی وجہ سے۔ دوسرے علمی مقابلہ کے وقت، کیونکہ اس وقت ان کی گفتگو صدیقین اور اولیاء کے حالات کے متعلق ہوتی ہے اور تیسرے کھانا کھاتے وقت کیونکہ وہ صرف فاقہ کی حالت میں کھاتے ہیں۔

حضرت ابوعلی رودباریؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ کاش ہم اس سے کلیۃً نجات پا لیتے۔

حضرت ابوالحسین نوریؒ سے صوفی کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہو اور سامان دنیا اوروں کو دے دیتا ہو۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالطیب احمد بن مقاتل عکیؒ کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ جعسر نے بتایا کہ ابوالحسین بن زیری، جنیدؒ کے مریدوں میں سے تھے اور وہ ایک فاضل شیخ تھے۔ وہ بالعموم سماع کی مجالس میں جایا کرتے۔ اگر اچھا لگتا تو چادر بچھا کر بیٹھ جاتے اور کہتے فقیر اپنے دل کا ساتھ دیا کرتا ہے جہاں اسے اپنا دل مل جائے وہیں بیٹھ جاتا ہے اور اگر اچھا نہ لگتا تو کہتے سماع تو اہل دل کے لیے ہے اور جوتا لیتے اور واپس چلے آتے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حصریؒ کو گفتگو کے دوران یوں کہتے سنا: میں اس سماع کو کیا کروں جو سنانے والے کے سماع کو بند کرتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سماع تو مسلسل اور غیر منقطع ہوتا چاہیے۔ ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: دائمی پیاس اور دائمی

شراب ہونی چاہیے چنانچہ جس قدر زیادہ اسے پئیں اسی قدر اس کی پیاس بڑھتی جائے۔ [۱]

عام لوگوں کے سماع کا بیان

حضرت بندار بن حسینؒ فرماتے ہیں: جو شخص عمدہ سماع کو پسند نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے حواس میں نقص پایا جاتا ہے اس لیے کہ ہر دنیاوی حظ جس سے انسان حظ حاصل کرتا ہے اس میں تکلف پایا جاتا ہے خواہ وہ حظ جائز حظ ہی کیوں نہ ہو بجز سماع کے کہ ہر وہ مباح چیز جو مقاصد فاسدہ سے پاک ہو اس میں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر وہ شخص جو سماع کو خوش طبعی، نغمے سے لذت حاصل کرنے اور آواز اچھی لگنے کی وجہ سے سنے اس کے لیے سماع نہ حرام ہے اور نہ ممنوع، بشرطیکہ اس کا ارادہ فساد، مخالفت دین، لہو ولعب اور حدود اللہ کو ترک کرنا نہ ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کے جائز ہونے کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ط اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ہ [۲]

ترجمہ: اور تمہارے نفسوں کے اندر، کیا تم دیکھ نہیں رہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ [۳]

ترجمہ: ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کی اپنی ذات میں دکھا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفسوں میں ہمیں کیا دکھایا وہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں ہمارے خمسہ کے اندر یہ دکھایا کہ یہ ایک چیز اور اس کی ضد کے مابین امتیاز کر سکتے ہیں مثلاً آنکھ دیکھ کر خوبصورت اور بدصورت میں امتیاز کر لیتی ہے اور ناک خوشبو اور بدبو میں امتیاز کر لیتی ہے اور منہ ذائقہ کے

---

[۱] (اللمع فی التصوف)، [۲] (سورۃ الذٰریٰت، پ ۲۶، آیت نمبر ۲۱)، [۲] (سورۃ حم السجدۃ، پ ۲۵، آیت نمبر ۵۳)

ذریعے مٹھاس اور کڑواپن میں امتیاز کر لیتا ہے اور ہاتھ چھو کر نرم اور کھردری چیز میں امتیاز کر لیتے ہیں۔ یہی کان کا حال ہے کہ یہ عمدہ، غیر عمدہ اور مکروہ آواز میں امتیاز کر لیتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۝[1]

ترجمہ: گدھے کی آواز مکروہ ترین آواز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بری آواز کی مذمت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عمدہ آواز قابل تعریف ہے اور ان دونوں (اچھی اور بری آواز) میں صرف سماع یعنی کان لگا کر سننے، حضور قلب، ادراک فہم اور وہم کو دور کر کے غور کرنے سے ہی امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے اہل جنت کے لیے تیار کر رکھی ہیں چنانچہ جن نعمتوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں، بیریاں جن کی کانٹ چھانٹ کی گئی ہو، تہ بہ تہ کیلے کے درخت اور کثیر تعداد میں پھل، اور اللہ نے پرندوں کے گوشت کو ذکر کیا ہے، موٹی آنکھوں والی حوروں، ابریشم، استبرق، سربمہر شراب، تخت، محلوں، بالا خانوں، درختوں اور نہروں وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور یوں بھی کہا ہے:

فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ ۝[2]

ترجمہ: انہیں جنت کے باغ میں خوش رکھا جائے گا۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں مراد اس سماع سے ہے جو وہ جنت میں رقت آمیز آواز، دل پسند نغموں کے ساتھ خوبصورت لڑکیوں اور حور عین سے سنیں گے۔ وہ اپنی اپنی آواز میں یوں کہہ رہی ہوں گی: ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی بھی نہ مریں گی؛ ہم نازک اندام ہیں ہم پر مصائب نہ آئیں گے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ کے اندر موجود ہے۔

[1] (سورۃ لقمٰن، پ۲۱، آیت نمبر ۱۹)، [2] (سورۃ الروم، پ۲۱، آیت نمبر ۱۵)

ان تمام اشیاء میں سے اللہ تعالی نے شراب کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پیئے گا اسے آخرت میں پینے کو نہ دی جائے گی البتہ اگر توبہ کرلے (تو پھر دی جائیگی) لہذا اسماع منجملہ ان چیزوں کے قرار پایا جن کا ذکر اللہ نے جنت کی نعمتوں میں کیا ہے اور دنیا میں مومنین کے لیے مباح قرار دیا ہے۔ ان تمام میں سے صرف شراب کو حرام قرار دیا ہے اس لیے کہ اس کے بارے میں قرآن کا صریح حکم، حدیث نبوی ﷺ اور حدیث کے ظاہری الفاظ موجود ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ، حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں دیکھا کہ دو لڑکیاں گانا گا رہی اور دف بجا رہی ہیں مگر آپ ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ اور جب حضرت عمرؓ ان پر ناراض ہوئے اور کہا: کیا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطان کی بانسری بجائی جا رہی ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے عمر! انہیں کرنے دو جو کچھ یہ کرتی ہیں کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ اگر گانا ممنوع ہوتا تو عید اور غیر عید دونوں کا یکساں حکم ہوتا۔ اس قسم کی احادیث بہت ہیں۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت مروی ہے کہ وہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں گئے اور اس وقت انہیں بخار ہو رہا تھا وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

کل امری مصبح فی اھلہ والموت ادنی من شراک نعملہ

ہر شخص کو اپنے گھر میں صبح بخیر کہا جاتا ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی اس کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت بلالؓ کو جب بخار کا زور ہو جاتا تو بلند آواز سے کہتے:

ألا لیست شعری ھل ابیتن لیلة بواد و حولی اذخر و جلیل
و ھل اردن یوما میاہ مجنة و ھل یبدون لی شامة و طفیل

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آیا میں وادی میں ایک رات گزاروں گا اور میرے گرد اذخر اور جلیل (جیسی خوشبودار بوٹیاں) ہوں اور کیا میں کسی روز مجنہ کے پانیوں پر وارد ہوں گا اور کیا شامہ اور طفیل پہاڑ مجھے دکھائی دیں گے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت لبیدؓ کا یہ شعر پڑھا کرتیں:

ذھب الذین یعاش فی الغافھم   و بقیت فی خلف کجلد الاجرب

جن کے زیر عاطفت ہم زندگی گزارا کرتے تھے چل بسے اور بعد کے لوگوں کے درمیان میں اس طرح رہ گیا جس طرح خارشی اونٹ کی کھال (کہ کوئی قریب نہیں آتا)

اس کے بعد فرماتیں: خدا لبید پر رحمت بھیجے اگر وہ ہمارا زمانہ پا لیتا (تو خدا معلوم) اس کی کیا حالت ہوتی۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے اشعار کہے ہیں۔ اور اس کا بیان لمبا ہے۔ مجھے ابوعبداللہ حسین بن خالویہ نے سنایا وہ کہتے ہیں کہ انہیں ابن الانباری نے یہ اشعار مرفوع سند سے سنائے (صحابی) کہتے ہیں کہ کعب بن زھیر نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اشعار سنائے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول   متیم اثرھا لم یفد مکبول

سعاد مجھ سے جدا ہوگئی لہذا آج میرا دل بیمار ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس کا غلام بن گیا ہے۔ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے اور کسی نے اس کا فدیہ ادا کر کے (اسے چھڑایا ہی نہیں)

وما سعاد غداۃ البین اذظعنوا   الا اغن غضبض الطرف مکحول

جس وقت سعاد کا قبیلہ کوچ کر رہا تھا اس وقت وہ ناک میں بولنے والی پست نگاہ والی اور سرمیلی آنکھوں والی تھی۔

شجت بذی شبم من ماء محنیة   صاف بابطح اضحی و هوا مشمول

اس (شراب میں) وادی کے موڑ کا ٹھنڈا اور صاف پانی ملایا گیا ہے۔ یہ پانی پتھریلی زمین سے گزر کر آیا ہے اور اس پر باد شمال چل چکی ہے۔

تنفسی الریاح القذی عنه و افرطه   من صوب ساریة بیض یعالیل

ھوائیں اس پانی سے تنکے ھٹاتی رہتی ہیں اور اسے سفید تہ بہ تہ بادلوں نے شام کو آنے والے بادل کی بارش سے پر کر دیا ہے۔

اکرم بها خلة لو انها صدقت   موعودها ولو ان النصح مقبول

یہ اگر اپنا وعدہ سچ کر دکھاتی یا نصیحت قبول کر لیتی تو یہ کیا ہی معزز محبوبہ ہوتی۔

لکنها خلة قد سیط من دمها   فجع و ولغ و اعراض و تبدیل

مگر یہ تو ایسی محبوبہ ہے کہ جن کے خون میں ان امور کی آمیزش ہے درمند کرنا، جھوٹ بولنا، اعراض کرنا اور ایک عاشق کی جگہ دوسرا بدل لینا۔

کانت مواعید عرقوب لها مثلا   وما مواعیدها الا الاباطیل

اس کے وعدے (جھوٹے وعدے کرنے والے) عرقوب کے سے تھے۔ اس کے تمام وعدے جھوٹے وعدے ہیں۔

ارجو و امل ان یعجلن فی ابد   وما لهن اخال الدهر تعجیل

مجھے امید ہے کہ یہ جلد کسی جگہ قیام پزیر ہوگی مگر میرا خیال نہیں کہ یہ کبھی (واقعی) جلدی کریں گے۔

وما تمسک بالوصل الذی زعمت   الا کما یمسک الماء الغرابیل

جس وصل کا اسے دعوی ہے اسے اس طرح پکڑتی ہے جس طرح چھلنی پانی کو۔

فلا یغرنک ما منت وما وعدت   ان الامنی والاحلام تضلیل

جو آرزو تجھے یہ دلائے یا جو وعدہ یہ کرے اس سے دھوکا نہ کھانا۔ آرزو اور خواب گمراہ کن ہوا کرتے ہیں۔

امست سعاد بارض لن یبلغها   الا العتاق النجیبات المراسیل

اب سعاد تو اس (دور دراز) ملک کو جا چکی ہے جہاں صرف اصیل، عمدہ اور آرام سے چلنے والی اونٹنیاں ہی پہنچا سکتی ہیں۔

ولن یبلغها الا عذافرة   فیها علی الاین اوقال و تبغیل

وہاں تو صرف قوی اونٹنی ہی پہنچا سکتی ہے جو باوجود تھکان کے تیز رفتاری سے چلتی ہو۔

ضخم مقلدها فعم مقیدها   جی خلقها عن بنات النحل تفضیل

اس کا ہار پہننے کا حصہ موٹا اور بیڑی لہنے کا حصہ پر گوشت ہے۔ تیز اونٹ کی دیگر بیٹیوں کے مقابلہ میں اس کا جسم افضل ہے۔

حرف اخوها ابوها من مهجنة   وعمها خالها موداء شملیل

یہ بڑی قد آور ہے۔ اس کا بھائی اس کا باپ ہے اور دونوں دوغلی انٹنی سے ہیں۔ اس کا چچا اس کا خالو ہے، رام اور تیز رفتار ہے۔

مروی ہے کہ (ان اشعار کو سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض اشعار (پراز) حکمت ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اشعار کو پڑھنا جائز ہے تو پھر خواہ یہ اچھے نغمے یا اچھی آواز کے ساتھ پڑھے جائیں یا حدی خوانی ہوں خواہ حدر، نصب، رمل اور رجز سے ایک ہی بات ہے۔ بشرطیکہ ان میں فاسد مقاصد، باطل ارادے، حد سے تجاوز کرنا، دین کی مخالفت اور دشمنی نہ پائی جائے۔

واللہ اعلم۔

شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ علماء وفقہاء میں سے جو مقتدا ہیں ان ہی کے ایک گروہ نے سماع کی اجازت دی ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک مالک بن انس ہیں۔ ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار دوپہر کے وقت ایک شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اسے گاتے ہوئے اور یوں کہتے ہوئے سنا:

ما بال قومک یا رباب　　　خزرا کانهم غضاب

اے رباب تمہاری قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ترچھی نگاہوں سے یوں دیکھتے ہیں جیسے وہ غصے میں ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر مالک نے اس شخص سے کہا تو نے اسے صحیح طور پر ادا نہیں کیا اور اپنے نفس کا قیلولہ کرنے سے بھی روک دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص نے کہا مجھے اسے کس طرح ادا کرنا چاہیے تھا۔ اس پر مالک نے کہا تو یہ چاہتا ہے کہ لوگوں سے کہہ سکے کہ تو نے یہ راگ مالک سے سیکھا ہے۔

امام مالک اور اہل مدینہ کی مشہور روایت تو یہی ہے کہ وہ سماع کو مکروہ نہ سمجھتے تھے اور اس کے جواز کے متعلق عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر صحابہ اور تابعین سے روایات آئی ہیں۔ امام شافعیؒ نے بھی سماع اور شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس سے مروت میں فرق نہ آتا ہو۔

ابن جریج کی نسبت باوجود ان کی بزرگی کے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا یمن سے آ کر مکہ میں میرے قیام پذیر ہونے کا سبب دو شعر تھے جو میں نے ایک دن سنے اور وہ یہ ہیں:

باللّٰه قولی له من غیر متعبة　　　ماذا اردت بطول المکث بالیمن

ان کنت الممت ذنبا او هممت به فما وجدت بترک الحج من یمن

تمہیں خدا کا واسطہ اسے بغیر ناراضگی کے یہ کہہ دینا کہ یمن میں اس قدر دیر تک قیام کرنے سے تمھارا کیا مقصد تھا اگر تو نے کوئی گناہ کیا تھا یا ارادہ گناہ کیا تھا (تو کیا ہو گیا تھا) مگر تو نے حج کو ترک کر دینے سے کچھ نہ پایا۔

ابن جریج کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سماع کی اجازت دیا کرتے تھے۔ اس پر کسی نے ان سے کہا کہ جب قیامت کے دن تمہاری پیشی ہوگی اور تمہارے نیک و بد اعمال کو پیش کیا جائے گا تو تمہارا سماع کس طرف ہوگا اس پر ابن جریج نے کہا کہ نہ نیکیوں میں ہوگا اور نہ بدیوں میں کیونکہ یہ بمشابہ اس لغو کے ہے جسے نہ نیکی میں شمار کیا جاتا ہے اور نہ بدی میں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمٰنِكُمْ [1]
ترجمہ: خدا تمہیں تمہاری لغو قسموں پر گرفت نہیں کرتا۔

شیخ ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کے لیے سماع کے جائز ہونے کے بارے میں یہ مختصر سی بحث ہیں بشرطیکہ ان کے ساتھ سماع میں مقاصد فاسدہ نہ پائے جاتے ہوں اور نہ ہی وہ اس حدیث ممانعت کے تحت آتے ہوں جس میں رسول اللہ ﷺ نے سارنگی، مزامیر، باجے کوبہ اور ڈھول سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ایسا سماع تو اہل باطل کا ہی فعل ہے اور یہ ان صحیح احادیث کی رو سے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں ممنوع ہے۔ [2]

---

[1] (سورة البقرة، پ۲، آیت نمبر ۲۲۵)، [2] (اللمع فی التصوف)

خاص لوگوں کے سماع کا بیان

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو اسمعیل بن نجیدؒ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعثمن سعید بن عمان رازی الواعظ کو یوں کہتے سنا کہ سماع تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک سماع تو مریدوں اور مبتدیوں کا ہے جس سے وہ احوال شریفہ کو دعوت دیتے ہیں مگر اس میں فتنہ اور ریاکاری کا خطرہ پایا جاتا ہے۔ دوسری قسم کا سماع صدیقین کا ہوتا ہے جو سماع سے اپنے احوال میں مزید ترقی کے خواہاں ہوتے ہیں اور وہ سماع میں وہ باتیں سنتے ہیں جو ان کے حال اور اوقات کے مطابق ہوں۔ اور تیسری قسم کا سماع عارفین میں سے اہل استقامت لوگوں کا سماع ہے۔ یہ لوگ ان امور میں جو ان کے دلوں پر سماع کے دوران وارد ہوں مثلاً حرکت یا سکون، اللہ پر نہ اعتراض کرتے ہیں اور نہ ناپسند کرتے ہیں یا جس طرح بھی انہوں نے کہا ہو۔

حضرت ابویعقوب اسحٰق بن محمد بن ایوب نہر جوری سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اہل سماع کے تین طبقے ہیں ایک طبقہ تو وہ ہے جنہیں وقت کے حکم کے مطابق اپنے سکون اور حرکت میں پچھاڑ دیا گیا ہوتا ہے اور دوسرا طبقہ خاموش اور ساکن الصفۃ ہوتا ہے اور تیسرا گروہ اپنے ذوق میں بھٹکتا رہتا ہے اور یہ ان میں سے کمزور ترین طبقہ ہے۔

مروی ہے کہ بندار بن حسینؒ نے کہا کہ سماع تین قسم کا ہے۔ بعض وہ لوگ ہیں جو طبیعت کے تقاضے کے مطابق سنتے ہیں، بعض حال کے تقاضے کے مطابق اور بعض حق کے ساتھ سنتے ہیں۔

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ جو طبیعت کے تقاضے کے مطابق سنتا ہے اس میں خاص و عام سب مشترک ہیں اور ہر ذی روح کو عمدہ آواز بھلی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی تو روح کے جنس میں سے ایک روحانی چیز ہے اور اس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور جو اپنے حال کے

مطابق سنتا ہے تو وہ جب سنتا ہے تو غور سے سنتا ہے یہاں تک کہ اس پر کوئی نہ کوئی کیفیت وارد ہوتی ہے مثلاً عتاب کا ذکر یا خطاب یا وصل، ھجر ان، قرب اور بعد کا ذکر یا کسی ایسی چیز پر افسوس جو ہاتھ سے نکل گئی ہو، یا جدائی کا خوف یا عہد کا ایفاء یا وعدہ کا پورا کرنا، یا وعدہ خلافی، یا بیچینی اور اشتیاق کا ذکر یا کسی سے اتصال کی خوشی یا جدائی کا غم یا کسی چیز کے حاصل نہ ہونے کی حسرت یا اس چیز سے مایوسی جس کی امید لگائے ہوں، یا پاک محبت کا ذکر یا دوستی پر قدرت، منظور نظر ہونے کے بعد جوانی کی جہالت کا درمیان میں حائل ہو جانا، یا محبوب کو دیکھتے ہوئے نگہبان خدا کی حفاظت کا ذکر کرنا، یا غموں اور طرح طرح کے فتنوں کی تکالیف، آنکھوں سے آنسو بہانا، رونا اور گریہ وزاری کرنا یا نئے سے نئی حسرتوں کا پیش آنا۔

لہذا جب ان امور میں سے کوئی ایسا حال اس پر وارد ہو جو اس کے حال کے عین مطابق ہو تو اس کی مثال اس آگ جلانے والے کی ہوگی جو اس کے باطن میں صفاء وقت اور آگ جلانے کی طاقت کے مطابق آگ جلا رہا ہو۔ لہذا اس طرح جو آگ مشتعل ہوتی ہے وہ شرارے پھینکنے لگتی ہے اور اس کا اثر اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے اور اس کی ظاہری صفات پر تغیر، حرکت، اضطراب اور ہیجان ظاہر ہوتا ہے پھر وہ اپنی طاقت کے مطابق یا تو اپنی ذات پر قابو پا لیتا ہے یا اس وارد کے قوی ہونے کی وجہ سے قابو نہیں پا سکتا۔ پاک ہے وہ خدا جو ان کی تدبیر کا والی ہے اور جو ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر ان پر اللہ کا فضل، رحمت اور مہربانی نہ ہو تو ان کے عقلوں کے طوطے اڑ جائیں، ان کی جانیں ھلاک ہو جائیں اور ان کی ارواح فنا ہو جائیں۔

اور جو حق کے ساتھ سنتا ہے اس پر یہ احوال وارد نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ان احوال کی طرف توجہ کرتا ہے اور نہ ان افعال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ احوال شریف احوال ہیں پھر بھی ان میں بشری حظ کی آمیزش پائی جاتی ہے اور ان کا انسانی حدود کے ساتھ تعلق

ہوتا ہے۔ اور باوجود کمزوریوں کے یہ پاک ہوتے ہیں اور انہیں غلطی کا خطرہ لگا رہتا ہے تا آنکہ ان کا سماع باللہ (اللہ کے ساتھ) للہ (اللہ کے لیے) من اللہ (اللہ کی طرف سے) اور الی اللہ (اللہ کی طرف) ہو اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو حقیقت کو پہنچ چکے ہوتے ہیں اور خالص اخلاص اور پاک توحید کے مقام کو پالیا ہوتا ہے۔ لہذا اس کی بشریت کی (آگ) بجھ چکی ہوتی ہے اور ان کی نفسانی حظوظ فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ صرف ان کے حقوق باقی رہ گئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کسی سبب، بشری حظ اور روح کا کسی نعمت سے خوش ہوئے بغیر ہی موارد حق کا مشاہدہ کرتے ہیں لہذا جب ان کے اسرار پر سماع وارد ہوتا ہے تو وہ اللہ کی حکمت، اس کی قدرت کے آثار، اس کی مہربانی کے عجائبات اور اس کے علم غیب کی عجیب وغریب چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہے اپنا فضل کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ اہل سماع، سماع میں تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم ابناء الحقائق کی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سماع میں حق سے مخاطب ہونے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو سماع میں کچھ سنتے ہیں اس میں اپنے احوال، اوقات اور مقامات سے مخاطب ہونے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کا علم کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے اور جس بات کی طرف وہ سماع میں اشارہ کریں اس میں ان سے صدق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور تیسری قسم مجرد فقراء کی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام تعلقات منقطع کر لیے ہوتے ہیں اور ان کے دل دنیا کی محبت، مال جمع کرنے اور مال خرچ کرنے میں بخل کرنے سے ملوث نہیں ہوئے ہوتے لہذا یہ لوگ اپنے پاک دلوں کے ذریعے سنتے ہیں اور یہی لوگ دراصل سماع کے اہل ہیں اور یہ تمام لوگوں کے مقابلے میں سلامتی کے زیادہ قریب اور فتنے سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ [1]

سننے والوں کے طبقات کے بیان میں

شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ سماع میں سننے والے مختلف طبقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک طبقہ صرف قرآن کو سننا اختیار کر لیتا ہے اور کسی اور چیز کو نہیں سنتے۔ اور ان کا استدلال قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ [۲]

ترجمہ: قرآن اچھی آواز سے پڑھا کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ [۳]

ترجمہ: دلوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اور اسی طرح فرمایا: مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ۔[۴]

ترجمہ: (اس قرآن کے احکام اور آیات) دھرا کر کر بیان کئے گئے ہیں جن کو سننے سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں پھر اللہ کی طرف (مائل ہو کر) ان کے بدن اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول: الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔[۵]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

---

[۱] (اللمع فی التصوف)، [۲] (سورۃ المزمل، پ۲۹، آیت نمبر۴)، [۳] (سورۃ الرعد، پ۱۳، آیت نمبر۲۸)،
[۴] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر۲۳)، [۵] (سورۃ الانفال، پ۹، آیت نمبر۲)

نیز یہ قول: لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ط[1]

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف کے مارے خشوع کرتا اور پھٹ جاتا۔

نیز یہ فرمایا کہ: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ۔[2]

ترجمہ: ہم نے قرآن کو شفا بنا کر نازل کیا ہے۔

نیز یہ قول: اَلَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ط[3]

ترجمہ: جو لوگ بات سنتے ہیں تو اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں بہت سی آیات آئی ہیں۔

ان کی دوسری دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کیا کرو اور نبی کریم ﷺ کے اس قول سے جب آپ نے ابن مسعودؓ کو کہا کہ قرآن پڑھ کر سناؤ۔

ابن مسعودؓ نے عرض کیا کیا میں آپکو پڑھ کر سناؤں جبکہ یہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اوروں سے سننا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اور براءؓ کے اس قول سے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آپ سے بہتر پڑھنے والے کو نہیں دیکھا۔

نیز آنحضرت ﷺ کے اس قول سے کہ ھود اور دیگر سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

---

[1] (سورۃ الحشر، پ۲۸، آیت نمبر ۲۱)، [2] (سورۃ بنی اسرائیل، پ۱۵، آیت نمبر ۸۲)، [3] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر ۱۸)

اسی طرح ابوموسی اشعری کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے اس قول سے کہ اسے آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے۔

نیز آنحضرت ﷺ کے اس قول سے جب کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تھا کہ سب سے اچھا پڑھنے والا کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو پڑھتے وقت یوں نظر آئے کہ اسے اللہ کا ڈر ہے۔

نیز اس واقعہ سے کہ آنحضرت ﷺ کا گزر اھل صفہ پر ہوا اور وہ عریانی کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے چھپ رہے تھے اور ایک شخص انہیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ [۱]

ترجمہ: اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر امت میں سے گواہ لے آئیں گے۔

تو غش کھا کر گر پڑے۔

اور اس سے کہ آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ۔ [۲]

ترجمہ: اگر تو انہیں عذاب دے گا (تو تو قادر و مالک ہے) کیونکہ یہ تمھارے بندے ہیں

تو آپ ﷺ رو پڑے۔

نیز اس سے کہ جب (قرآن پڑھتے ہوئے) آپ ﷺ کسی رحمت کی آیت پر پہنچتے تو دعا مانگتے اور خوش ہوتے اور جب عذاب کی آیت پر پہنچتے تو دعا کرتے اللہ سے پناہ مانگتے۔

اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہذا جو شخص قرآن سننا پسند کرے تو اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی قراءت سے کوئی فائدہ نہیں جس میں تدبر نہ پایا جاتا ہو۔

[۱] (سورۃ النساء، پ۵، آیت نمبر ۴۱)، [۲] (سورۃ المائدہ، پ۷، آیت نمبر ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر سننے والوں کو دو طرح سے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو اللہ کا یہ قول ہے: وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ ج حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ۔[1]

ترجمہ: ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگا رہتے ہیں تا آنکہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں انہوں نے ابھی کیا بات کہی تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے زنگ چڑھا رکھا ہے۔

یہ لوگ صرف کانوں سے قرآن سنتے تھے مگر ان کے دل غائب ہوتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے اور ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے۔

ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ هُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ط[2]

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا مگر (درحقیقت) وہ سنتے نہیں ہوتے۔

دوسری قسم وہ جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذَا سَمِعُوۡا مَآ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰٓى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ج يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝[3]

ترجمہ: جب وہ اس کتاب کو سنتے ہیں جو اس رسول پر نازل کی گئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے اور وہ بول

---

[1] (سورۃ محمد، پ ۲۶، آیت نمبر ۱۶)، [2] (سورۃ الانفال، پ ۹، آیت نمبر ۲۱)، [3] (سورۃ المائدہ، پ ۷، آیت نمبر ۸۳)

اٹھتے ہیں۔ پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہم کو شاھدوں میں لکھ دے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جب قرآن سنا تو اس وقت ان کے دل بھی حاضر تھے لہذا اللہ نے ان کی اس صفت کی تعریف کی قرآن میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں۔ اور اگر اس سلسلے میں ان تمام واقعات کا ذکر کیا جائے تو کتاب لمبی ہو جائے اور حد اختصار سے نکل جائے۔ مثلاً وہ لوگ جنہیں قرآن سننے سے غشی طاری ہوئی یا جو لوگ رونے لگ گئے۔ اور جن لوگوں کے اعضاء جدا ہو گئے اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے لے کر آج تک جن لوگوں پر غشی طاری ہوئی مثلاً صحابہ میں زرارہ بن اوفی جیسے شخص کا ذکر کریں کہ انہوں نے امامت کرائی اور قرآن کی ایک آیت پڑھی غشی کھا کر گرے اور جان دے دی۔

یا تابعین میں ابو جھیر جنہیں صالح مری نے قرآن پڑھ کر سنایا تو انہوں نے چیخ ماری اور جان دے دی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو علی مغازلی نے شبلیؒ سے سوال کیا کہ بعض اوقات میرے کانوں میں کوئی آیت پڑتی ہے تو یہ مجھے اشیاء کو ترک کرنے اور دنیا سے اعراض کرنے کے لیے تنبیہ کرتی ہے مگر بعد میں پھر سے اپنی پہلی حالت کی طرف اور لوگوں کی طرف لوٹ آتا ہوں۔ پھر اس پر بھی قائم نہیں رہتا اور مجھے پہلے وطن کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے پھر کہا: قرآن کے جو الفاظ تمہارے کانوں میں پڑیں اور وہ تمہیں اللہ کی طرف کھینچ کر لے جائیں تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے مہربانی اور اس کا لطف و کرم ہوگا اور جب تجھے اپنے نفس کی طرف لوٹا دیا جائے تو یہ بھی اس کی شفقت ہے کیونکہ تم اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونے میں اپنے قوت و طاقت سے صحیح طور پر بیزار نہیں ہوئے۔

احمد بن ابی الحواری ابو سلیمان دارانی سے حکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں ایک ہی آیت میں پانچ پانچ راتیں لگا دیتا ہوں اگر اس آیت

میں غور و فکر کرنا نہ چھوڑ دوں تو کبھی آگے نہ چل سکوں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت آتی ہے جس سے عقل پرواز کر جاتی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو اسے پھر سے لوٹا دیتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں سری سقطیؒ کے پاس گیا تو ان کے پاس ایک شخص کو دیکھا جو بیہوش پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اس شخص نے قرآن کی ایک آیت سنی ہے جس سے اس پر غشی طاری ہوگئی ہے میں نے کہا کہ میں اسے وہی آیت پھر پڑھ کر سناتا ہوں چنانچہ حضرت جنیدؒ نے وہ آیت پڑھی اور وہ ہوش میں آ گیا۔ سری سقطیؒ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے یہ بات کیسے دریافت کر لی۔ میں نے جواب دیا: یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا جانا مخلوق کی خاطر تھا اور پھر مخلوق ہی کے ذریعے وہ دوبارہ بینا ہوئے۔ اگر ان کا نابینا پن حق تعالی کی خاطر ہوتا تو مخلوق کے ذریعے بینا نہ ہوتے۔ سری سقطیؒ نے اس استدلال کو بہت پسند کیا۔

کسی صوفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک رات یہ آیت پڑھ رہا تھا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔[1]

ترجمہ: ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

اور میں اس آیت کو بار بار پڑھنے لگا۔ یکا یک غیب سے آواز آئی تو کب تک اس آیت کو دہراتا رہے گا جبکہ تو چار ایسے جنوں کو قتل کر چکا ہے جنہوں نے پیدائش سے لے کر آج تک آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا تھا۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالطیب احمد بن مقاتل علی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں رمضان کے مہینے میں ایک رات شبلیؒ کے ساتھ مسجد میں تھا اور وہ امام کے

[1] (سورۃ الانبیاء، پ ۱۷، آیت نمبر ۳۵)

پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ امام نے یہ آیت پڑھی: وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ۙ[1]

ترجمہ: اگر ہم چاہتے تو جو قرآن ہم نے تم پر بطور وحی نازل کیا ہے اسے واپس لے لیتے اور تمہیں ہمارے خلاف اس بارے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

یہ سنتے ہی انہوں نے چیخ ماری۔ میں نے یوں سمجھا کہ ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ دیکھا تو ان کا رنگ سبز ہو گیا تھا اور وہ کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کیا احباب کو اس طرح خطاب کیا جاتا ہے اور وہ یہ الفاظ بار بار دہرا رہے تھے۔

جن لوگوں نے قرآن سننا پسند کیا انہوں نے ان آیات اور واقعات کی بنا پر اختیار کیا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

قرآن کو سنتے وقت ان امور پر اعتماد ہونا چاہیے: حضور قلب، تدبر، تفکر، تذکر اور اس حالت پر جو اس آیت کے پڑھنے سے اس کے دل پر وارد ہوتی ہے تاکہ جب وہ قرآن سنے تو اس پر وہی حالت غالب ہو لہٰذا اگر اس پر کوئی حالت طاری نہ ہو گی اور نہ اس کے دل پر قرآن کے سننے سے وجد طاری ہو، نہ موافق اور نہ بیقرار کرے تو اس کی مثال اس شخص کی سی جو اس چیز کو بلا رہا ہو جو سن ہی نہیں سکتی۔[2]

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے قصائد اور اشعار سننا پسند کیے

حضرت شیخ ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اب لیں اس گروہ کو جنہوں نے قصائد اور اشعار سننا پسند کیا تو ان کی ظاہری دلیل نبی ﷺ کا یہ قول مبارک ہے: ان من الشعر لحكمة

[1] (سورۃ بنی اسرائیل، پ۱۵، آیت نمبر ۸۶)، [2] (اللمع فی التصوف)

ترجمہ: بعض اشعار دانائی کے اشعار ہوتے ہیں۔

یہ گروہ کہتا ہے کہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور یہ کلام اللہ کی صفت ہے اور وہ حق ہے۔ جب یہ ظاہر ہو تو انسان میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں کیونکہ قرآن تو غیر مخلوق ہے جس کے متعلق ہونے کی طاقت مخلوق صفات میں نہیں۔ اور یہ بھی درست نہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہے اور نہ ہی اسے مخلوق نغموں کے ذریعے مزین کیا جا سکتا ہے بلکہ برعکس اس کے اشیاء کو اس سے مزین کیا جاتا ہے۔ قرآن تو اس سے خوبصورت چیز ہے۔ اس کے حسن کے ہوتے ہوئے کوئی خوبصورت چیز اچھی نہیں معلوم ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝[1]

ترجمہ: ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔

اسی طرح فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط[2]

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتار دیتے تو اسے عاجزی کرنے والا دیکھتا اور وہ اللہ کے ڈر سے پھٹ جاتا۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ قرآن کو اس کے تمام حقائق کے ساتھ دلوں پر نازل فرماتا اور اس کی تلاوت کرتے وقت اس کی ھیبت کا ایک ذرہ منکشف ہو جاتا تو دل پھٹ جاتے، حواس باختہ ہو جاتے، دھشت زدہ اور حیران ہو جاتے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کا بالعموم یہ حال ہے کہ وہ کئی بار قرآن ختم کر جاتے ہیں پھر بھی قراءت کرتے ہوئے ان کے دلوں پر کسی قسم کی رقت

[1] (سورۃ القمر، پ ۲۷، آیت نمبر ۱۷)، [2] (سورۃ الحشر، پ ۲۸، آیت نمبر ۲۱)

طاری نہیں ہوتی اور اگر قراءت کے ساتھ عمدہ آواز یا عمدہ اور دلسوز نغمہ ہو تو وہ رقت محسوس کرتے ہیں اور قرآن کے سننے سے لذت پاتے ہیں مزید برآں اگر یہ عمدہ آواز اور عمدہ نغمہ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز پر ہو اور پھر اسے وہی رقت اور وھی لذت محسوس ہو تو اس سے یہ رقت، صفا، لذت اور وجد جسے یہ لوگ قرآن کی طرف سے سمجھ رہے ہیں اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو پھر قراءت کے وقت ان پر یہ کیفیت ہمیشہ طاری ہوا کرتی۔

عمدہ نغمے طبائع انسانی کے عین موافق ہیں اور جو نسبت انہیں طبائع انسانی سے ہے وہ حظوظ کی نسبت ہے حقوق کی نہیں۔ اور قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور اس کی نسبت حقوق کی نسبت ہے حظوظ کی نہیں۔ شعروں اور قصیدوں کی نسبت بھی نسبت حظوظ ہے نسبت حقوق نہیں۔ سماع کے سننے والے اگرچہ اپنے اپنے درجات اور خصوصیات میں مختلف ہیں پھر بھی اس سماع میں طبیعت سے موافقت، نفس کے لیے حظ اور روح کے لیے ناز و نعمت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں لطیف اشیاء سے اسی طرح مشابہت پائی جاتی ہے جس طرح عمدہ آواز اور عمدہ نغموں میں۔ اسی طرح اشعار میں بھی دقیق معانی، رقت، فصاحت، لطافت اور اشارات پائے جاتے ہیں۔ لہذا جب ان آوازوں اور نغموں کو ان قصائد اور شعروں کے ساتھ ملا دیا جائے تو یہ موافق اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے اور حظوظ بشری کے زیادہ قریب آ جائیں گے اور انسان کے باطن اور دل کے لیے ان کا برداشت کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ پھر اس میں خطرہ بھی کم ہوگا کیونکہ ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مشابہت رکھتی ہے۔

لہذا جن لوگوں نے قرآن کے مقابلے میں قصائد کا سننا پسند کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ایک قابل احترام کتاب ہے اور اس کے سننے میں جو خطرہ پایا جاتا ہے وہ بھی معمولی نہیں کیونکہ قرآن کے ہم پر حقوق ہیں۔ جب حقوق کے انوار اپنی شعاعوں کے ساتھ نفوس پر چمکتے ہیں

اور اپنے معانی کو ظاہر کرتے ہیں تو نفس ان حقوق کے ادا کرنے سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اپنی حرکات سے مردہ بن جاتا ہے اور اپنے حظوظ اور ناز و نعمت سے فنا ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک بشریت باقی ہے اور ہماری صفات اور حظوظ بھی ہمارے ساتھ بدستور قائم ہیں اور ہمارے ارواح (دلسوز) نغموں اور عمدہ آوازوں سے لذت یاب ہوتے ہیں تو ان حظوظ کو باقی اور قائم دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ ہمارا خوش ہونا کلام اللہ کے ساتھ خوش ہونے سے بہتر ہے۔ کیونکہ قرآن اللہ تعالی کی صفت اور کلام ہے جو اسی سے شروع ہوتا اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

بعض لوگوں نے قرآن کو لے کے ساتھ پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک خاص قسم کے لے اور راگ کے ساتھ قرآن کا پڑھنا جائز نہیں۔

کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ [۱]

ترجمہ: قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

جن لوگوں نے قرآن کو لے اور راگ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ ہے کہ بشری طبائع قرآن کے سماع اور تلاوت سے بھاگتی ہے کیونکہ قرآن ان پر اللہ کا ایک حق ہے۔ لہذا انہوں نے اپنی گھڑی ہوئی آوازوں کو اپنی تلاوت پر چسپاں کر دیا تاکہ اس طریقے سے وہ عام لوگوں کے طبائع کو قرآن سننے کی طرف مائل کر سکیں۔ اگر ان کے دل حاضر اوقات معمور، اسرار پاک اور نفوس مئودب ہوتے اور طبائع بشری بھی پیچھے ہٹ گئی ہوتیں تو اس بات کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ و باللہ التوفیق۔ [۲]

---

[۱] (سورۃ المزمل، پ۲۹، آیت نمبر۴)، [۲] (اللمع فی التصوف)

مریدوں اور مبتدیوں کے سماع کا بیان

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو عبدالواحد بن علوان کو رحبہ میں یعنی رحبہ مالک بن طوق میں یوں کہتے ہوئے سنا کہ ایک نوجوان حضرت جنیدؒ کا مرید تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ جب بھی نصیحت کی بات سنتا تو چیخ مارتا۔ ایک روز حضرت جنیدؒ نے اس سے کہا کہ اگر تو نے پھر ایسا کیا تو تو میری نصیحت میں نہ بیٹھ سکے گا۔

ابوعمرو کہتے ہیں کہ جب حضرت جنیدؒ کوئی بات علم کے متعلق بیان کرتے تو اس کا رنگ بدل جاتا مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھتا یہاں تک کہ اس کے بدن کے ہر بال سے پانی کا قطرہ ٹپکنے لگ جاتا مجھے ابوعمرو نے بتایا کہ ایک دن ایسا ہوا کہ اس نے چیخ ماری اور پھٹ گیا اور جان دے دے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن سیروانی کو جو خواصؒ کے مرید تھے دمیاط میں دیکھا۔ وہ حضرت جنیدؒ سے روایت کرتے ہوئے بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے سماع سنا اور اس کا جسم پھٹ گیا۔ اور ایک شخص کو دیکھا جس نے قرآن سنا اور مر گیا۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کے میں نے دقیؒ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے دراجؒ کو یوں کہتے سنا: میں اور ابن الفوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دریائے دجلہ پر جا رہے تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک خوبصورت محل ہے۔ اس کا ایک چبوترہ ہے جہاں ایک آدمی کے سامنے ایک لڑکی یہ شعر گا رہی ہے:

كل يوم تتلون غير هذا بک اجمل   جى سبيل الله ود كان منى لک يبذل

ترجمہ: تو ہر روز رنگ بدلتا رہتا ہے تیرے لیے تو کچھ اور ہی زیادہ مناسب تھا۔ میں تو تجھ

سے اللہ کی خاطر دوسری رکھتا ہوں۔

وہ فرماتے ہیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان ہاتھ میں چھاگل لئے اور گدڑی پہنے غور سے سن رہا ہے اس نے کہا: اری لڑکی! تجھے اللہ کی قسم اور تیرے آقا کی زندگی کی قسم اس شعر کو پھر پڑھو۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر وہ لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور یہ شعر پڑھتی گئی:

کل یوم تتلون غیر ھذا بک اجمل

اور نوجوان کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! اللہ کے ساتھ اپنی حالت کو بدلنے میں میری یہی کیفیت ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد اس نے چیخ ماری اور الحمدللہ کہا پھر دیکھا تو وہ مرا پڑا تھا۔

ہم نے کہا اب تو ہم پر فرض عائد ہو گیا ہے لہذا ہم ٹھہر گئے۔ یہ دیکھ کر محل مالک نے لونڈی سے کہا تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد اہل بصرہ نکل کر آئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب اسے دفن کر چکے تو محل کے مالک نے اٹھ کر کہا کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ہو؟ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میری ملکیت کی ہر چیز اللہ کی راہ میں ہے۔ میری تمام لونڈیاں آزاد ہیں اور یہ محل بھی اللہ کی راہ میں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد اس نے اپنے کپڑے پھینک دئے اور ایک تہد اور ایک چادر اوڑھی اور جدھر کا رخ کیا ادھر ہر نکل گیا اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے نگاہوں سے غائب ہو گیا اور لوگ رو رہے تھے اس کے بعد نہ کسی نے اسے دیکھا اور نہ کہیں اس کی خبر ملی۔ میں نے اس بہتر دن نہیں دیکھا۔ یا۔ اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے جن کا مفہوم یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے وجیہی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعلی رودباریؒ کو یوں کہتے سنا کہ میں مصر گیا دیکھا تو کچھ لوگ جمع ہو رہے تھے اور یوں فرمایا:

کہ وہ صحرا سے واپس آ رہے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا ہم ایک شخص کا جنازہ پڑھ کر آ رہے ہیں جس نے کسی کو یوں یوں کہتے سنا:

کبرت همة عبد طمعت فی ان ترا کا

ترجمہ: جس بندے نے تمہیں دیکھنے کی خواہش کی اس کی بہت بڑی ہمت ہے۔

پھر اس نے چیخ ماری اور جان دے دی۔

حضرت دقیؒ نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ بن جلاء کو یوں کہتے سنا کہ میں نے مغرب میں دو عجیب باتیں دیکھیں۔ میں نے قیروان کی جامع مسجد میں ایک شخص کو صفوں کو چیرتے ہوئے دیکھا وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے خیرات دو کیونکہ میں ایک صوفی تھا مگر پھر کمزور ہو گیا۔ اور دوسری یہ کہ میں نے شیخوں کو دیکھا ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا زریق تھا۔ ہر دو کے شاگرد و مرید تھے۔ ایک روز زریق اپنے مریدوں کے ساتھ جبلہ کی زیارت کو آئے۔ زریق کے مریدوں میں سے ایک نے قرآن کا کچھ حصہ پڑھا جسے سن کر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور جان دے دی۔ دوسرے دن جبلہ نے زریق سے کہا کہ تمہارے جس مرید نے کل قرآن پڑھا تھا کہاں ہے زریق نے اسے بلایا اور اسے قرآن پڑھنے کو کہا اس نے قرآن کا کچھ حصہ پڑھا جس پر جبلہ نے چیخ ماری جس سے قرآن پڑھنے والا وہیں مر گیا۔ اس پر جبلہ نے کہا کہ ایک کے بدلے میں ایک اور ابتداء کرنے والا زیادہ ظالم ہے۔ یا اسی قسم کے اور الفاظ کہے جس کا یہ مفہوم ہے۔

حضرت محمد بن یعقوب نے جعفر مبرقع (برقعہ پوش) کی نسبت بیان کیا اور یہ جلیل القدر شیوخ میں سے تھے۔ کہ ایک جگہ جہاں سماع ہو رہا تھا انہوں نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا اور کھڑے کھڑے یہ کہتے گئے کہ سماع ہم مریدوں کے لیے ضروری ہے۔

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ مرید کا سماع اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے بخوبی واقف نہ ہوتا کہ وہ اللہ کی طرف وہ امور منسوب کرے جو اس کے لائق ہیں۔ نیز یہ کہ اس کا دل امور دنیا اور ستائش پسندی سے ملوث نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں لوگوں سے کسی قسم کا لالچ پایا جاتا ہو اور نہ مخلوق سے امید لگائے ہو، دل کی نگہداشت کرتا ہو، اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہو اور اپنے وقت کا خیال رکھتا ہو۔ جب اس میں یہ صفات پائی جائیں تو اسے وہ چیزیں سننی چاہئیں جن میں توبہ کرنے والوں، اللہ کا قصد کرنے والوں، طالبوں، اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں، خشوع کرنے والوں اور خائف لوگوں کی صفات کا ذکر ہو۔ اور وہ ایسی باتیں سنے جو اسے معاملہ اور مجاہدہ کی ترغیب دیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ ہر قسم کے اشعار سنتا ہو، نہ ہی تکلف سے کام لے اور نہ ہی خوش طبعی اور لذت کی خاطر سنے تاکہ یہ کہیں اس کی عادت نہ بن جائے اور اسے عبادت اور دل کی نگہداشت سے باز نہ رکھے اگر اس میں یہ باتیں نہ پائی جائیں تو اسے سماع کو ترک کر دینا چاہیے۔ اور جہاں ایسے امور پائے جائیں وہاں جانے سے پرہیز کرنا اور دور رہنا چاہیے اور اسے ایسی صرف جگہوں میں سماع کے لیے جانا چاہیے جہاں ان امور کا ذکر ہو جو اسے معاملہ پر اکسائیں اور اللہ کے ذکر کی تجدید کریں، اس کی تعریف بیان کریں۔ نیز ایسے امور ہوں جن میں اللہ کی رضا پائی جاتی ہو۔ اور اگر وہ مبتدی ہے اور اسے سماع کے شرائف کا علم نہیں تو اسے پھر ایسے شیخ کے پاس جانا چاہیے جو ان شرائط سے واقف ہوتا کہ یہ اس سے سیکھ سکے اور اس کا سماع لہو ولعب نہ بن سکے اور نہ وہ اللہ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جس سے اللہ منزہ ہے ورنہ یہ شخص کافر ہو جائے گا اور اسے پتہ ہی نہ چلے گا۔ اسے (یہ بھی خیال رکھنا چاہیے) کہ اس کا نفس اور خواہشات اسے حظ نفس کی تابعداری کی دعوت نہ دیں اور نہ ہی اس کی خواہشات اور شیطان اسے یہ خیال دلائے کہ سماع حقوق میں سے ہے اگر ایسا خیال

کرے گا تو تباہ ہو جائے گا۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔[1]

سماع میں مشائخ کی کیفیت

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت وجیہیؒ سے سنا اور وہ فرما رہے تھے کہ میں نے حضرت طیالسی رازیؒ کو یوں کہتے سنا کہ میں حضرت ذوالنونؒ کے استاد حضرت اسرافیلؒ کے پاس گیا تو وہ بیٹھے ہوئے انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے اور دل ہی دل میں گنگنا رہے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا کہ کیا تو کوئی شعر اچھی طرح ادا کر سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا: نہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ پھر تمہارے پاس دل ہی نہیں ہے۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالحسن علی بن محمد صیرفیؒ کو سنا وہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت رویمؒ سے ان مشائخ کے متعلق سوال کیا جن سے ان کی ملاقات ہوئی اور پوچھا کہ ان کی سماع کے وقت کیا حالت ہوتی تھی؟ حضرت رویمؒ نے جواب دیا کہ ان کی حالت سماع کے وقت بھیڑ بکریوں کے اس گلے کی طرح ہوتی تھی جس میں بھیڑیئے آ گھسے ہوں۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فیس بن عمر حمصی کو یوں فرماتے سنا کہ ابوالقاسم نہاوندیؒ ہمارے ہاں آئے اور وہ حضرت ابوسعید خرازؒ کی صحبت میں رہ چکے تھے اور انہوں نے کئی سالوں سے سماع ترک کر رکھا تھا۔ ایک دعوت میں وہ ہمارے ساتھ گئے

[1] (اللمع فی التصوف)

جہاں ایک شخص اشعار کہہ رہا تھا۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

واقف فی الماء عطشا ن ولکن لیس یسقی

ترجمہ: وہ پانی میں پیاسا کھڑا ہے مگر اسے پانی نہیں دیا جاتا۔

حضرت قیسؒ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھی کھڑے ہوتے اور وجد کا اظہار کرتے رہے۔ جب خاموش ہوئے تو انہوں نے ہر ایک سے دریافت کیا کہ تجھے اس شعر میں کیا بات معلوم ہوئی۔ اکثریت نے یہی کہا کہ اس شعر میں احوال کی پیاس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے نیز یہ کہ بندے کو اس حال سے روک دیا گیا ہے جس کا وہ پیاسا ہے۔ مگر ان کے ان جوابات سے تشفی نہ ہوئی۔ لہذا ہم نے ان ہی سے سوال کیا اور کہا کہ جو کچھ آپ کے علم میں ہے اسے پیش کیجئے۔ اس پر فرمایا کہ یہ بندہ احوال کے درمیان گھرا ہوا ہے اور اسے ہر طرح کی کرامت اور بزرگی حاصل ہے مگر اللہ تعالی اسے اس کے حال میں سے زرہ بھر بھی عطا نہیں کرتے۔ یا جو الفاظ بھی انہوں نے کہے ہوں۔ ہم نے اس کا مفہوم ادا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت یحیی بن رضا علویؒ کو بغداد میں یوں کہتے سنا اور انہوں نے یہ حکایت مجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابو حلمان صوفی نے ایک آدمی کو جو پھیری والا تھا یہ الفاظ پکارتے ہوئے سنا کہ یاسعتر ابری (جنگلی شاہترہ لے لو) یہ سن کر وہ گر پڑے اور ان پر غشی طاری ہوگئی۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اسے یوں کہتے سنا ہے اسع تر ی بری (کوشش کر کے دیکھ لو میرا احسان کیسا ہے)۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مشائخ جو اس کیفیت سے واقف ہیں اور جو

اس قصہ کو سمجھتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو حال سماع میں کسی سامع کا ہوتا ہے وہ اس کیفیت کے مطابق ہوتا ہے جو اس کے دل پر اپنے شغل، وقت اور حضور قلب کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب بولنے والے کی آواز ابوحلمانؒ تک پہنچی تو انہوں نے اسے اپنے وقت اور شغل کے مطابق سنا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ ہم نے جو بات کہی اس کی دلیل، واللہ اعلم، وہ حکایت ہے جو عتبۃ الغلام کی نسبت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو یوں کہتے سنا:

سبحان جبار السماء ان المحب لفی عناء

ترجمہ: خدای جبار السماء پاک ہے۔ بیشک عاشق رنج وغم میں ہی رہتا ہے۔

یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اور ایک اور شخص نے جب یہی سنا تو کہا کہ تو جھوٹا ہے اس پر ایک اور شخص نے جو اس قسم کی باتوں کو سمجھتا تھا کہا کہ دونوں نے ٹھیک کہا ہے۔ عتبہ نے اسے اس لیے سچا کہا کہ انہوں نے اپنی محبت میں تھکان محسوس کیا تھا اور دوسرے شخص نے جو اسے جھوٹا کہا تو اس لیے کہا کہ اس نے محبت میں راحت اور انس محسوس کیا تھا۔

حضرت احمد بن مقاتلؒ سے مروی ہے کہ حضرت ذوالنونؒ بغداد آئے تو صوفیاء کی ایک جماعت ان کے پاس آئی۔ ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا۔ ان لوگوں نے ذوالنونؒ سے درخواست کی کہ وہ قوال کو بول بولنے کی اجازت دیں۔ انہوں نے اجازت دے دی اور قوال نے یوں کہنا شروع کیا:

صغیر هواك عذبنی فكیف به اذااحتنكا

ترجمہ: تمہاری تھوڑی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ اگر یہ پورے طور سے مجھ پر قابو پالے تو پھر میری کیا حالت ہوگی۔

و انت جمعت فی قلبی ھوی قد کان مشترکا

ترجمہ: وہ محبت جو اوروں کے لیے بھی مشترک تھی تو نے اسے میرے دل میں اکٹھا کر دیا ہے۔

اما ترثی لمکتب اذا ضحك الخلی بکی

ترجمہ: کیا تجھے اس غمناک پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جب کہ وہ لوگ جو عشق میں مبتلا نہیں ہنس رہے ہوتے ہیں۔

حضرت احمد کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت ذوالنونؒ کھڑے ہو گئے پھر منہ کے بل گر پڑے۔ اس کے بعد ایک اور شخص اٹھا تو حضرت ذوالنونؒ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: الَّذِیْ یَرٰكَ حِیْنَ تَقُوْمُ۔[1]

ترجمہ: اس خدا کو یاد کرو جو تمہیں کھڑا ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

حضرت احمد کہتے ہیں کہ یہ آیت سن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالنونؒ کے الَّذِیْ یَرٰكَ حِیْنَ تَقُوْمُ کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے کھڑا ہوتے اور تکلف سے دوسرے شخص کے مزاحمت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ لہذا حضرت ذوالنونؒ نے اسے یہ بات جتا دی کہ جب تو کھڑا ہوا ہے تو اس میں تیرے خلاف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مدعی نہیں ہے اور اگر وہ شخص کھڑا ہونے میں سچا ہوتا تو آیت سن کر بیٹھ نہ جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشائخ اپنی معرفت کے زور سے اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کے احوال سے واقف ہوتے ہیں اور جب وہ

---

[1] (سورۃ الشعراء، پ۱۹، آیت نمبر ۲۱۸)

اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگیں اور دوسروں کے احوال کے مدعی بن بیٹھیں تو پھر مشائخ کے لیے ان سے درگزر کرنا مناسب نہیں۔

مروی ہے کہ حضرت ابوالحسن نوریؒ سماع کی مجلس میں گئے اور وہاں یہ شعر سنا:

ما زلت انزل من ودادك منزلا　　تتحير الالباب عند نزوله

ترجمہ: میں تمہاری محبت کی اس منزل میں اترتا رہا ہوں جہاں اترتے ہوئے لوگوں کی عقلیں حیران ہو جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت نوریؒ نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا اور دیوانہ وار نکل گئے اور نے کے ایسے جنگل میں جا گھسے جہاں نے تو کاٹ دیے گئے تھے مگر ان کی جڑیں ابھی تک تلوار کی طرح قائم تھیں۔ یہ ان پر چلتے گئے اور صبح تک یہی شعر دہراتے رہے۔ خون ان کے پاؤں سے بہتا رہا پھر ان کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں متورم ہو گئیں اس کے بعد چند دن زندہ رہے اور جان دے دی۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوسعیدؒ نے فرمایا کہ میں نے علی بن موفق کو دیکھا ہے اور وہ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ وہ سماع کی مجلس میں گئے اور انہوں نے کچھ بول سنے۔ پھر کہا مجھے کھڑا کر دو۔ لوگوں نے انہیں کھڑا کر دیا تو وجد میں آئے وجد کی حالت میں کہنے لگے کہ میں تو ناچنے والا شیخ ہوں۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم، واللہ اعلم، یہ ہے کہ یہ اپنے ہمنشینوں اور ساتھیوں سے اپنی حالت کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انا الشیخ الزفان (میں ناچنے والا شیخ ہوں) کہا۔ ان کا یہ بھی حسن ادب تھا کہ بولتے رہے تاکہ اظہار سکر اور ادھر ادھر جانے سے بچ سکیں کیونکہ یہ دونوں کیفیتیں مریدوں اور مبتدیوں کی ہیں۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھائی نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت ابو الحسن دراجؒ نے بیان کیا کہ میں حضرت یوسف بن حسین کی زیارت اور سلام کے لیے بغداد سے روانہ ہوا۔ جب رے پہنچا تو لوگوں سے ان کے گھر کا پتا دریافت کیا۔ جس کسی سے پوچھتا یہی کہتا کہ تو اس زندیق سے ملکر کیا کرے گا۔ لوگوں نے مجھے اس قدر دل تنگ کر دیا کہ میں نے واپس چلے آنے کا ارادہ کرلیا۔ میں نے رات ایک مسجد میں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو دل میں کہا کہ میں یہ تمام راستہ طے کر کے آیا ہوں کم از کم مجھے انہیں دیکھ تو لینا چاہیے۔ میں دریافت کرتے کرتے ان کی مسجد تک پہنچ گیا۔ جب ان کے پاس گیا تو وہ محراب میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا اور وہ گود میں قرآن لیے اسے پڑھ رہے تھے۔ دیکھا تو ان کا خوبصورت چہرہ اور خوبصورت داڑھی ہے میں نے قریب جا کر سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ انہوں نے میری طرف متوجہ ہو کر یہ پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا بغداد سے۔ پھر سوال کیا: کس لیے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ آپ کے سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ فرض کرو کہ اگر کوئی یہاں کا باشندہ اس ملک کے اندر تمہیں یہ کہتا کہ ہمارے ہاں قیام کرو میں تمہیں گھر اور لونڈی خرید دونگا۔ یا کوئی اور الفاظ کہے۔ تو کیا یہ بات تمہیں یہاں آنے سے روک سکتی تھی۔ دراج کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا اللہ نے مجھے اس آزمائش میں نہیں ڈالا۔ اگر ڈالا ہوتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میری کیا حالت ہوتی۔ اس کے بعد کہنے لگے کیا تو کوئی بول اچھی طرح ادا کر سکتا ہے میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: پیش کرو۔ اس پر میں نے یوں کہنا شروع کیا:

رایتك تبنی دائبا فی فطیعتی   ولو كنت ذاخزم لهدمت ما تبنی

ترجمہ: میں دیکھ رہا ہوں کہ تو مجھ سے تعلقات توڑنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اگر تو

دانشمند ہوتا تو اس بنیاد کر گرا دیتا۔

کانی بکم و اللیت افضل قولکم   الا لیتنا کنا اذااللیت لا تغنی

ترجمہ: میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ اور تمہارا بہترین قول لیت کہنا ہے۔ کاش ہم ایسی حالت میں ہوتے۔ جبکہ اب لیت کہنا بے سود ہے۔

حضرت دراج کہتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر انہوں نے قرآن بند کر دیا اور رونے لگ گئے تا آنکہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے اور (میری یہ حالت ہوئی کہ) مجھے ان کے رونے پر رحم آنے لگا۔ اس کے بعد مجھے کہا: بیٹا! کیا تو اھل رے کو اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یوسف زندیق ہے۔ میں صبح کی نماز سے لے کر اس وقت تک قرآن پڑھتا رہا ہوں مگر میری آنکھ سے ایک قطرہ نہیں ٹپکا لیکن ان دونوں شعروں نے مجھ پر قیامت بپا کر دی ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ جب شبلیؒ یہ شعر سنا کرتے تو وجد میں آتے:

ووادکم ھجر و حبکم قلی   ووصلکم صرم و سلمکم حرب

ترجمہ: تمہاری دوستی ہجران، محبت دشمنی، وصل قطع تعلق اور صلح جنگ ہے۔

ایک بار حضرت دقیؒ آدھی رات تک کھڑے ہو کر ادھر ادھر پاؤں چلاتے اور سر کے بل گرتے رہے اور پھر کھڑے ہو جاتے۔ لوگ رو رہے تھے اور قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے:

بالله فاردد فواد مکتب   لیس له من حبیبه خلف

ترجمہ: تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس غمزدہ کا دل واپس کر دو جس کے محبوب کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا اس قسم کے واقعات تو بہت ہیں۔

اور یہ بات عقلمند انسان کے مخفی نہیں بشرطیکہ وہ ان کے مقاصد اور سماع کے بارے میں ان کے مختلف مشربوں اور جگہوں پر غور کرے۔ اور جو تھوڑا سا بیان میں نے دیا ہے۔ اگر وہ اسے

غور سے پڑھ لے تو وہ سمجھ جائے گا کہ اس سے میری کیا مراد ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔[1]

سماع میں خاص الخاص اور اہل کمال کی حالت

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالحسن احمد بن محمد کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنے باپ کو یوں کہتے سنا کہ میں نے سہل بن عبداللہ کی ساٹھ سال خدمت کی مگر اس عرصہ میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان میں ذکر اور قرآن یا کسی اور چیز کے سننے سے کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔ مگر جب آخر عمر کو پہنچے تو ایک شخص نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ"۔[2]

ترجمہ: آج تم سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہ ہوگا۔

تو میں نے دیکھا کہ وہ لرزنے لگے اور قریب تھے کہ گر پڑتے جب ہوش میں آئے تو میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا کہ اے دوست! ٹھیک ہے ہم کمزور ہو گئے۔

حضرت ابن سالم نے اپنے باپ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے سہلؒ کو ایک اور بار دیکھا اس وقت میں ان کے سامنے آگ سینگ رہا تھا کہ انکے ایک شاگرد نے سورۃ الفرقان پڑھی جب اس آیت پر پہنچا: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ط [3]

ترجمہ: اسی روز حکومت حقیقی معنوں میں اللہ کی ہوگی۔

تو بیقرار ہو گئے اور قریب تھا کہ گر پڑیں۔ حضرت ابن سالم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا کیونکہ اس سے قبل میں نے انہیں کبھی ایسا کرتے نہ دیکھا تھا۔

---

[1] (اللمع فی التصوف)، [2] (سورۃ الحدید، پ ۲۷، آیت نمبر ۱۵)، [3] (سورۃ الفرقان، پ ۱۹، آیت نمبر ۲۶)

انہوں نے جواب دیا کہ میں کمزور ہو گیا ہوں۔

حضرت ابن سالم کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن عبداللہؒ نے کچھ اسی قسم کے الفاظ کہے تھے۔ جس کا یہ مفہوم ہے۔ واللہ اعلم کہ یہ بات جو آپ نے کہی ہے کہ میں کمزور ہو گیا ہوں کیا اس سے یہی مراد ہے کہ سماع سے آپ میں تغیر اور اضطراب واقع ہوا ہے۔ (آپ بتائیں کہ) حال کس طرح قوی ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حال کے قوی ہوتے ہوئے جو چیز بھی وارد ہوا سے صوفی اپنے حال کی قوت کی وجہ سے نگل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں واردات کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں کر سکتے خواہ یہ واردات کس قدر قوی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس بیان کی علم میں اصل و بنیاد پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک شخص کو جو قرآن پڑھتے ہوئے رو رہا تھا کہا ہمارا بھی یہی حال ہوا کرتا تھا یہاں تک کہ ہمارے دل سخت ہو گئے۔ (اس سے مراد یہ ہے کہ دل مضبوط اور ثابت قدم ہو گئے)۔

لہذا جب صوفی پر سماع کی ضرب لگی تو اس میں تغیر پیدا نہ ہوگا کیونکہ صوفی کی حالت سماع سے پہلے بھی اور بعد بھی یکساں ہوتی ہے۔

اسکا ایک مطلب اور بھی ہے کہ سہل بن عبداللہؒ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا میری حالت نماز کے اندر اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے ایک جیسی ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نماز میں داخل ہونے سے پہلے اپنے دل کی نگہداشت کرتے ہیں اور اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھتے ہیں اس کے بعد وہ حضور قلب اور دل جمعی کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ لہذا جب نماز میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی وہی حالت ہوتی ہے جو نماز سے پہلے تھی۔ لہذا نماز سے پہلے اور نماز کے اندر ان کی ایک جیسی حالت ہوتی ہے۔

اس طرح ان کا سماع اور وجد دونوں مسلسل اور دائمی ہوئے۔ ان کا گھاٹ بھی دائمی اور پیاس بھی دائمی ہوئی اور جس قدر ان کا گھاٹ بڑھتا جاتا ہے اسی قدر ان کی پیاس بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جس قدر ان کی پیاس بڑھتی ہے اسی قدر ان کا گھاٹ بڑھتا ہے۔ یعنی یہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد بن علی الکرجی المعروف بوجیہی کو کہتے سنا کہ صوفیاء میں سے کچھ لوگ حسن قزاز کے گھر میں جمع تھے اور وہاں قوال قوالی کر رہے تھے کہ انہی وجد آ رہا تھا۔ اسی حالت میں ممشادؒ نکل آئے۔ انہیں دیکھ کر سب کے سب ٹھٹھر گئے۔ ممشادؒ نے کہا تم کیوں ٹھٹھر گئے ہو۔ اپنی حالت کو جاری رکھو۔ اگر دنیا بھر کی تمام لہو ولعب کی باتیں میرے کان میں جمع کر دی جائیں تب بھی وہ میرے ارادوں کو اپنی طرف مشغول نہیں کر سکتیں اور نہ ہی مجھے ان سے ذرہ بھر بھی تشفی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کی حالت میں یہ بھی اہل کمال کی ایک صفت ہے کہ ان میں سے کسی ٹھکورنے والے اور وارد ہونے والے کے لیے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی ہوتی (کہ ان پر اثر انداز ہو سکے) اور نہ ہی ان کی طبائع، نفس اور بشریت کی کوئی حس باقی رہی ہوتی ہے جو تبدیل نہ ہو چکی ہو یا مہذب نہ بن چکی ہو۔ لہٰذا ان کے نفوس نغموں سے حظ حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی عمدہ آوازوں سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور نہ ان سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کے ارادے ایک ہی ذات کی طرف لگے ہوتے ہیں ان کے اسرار پاک ہوتے ہیں اور ان کی صفات کو حواس کی نہ کدورت لاحق ہوتی ہے نہ نفس کی تاریکیاں نہ بشریت کے تغیرات اور نہ انسانی تقابل۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوالقاسم جنیدؒ کی نسبت بتایا گیا ہے کہ کسی

نے ان سے کہا کہ آپ قصائد سنا کرتے تھے اور اپنے مریدوں کے ساتھ سماع میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حرکت کیا کرتے تھے مگر اب آپ اسی طرح ساکن وغیر متحرک رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں جنیدؒ نے یہ آیت پڑھی: وَ تَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ۔ [۱]

ترجمہ: تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ یہ ساکن ہیں حالانکہ یہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں یہ اس خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اشارہ، واللہ اعلم، اس بات کی طرف ہے کہ تم میرے اعضاء کے ساکن رہنے اور میرے ظاہری بدن کے سکون کو دیکھ رہے ہو مگر تمہیں یہ معلوم نہیں کہ میں اپنی دلی کیفیت کے ساتھ کہاں ہوں۔

سماع میں یہ بھی ایک اھل کمال کی صفت ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بسا اوقات ایسی جگہوں میں جاتے ہیں جہاں سماع ہو رہا ہو اور اس میں ان کے مختلف احوال اور مختلف وجہیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ کبھی تو اس لیے ان کے ساتھ چلے جاتے ہیں تاکہ اپنے کسی بھائی کا ساتھ دیں اور کبھی اپنے علم اور ثابت قدمی اور اپنی عقلوں کے بڑا ہونے کی وجہ سے وہاں جاتے ہیں تاکہ اوروں کو شرائط اور آداب سماع کے فوائد ونقصان بتادیں۔ اور کبھی غیر جنس کے لوگوں کے ساتھ وسعت اخلاق اور بردباری کی وجہ سے چلے جاتے ہیں مگر ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان سے جدا اور اپنے باطن کی وجہ سے ان سے علیحدہ ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر ان کے ہمنشین ہوتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] (سورۃ النمل، پ۲۰، آیت نمبر ۸۸)، [۲] (اللمع فی التصوف)

سماع کے بارے میں ذکر، وعظ ونصیحت اور حکمت وغیرہ

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر محمد بن داؤد دینوری الدقیؒ کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں نے ابوبکر زقاق کو سنا اور وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت جنیدؒ سے توحید کا ایک نکتہ سنا جس نے مجھے چالیس سال تک سرگردان رکھا اور میں اب تک اسی بھنور میں پھنسا ہوا ہوں۔

حضرت جعفر ضلدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک خراسانی حضرت جنیدؒ کے پاس آیا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ مشائخ بھی موجود تھے۔ خراسانی نے سوال کیا کہ اے ابوالقاسم! کسی بندے کے نزدیک اس کی مدح کرنے والا اور اس کی خدمت کرنے والا کب یکساں ہوتے ہیں۔ ان مشائخ میں سے ایک نے کہا جب وہ پاگل خانے میں پہنچا دیا گیا ہو اور اس کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئی ہوں۔

یہ جواب سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا یہ تمہارا کام نہیں تھا (کہ تم اس کا جواب دیتے) اور پھر خراسانی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے دوست! جب بندے کو معلوم ہو جائے اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ (اللہ کی) مخلوق ہے۔

یہ جواب سن کر اس خراسانی نے چیخ ماری اور نکل گیا۔

حضرت یحیی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ حکمت اللہ کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے اولیاء کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب کوئی بات دل سے نکلتی ہے تو دوسروں کے دل پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور اگر محض زبان سے نکلی ہو تو کانوں سے آگے نہیں جاتی۔

حضرت شیخ ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات بہت ہیں مثلاً یہ کہ کسی

نے کوئی لفظ سنا، یا کوئی نصیحت کی بات سنی یا حکمت کی اچھی بات سنی اور اسے پسند آ گئی اور اس نے اس کے باطن کو وجد سے بھڑکا یا یا اس کے دل میں جلن پیدا کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ جس شخص کی نگاہ تجھے اس کے لفظ سے بے رغبت نہ کر دے اس کا وعظ تجھے اس کے الفاظ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار انسانوں میں سے صرف ایک دانشمند کا فعل زیادہ مفید ہوتا ہے بمقابلہ اس کے کہ ایک آدمی کو ایک ہزار آدمی نصیحت کریں۔

یہ کیفیتیں وہ کیفیتیں ہیں جو دلوں کو انکی صفائی کی بدولت اتفاقیہ طور پر اس وقت حاصل ہوتی ہیں جب غیب سے کوئی وارد ہونے والی چیز مثلا یہ کہ کوئی بات سننے میں آئے یا دیکھنے میں آئے، ان کے کانوں میں پڑے چنانچہ جب دونوں میں موافقت پائی جاتی ہے تو یہ کیفیت قوی ہو جاتی ہے اور جب دونوں میں اختلاف ہو یا ایک دوسرے کی ضد ہوں تو کمزور پڑ جاتی ہے مگر اہل استقامت، اہل صدق اور اہل کمال کے ساتھ یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس مقام سے آگے نکل چکے ہوتے ہیں اور اس قسم کا امتیاز ان کے ہاں نہیں رہتا لہذا ان میں تغیر پیدا ہی نہیں ہوتا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بول سننے سے ان کے اذکار کی تجدید ہو جاتی ہے اور ان کے مشاہدات آہستہ آہستہ صاف ہونے لگتے ہیں اور یہی ان کی صفائی میں اضافہ ہے جو حکمت کے سننے اور عجیب و غریب حکمت کی باتوں کی طرف کان لگانے سے تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو کچھ سنتے ہیں مثلا قرآن یا قصائد یا ذکر یا کوئی اور چیز مثلا طرح طرح کی حکمت کی باتیں ان سے ان کا مقصد عمدہ نغمہ، یا عمدہ آواز، یا مزہ لینا یا لذت حاصل کرنا نہیں ہوتا اس لیے کہ رقت، پہچان اور وجد تو ان کے اندر اس وقت بھی چھپے ہوتے ہیں جب نہ کوئی آواز ہوتی ہے اور

نہ نغمہ اور جب آواز اور نغمہ سنتے ہیں تو اس وقت سکون و وقار ان کے اندر چھپا ہوتا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا مقصد ان تمام مسموع چیزوں سے صرف وہ چیز ہوتی ہے جو ان کے دل پر وارد ہو اور وہ اسی قسم کی ہو جس قسم کا وجد اور ذکر ان کے دلوں کے اندر موجود ہے لہذا ہم جنس ہونے کی وجہ سے وجد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

سماع کی بنیاد اور مقصد کا دارومدار اس بات پر ہے کہ دیکھا جائے کہ جو کچھ سننے والے سنتے ہیں ان کا اس سے کیا مقصد ہے۔ نیز اس بات پر ہے کہ سماع ان کے باطن سے کس حد تک موافقت رکھتا ہے اور یہ کہ ان پر وقت کس قسم کا ہے اور ان کے دلوں پر کون سا حال غالب ہے لہذا اس وقت کے اندر اگر وہ ایسی بات سنیں جو ان کے وقت کے عین موافق ہو تو اس سے ان کے باطن کی پوشیدہ حالت اور وہ کیفیت جو ان کے ضمیر کے اندر ہوتی ہے قوت پکڑ لیتی ہے لہذا وہ وجد کی حالت میں بولیں گے اور اپنے ارادے اور صدق کے مطابق اشارہ بھی کریں گے نیز اس حالت کی طرف اشارہ کریں گے جو ان کے حال کے مناسب ہو اور ان کے دل میں یہ خیال نہیں آئے گا کہ شاعر کی شعر کہنے سے کیا مراد ہے اور نہ اس بات کی طرف کہ بول والے کا اس بول میں کیا مقصد ہے علی حذا القیاس جب کوئی قاری قرآن کو غفلت سے پڑھ رہا ہو اور یہ بیداری سے اسے سن رہے ہوں تو اس سے یہ حیرت زدہ نہیں ہوتے اور جب یہ خود دل جمعی سے سن رہے ہوں تو ذاکر کی پریشان خیالی انہیں وحشت زدہ نہیں کر سکتی۔ پھر کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دونوں حالتیں متفق ہوتی ہیں اور دونوں وقت ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور دونوں کا ارادہ بھی ایک جیسا ہوتا ہے لہذا انگاری زیادہ قوی وقت زیادہ صاف اور عوارض زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔ اور جب عنایت الٰہی ان کے شامل حال ہو اور توفیق ایزدی ان کا ساتھ دے تو یہ لوگ ہر حال میں لغزشوں سے محفوظ اور بیماریوں سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس کی تشریح ان حکایات میں پائی جاتی ہے جن کا ابھی ذکر آئے گا۔

ان شاءاللہ تعالیٰ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن مسروق بغدادی اپنے ایام جاہلیت میں ایک رات نشے کی حالت میں باہر نکلےاوروہ شعر گنگنا رہے تھے:

بطیز ناباذ کرم ما مررت به الا تعجبت ممن یشرب المائا

ترجمہ:طیز ناباذ میں انگور کی ایک بیل ہے جب کبھی میں اس کے پاس سے گزرتا ہوں تو مجھےان لوگوں پرتعجب ہوتا ہے جو پانی پیتے ہیں۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں نے ایک کہنے والے کو یوں کہتے سنا:

و فی جهنم ماء ما تجرعه حلق فابقی له فی الجوف امعائا

ترجمہ:اورجہنم میں ایسا پانی ہے اگرکوئی حلق اس کا گھونٹ بھرلےتو یہ پانی اس کے پیٹ میں کوئی انتڑی نہیں چھوڑے گا۔

آپ کہتے ہیں کہ یہی شعر میری توبہ اورعلم وعبادت میں مشغول ہونے کا سبب بنا۔ یا اسی قسم کےکوئی اورالفاظ کہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب عنایت الٰہی نے اسے آلیا تو حق کے آنے سے وہ باطل جو اس کے اندر تھا فنا ہوگیا۔ اور جب توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ دیا اوراللہ کی نگہبانی اس کے شامل حال ہوئی تو یہی باطل ان کی نجات کا سبب بنا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوالحسن بن رزعان نے بیان کیا کہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بصرہ میں باغات کے درمیان جارہا تھا کہ کسی کوطنبور بجاتے سنااوروہ یہ شعر کہہ رہا تھا:

یا صباح الوجود ما تنصفونا طول ذاالدهر کلکم تظلمونا
کان فی واجب الحقوق علیکم اذ بلینا بحبکم تنصفونا

ترجمہ: اے خوبرو لوگو! تم ہم سے انصاف نہیں کرتے تم مدت دراز سے ہم پر ظلم کر رہے ہو تم پر ہمارا یہ حق واجب تھا کہ جب ہم تمہاری محبت میں مبتلا ہو چکے ہیں تو ہم ہم سے انصاف کرو۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر میرے ساتھی نے چیخ ماری اور کہا اگر تو نے یوں کیا ہوتا تو کوئی حرج نہ تھا:

یا صباح الوجوہ سوف تموتو　　ن و نبلی خدودکم و العیونا
و تصیرون بعد ذلك رسما　　فاعلموا ذاك ان ذاك یقینا

ترجمہ: اے کوخوبرو لوگو! تم عنقریب مر جاؤ گے اور تمہارے رخسارے اور آنکھیں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ اس کے بعد تمہارا محض نشان رہ جائے گا۔ یہ بات جان لو کیونکہ یہ ایک امر یقینی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ اس شخص نے اسے اس کے وقت کے مطابق جواب دیا اور ماضی ضمیر کا اظہار کیا ہے اور کہنے والے کی بری مراد نے اسے غضب آلود نہیں کیا کیونکہ اس وقت اس پر حقائق کا غلبہ تھا اور وہ اپنے وجد سے بھرپور تھا۔

اسی سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے حضرت شبلیؒ سے اس آیت کے معنی دریافت کیے: وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۵۴[1]

ترجمہ: انہوں نے چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے۔

---

[1] (سورۃ آل عمران، پ۳، آیت نمبر۵۴)

سوال کرنے والے نے کہا ان کے مکر کی جگہ تو مجھے معلوم اللہ نے جو مکر ان سے کیا اس کی کونسی جگہ ہے۔ حضرت شبلیؒ نے جواب دیا اللہ تعالی کا انہیں اسی امر میں چھوڑے رکھنا جس میں وہ لگے ہوئے تھے اگر اللہ ان کی حالت بدلنا چاہتا تو ایسا کرسکتا تھا۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شبلیؒ اپنی فراست سے سمجھ گئے کہ اس جواب سے سائل کی تشفی نہیں ہوئی لہذا انہوں نے (فورا) کہا: کیا تو نے فلاں طبرانی عورت کو اس بارے میں یوں کہتے نہیں سنا:

و یقبح من سواك الفعل عندی　　　و تفعله فیحسن منك ذاکا

ترجمہ: ایک ہی کام اگر کوئی اور کرے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے مگر اگر تم وہی کام کرو تو اچھا لگتا ہے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ ذرا غور کریں کجا حضرت شبلیؒ کا اشارہ ارکجا اس عورت کی مراد یہ تمام امور اس مقولے کے اندر آجاتے ہیں الحکمة ضالة المومن (دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے) اور سوال کرنے والے ابوعبداللہ بن خفیفؒ ہیں جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے سماع اوران جگہوں پر جانا جہاں قرآن الحان کیساتھ پڑھا جاتا ہو اور جہاں قصائد پڑھے جاتے ہوں اور لوگ وجد و رقص میں آتے ہوں کو ناپسند کیا

بعض لوگ ان روایات کی بناء پر اسے مکروہ جانتے ہیں جو بعض متقدم اماموں، علماء اور

---

[1] (اللمع فی التصوف)

تابعین سے منقول ہیں لہذا ان بزرگوں کی اقتداء کرتے ہوئے ان لوگوں نے اسے ناپسند کیا ہے کیونکہ یہی لوگ احکام دین میں مقتداء سمجھے جاتے ہیں اور اپنے اپنے زمانے میں مسلمانوں میں ان ہی کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے سماع کو مریدوں، ارادتمندوں اور توبہ کرنے والوں کے لیے ناپسند کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ اس سے لذت محسوس کریں اور حظ نفس کے پیچھے لگ جائیں تو اس میں ان کے لیے عظیم خطرہ پایا جاتا ہے۔ اس سے ان کے عہد و پیمان ٹوٹ جائیں گے ارادے فسخ ہو جائیں گے، خواہشات کی طرف جھک جائیں گے، فتنے میں پڑ جائیں گے اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔

ایک اور گروہ نے بھی اسے ناپسند کیا ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں جو شخص ان رباعیات کو سننے کے درپے ہوتا اس کی صرف دو وجہیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جو لہو و لعب کرتے ہیں، ہنسی مذاق کرنے والے اور اہل فتنہ میں سے ہیں یا ان لوگوں میں سے ہیں جو احوال شریفہ تک پہنچ چکے اور پسندیدہ مقامات پا چکے ہیں اور ریاضت اور مجاہدہ سے انہوں نے اپنے نفسوں کو مار ڈالا اور دنیا کو پس پشت ڈال رکھا ہوتا ہے اور ہر بات میں یہ اللہ ہی کے ہو لیے ہوتے ہیں۔

لہذا (سماع کو باپسند کرنیوالے) کہتے ہیں کہ ہم نے اس دوسری قسم میں سے ہیں اور نہ پہلی قسم کے لوگوں میں سے لہذا ہمارا سماع میں مشغول بے معنی قرار پایا۔ اور ہمارے لیے اس کا ترک کرنا ہی زیادہ مناسب ہوا۔ اللہ کی تابعداری، فرائض کو ادا کرنا اور حرام کردہ امور سے اجتناب کرنا ہمیں اس طرف آنے ہی نہیں دیتا۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن علی وجیہیؒ کو سنا وہ فرماتے ہیں

کہ میں نے ابو علی رود باری کو یوں فرماتے سنا سماع کے سلسلے میں ہم ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار کی مانند ہے اگر ذرہ بھر بھی ادھر کو جھکے تو دوزخ میں گئے۔

حضرت ابونصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر خلدیؒ نے دوران تعلیم مجھے بتایا کہ انہوں نے کہا تمہارے مریدوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قصائد پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں (بات تو اسی طرح ہے)۔

انہوں نے پھر کہا وہ تو کہتے ہیں عاشق ہے جو عشق کہ وجہ سے ادھ مُوا رہا ہے۔

جو کیفیت عشق کہ وجہ سے میری ہو رہی ہے اگر اسے بیان کرنے لگوں تو میں بھی اشعار کہہ سکتا ہوں۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس اس قسم کے بہت سے اشعار تھے مگر وہ انہیں چھپا کر رکھتے تھے ان کا بھروسا اور اعتماد خوف پر تھا۔

ایک گروہ نے سماع کو اس لیے ناپسند کیا کہ عام لوگ سماع سے متعلق صوفیاء کے مقاصد سے ناواقف ہوتے ہیں اور گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ صحیح طور سے صوفیاء کے مقاصد کو سمجھ نہیں سکتے لہذا لغزش کھا جاتے ہیں اور پھسل جاتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں نے عوام پر مہربانی کرتے ہوئے اسے ناپسند کیا اور خواص کو بچانے کی غرض سے اسے مکروہ جانا اور وقت پر غیرت کھاتے ہوئے اسے اچھا نہ جانا کیونکہ: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

ایک اور گروہ نے اسے اس لیے ناپسند کیا کہ نہ تو اس (محفل کے) بھائی بندر ہے، نہ ہم جنس، نہ ساتھی اور نہ وہ لوگ جو سماع کو اہلیت رکھتے تھے۔ نیز اس لیے کہ انہیں غیر جنس کے لوگوں سے اختلاط کرنا پڑا، مخالفوں کا ہم نشین بننا پڑا اور دشمنوں سے میل جول رکھنا پڑا لہذا انہوں نے سلامتی چاہتے ہوئے اسے ترک کر دیا کیونکہ یہ لوگ اپنی حالت کی طرف توجہ دینا چاہتے ہیں اور

اہل زمانہ کو پہچانتے ہیں۔

ایک اور گروہ نے اسے اس لیے ناپسند کیا کہ نبی کریم ﷺ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: کسی انسان کے لیے اچھا مسلمان ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ ان امور کو ترک کر دیتا ہے جن سے اسے کوئی سرو کار نہیں ہوتا۔

لہذا یہ لوگ کہتے ہیں سماع سے ہمیں کوئی سرو کار نہیں اس لیے کہ یہ نہ تو اوامر میں سے ہے اور نہ ہی قبر کے لیے زادراہ بن سکتا ہے اور نہ ہی یہ ایسی چیز ہے جو آخرت میں نجات کا سبب بن سکے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسے ناپسند کیا۔

ایک اور گروہ جو اہل معرفت کا ہے کہتا ہے کہ انہوں نے اسے اس لیے ناپسند کیا کہ ان کے احوال مستقیم، اوقات معمور، اذکار صاف، اسرار پاک اور دل حاضر تھے اور ان کے ارادوں میں دل جمعی پائی جاتی تھی۔ ان کے دل پر جو خیال بھی گزرتا ہے اور جو پیش آنے والی بات ان کے افکار میں چلتی ہے انہیں اس کی خبر ہوتی ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے آئی ہے اور کہاں جا کر نکلے گی۔ ان ظاہری کانوں میں کسی ٹکرانے والی چیز کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے باطنی کان آنے والے خیالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مسلسل مناجات، لطیف اشاروں، مخفی عتابوں، ایک دوسرے سے خطاب اور دوسرے سے سوال جواب میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا ہمنشین انہیں اجنبی سمجھتا ہے اور ان کا انیس انہیں پہچان نہیں سکتا۔ القصہ یہ کہ اپنے باطن کے اعتبار سے یہ لوگ اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور یہ اللہ کی دین ہے جسے چاہے دے۔[1]

---

[1] (اللمع فی التصوف)

سماع، رقص اور وجد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک اصحاب وجد و حال، ارباب قلوب میں سے ہیں۔ ارباب تمکین کو وجد و حال اور رقص و سماع کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

سماع و وجد جماعہ را نافع است کہ بتَقَلُّبِ اَحوال مُتَّصِف اند و بہ تُبدلِ اوقات متسم وقتے حاضر اند و وقتے غائب گاہے واجد اند گاہے فاقد ایشا نند ارباب قلوب۔۔۔۔۔

کچھ آگے فرماتے ہیں:

فَهُمْ اَبْنَاءُ الْوَقْتِ وَمَغْلُوْبُوْهُ فَمَرَّةً يَعْرُجُوْنَ وَ اُخْرٰى يَهْبِطُوْنَ، ارباب تجلیات ذاتیہ کہ بتمام از مقام قلب برآمدہ بمقلب قلب پیوستہ اند و بہ کلیت از رقیت احوال بجول احوال محرر گشتہ اند محتاج بہ سماع و وجد نیستند چہ وقت ایشان دائمی است و حال شان سرمدی، لَا بَلْ لَا وَقْتَ لَهُمْ وَلَا حَالَ فَهُمْ اٰبَآءُ الْوَقْتِ وَ اَرْبَابُ التَّمْكِيْنِ وَهُمُ الْوَاصِلُوْنَ الَّذِيْنَ لَا رُجُوْعَ لَهُمْ اَصْلًا وَلَا فَقْدَ لَهُمْ قَطْعًا فَمَنْ لَّا فَقْدَ لَهٗ لَا وَجْدَ لَهٗ۔

ترجمہ: سماع اور وجد اس جماعت کے لیے مفید ہے جو تقلب احوال سے (جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں) متصف ہیں اور تبدیلی اوقات کے ساتھ داغدار ہیں جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ واجِد (اپنے مقصود کو پانے والے) ہوتے ہیں اور کبھی فاقِد (گم کرنے والے) یہ لوگ ارباب قلوب ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ابنُ الوقت (وقت کے بیٹے) ہیں اور وقت کے مغلوب ہیں کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی ہبوط (نیچے آ جاتے ہیں)

(لیکن ان کے برعکس) ارباب تجلیات ذاتیہ جو مقام قلب سے کلی طور پر باہر آ کر مقلب قلب (حق تعالی) کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور کلیۃً احوال کی غلامی سے نکل کر محول احوال (احوال کو تبدیل کرنے والے یعنی حق تعالی) کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ لوگ سماع و وجد کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کا حال سرمدی ہے، نہیں بلکہ ان کے لیے نہ وقت ہے اور نہ حال یہ لوگ ابوالوقت (وقت کے باپ) ہیں اور اصحابِ تمکین (اطمینان والے) ہیں اور یہ ایسے واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں اور نہ فقد ہے (ان سے ان کا مقصود گم نہیں ہو سکتا) لہذا جن کے لیے فقد نہیں ان کے لیے وجد بھی نہیں۔

حضرت امام ربانیؒ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ: آرام این بزرگواران بہ عبادات است و تسکین درادائے حقوقِ بندگی و طاعات۔۔۔۔ایشان را احتیاج بہ سماع و وجد نیست عباداتِ ایشان را کارِ سماع می کند و نورانیت اصل از عروج کفایت می بخشد جماعہ مقلدان از اہل سماع و وجد کہ برعظیم شان این بزرگواران واقف نیستند خود را از عشاق می گیرند و ایشان را از زہاد گویا عشق و محبت را منحصر در رقص و وجد میدانند۔

ترجمہ: ان بزرگواروں کا آرام وچین عبادت میں ہے اور ان کی تسکین بندگی وطاعات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے ان کو سماع و وجد کی کچھ حاجت نہیں ان کی عبادات ان کے لیے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے اہل سماع و وجد کے مقلدوں کا ایک گروہ جوان بزرگواروں کی عظیم شان سے واقف نہیں ہے وہ اپنے آپ کو عشاق میں سے سمجھتے ہیں اور ان کو زاہدوں میں سے جانتے ہیں گویا یہ لوگ عشق ومحبت کو رقص و وجد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ مبتدی را سماع و وجد مضر است و منافی عروج ہر چند بشرائط واقع شود۔۔۔ وجد او معلول است حال او وبال است حرکت او طبعی است تحرک او مشوب بہ ہوائے

نفسانی، وَ اَعُنِی بِالُمُبُتَدِیِ مَنُ لَّا یَکُوُنُ مِنُ اَرُبَابِ الُقُلُوُبِ وَ اَرُبَابُ الُقُلُوُبِ مُتَوَسِّطُوُنَ بَیُنَ الُمُبُتَدِیُنَ وَ الُمُنُتَھِیُنَ۔۔

ترجمہ: مبتدی کے لیے سماع و وجد مضر (نقصان دہ) ہے اور عروج کے منافی ہے اگرچہ شرائط کے موافق ہی کیوں نہ ہو اس (مبتدی) کو وجد علت کی وجہ سے ہے لہذا اس کا حال، وبال ہے اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کا تحرک ہوائے نفسانی سے مخلوط ہے اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو ارباب قلوب میں سے نہیں ہے اور ارباب قلوب وہ ہیں جو مبتدی اور منتہی کے درمیانی مقام (متوسطین) میں ہوتے ہیں۔ [1]

حقیقت نماز سے بے خبر

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جم غفیر ازین طائفہ تسکین اضطراب خودرا از سماع و نغمہ و وجد و تواجد جستند و مطلوب خودرا در پردہائے نغمہ مطالعہ نمودند لا جرم رقص درقاصی رادیرن خود گرفتند باآنکہ شنیدہ باشذ، مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِیُ الُحَرَامِ شِفَاءً بلے اَلُغَرِیُقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیُشٍ وَّ حُبُّ الشَّیُءِ یُعُمِیُ وَیُصِمُّ، اگرشمہ از حقیقت کمالات صلواتیہ برایشاں منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے دیا و وجد و تواجد نہ کروندے۔

چون ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

ترجمہ: اس طائفہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص و رقاصی کو اپنا مسلک بنالیا ہے حالانکہ انہوں نے سنا ہوگا کہ مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِیُ الُحَرَامِ شِفَاءً بلے اَلُغَرِیُقُ

---

[1] (البینات، شرح مکتوبات امام ربانیؒ)

یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَّ حُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ، (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع ونغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد وتواجد کو یاد نہ کرتے ہیں۔[1]

جب حقیقت نہ ملی ڈھونڈلی افسانے کی راہ

سماع کی حقیقت

سماع (سننا) جن کا سننا ہے اس کے بارے میں اہل ایمان بھی اختلاف نہیں کرتے، اس کے سننے والوں کے بارے میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ صاحب عقل اور ہدایت یافتہ ہیں یہ وہ سماع ہے کہ اسکی حرارت یقین کی برودت (ٹھنڈک) سے متاثر ہو کر آنکھوں سے اشکباری کا سبب بنتی ہے، کبھی یہ آنسو حزن وملال کے آنسو ہوتے ہیں کہ حزن وملال میں حرارت ہے۔ کبھی یہ ذوق و شوق کے آنسو ہوتے ہیں اور شوق بھی (مزاجًا) گرم ہے بس جب ان صفات سے متصف سماع اس صاحب دل پر اثر آفریں ہوتا ہے یقین کی برودت سے مملو اور پر ہے تو اس تصادم سے آنسو ٹپکتے اور بہنے لگتے ہیں (ظاہر ہے کہ حرارت اور برودت کے تصادم سے پانی ٹپکتا ہے) اور جب دل میں سماع کا نزول ہوتا ہے تو وہ نزول دو طرح کا ہوتا ہے، اگر وہ نزول خفیف ہے تو اسکا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی اس کا نزول عظیم ہوتا ہے اور اس کا اثر دماغ کے اوپر ہوتا ہے اس چیز کے مانند جو عقل کی مخبر ہوتی ہے اس حادث اور نئی چیز کے نزول کے اثر سے آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور کبھی اس کا اثر نزول روح پر ہوتا ہے اور اس سے روح میں ایسا تموج اور اہتزاز ہوتا ہے کہ جسمانی قالب کا دروازہ اس کے لیے تنگ ہو جاتا ہے

---

[1] (البینات، شرح مکتوبات امام ربانیؒ)

(اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح اس دائرہ تنگ سے نکل جائے گی) اور اس میں سمانا مشکل ہو جاتا ہے اس وقت چیخیں نکلنے لگتی ہیں اور ایک ہلچل برپا ہو جاتی ہے، یہ تمام احوال ارباب حال میں پائے جاتے ہیں، کبھی کبھار خواہش نفسانی کی شہ پر جھوٹے مدعی اس حالت کی نقل اتارتے ہیں۔

حضرت عمرؓ جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ آپؓ نے ایک آیت تلاوت فرمائی تو گریہ درگلو ہو جاتے (آنسوؤں سے ان کا گلا رندھ جاتا) اور اگر وہ کھڑے ہوتے تو گر پڑتے اور پھر یہ حالت ہو جاتی کہ ایک دن یا دو دن گھر سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ لوگ آپؓ کی عیادت کو تشریف لاتے اور یہ سمجھتے کہ آپؓ بیمار ہو گئے ہیں، پس سماع اللہ تعالیٰ سے جلب رحمۃ کا ذریعہ ہے۔

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابی کعبؓ نے حضور رسول مقبول ﷺ کے سامنے قرآت فرمائی۔ سن کر تمام حاضرین پر رقت طاری ہوگئی اس وقت سرور کائنات ﷺ نے اصحاب کرام سے فرمایا کہ رقت کے وقت دعا کو غنیمت جانو (جب اس طرح رقت طاری ہو تو دعا مانگا کرو)۔

حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بندے کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت اس سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح سوکھے درخت سے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندے کے جسم پر اللہ کے خوف سے رونگٹے (بال) کھڑے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔ اور یہ تمام امور ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔[1]

[1] (عوارف المعارف)

لحن کے ساتھ اشعار سننا

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ لحن کے ساتھ اشعار سننے میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں بکثرت اقوال ہیں اور احوال بھی مختلف ہیں، بعض لوگ جو اس کے منکر ہیں وہ اس کو فسق سے تعبیر کرتے ہیں اور جو لوگ اس کے حریص ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حق واضح ہے۔ لیکن یہ دونوں فریق افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ کسی شخص نے ابوالحسن بن سالمؒ سے دریافت کیا کہ آپ سماع کا انکار کس طرح کرتے ہیں جب کہ حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سری سقطیؒ اور حضرت ذوالنونؒ اسے سنا کرتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میں سماع کا انکار کس طرح کرسکتا ہوں جب کہ اسے اس شخص نے جائز رکھا ہے اور سنا ہے جو مجھ سے بہت بہتر ہے۔ حضرت جعفر طیارؓ بھی سماع سے شغل رکھتے تھے، سماع منکر وہی ہے جس میں لہو ولعب ہو اور یہی قول صحیح ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت دو کنیزیں آپ کے سامنے گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اس وقت ردائے مبارک اوڑھے ہوتے تھے، ان لونڈیوں کو گاتے اور دف بجاتے پا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو جھڑکا، اس وقت سرکار دو عالم ﷺ نے روئے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا اے ابوبکرؓ ان دونوں کو چھوڑ دو کہ یہ عید کے دن ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہرو ریدیؒ فرماتے ہیں کہ دف اور شبابہ (ربانہ ایک قسم کا ساز) کا جہاں تک تعلق ہے تو شافعی مذہب میں اسکی کافی گنجائش ہے، لیکن احتیاط ان سے پرہیز کرنا بہتر ہے، تاکہ اختلافی مسائل معرض بحث میں نہ آئیں، ہاں اگر جنت، دوزخ، آخرت کا شوق و ذوق اور خداوند قدوس کی حمد و ثنا، عبادتوں کا ذکر، خیرات کی ترغیب پر مشتمل اشعار پڑھے جائیں تو انکار کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے، اسی ذیل میں وہ قصائد اور نظمیں بھی شامل ہیں جو حاجیوں

اور مجاہدوں کے لیے لکھے جائیں جن میں جہاد اور حج کی خوبیاں بیان کی گئی ہوں، جن کا ایسا اثر مرتب ہو سکے جو جہاد کے عزم میں حرکت پیدا کرے اور حج کے شوق کو بڑھائے۔

آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ ایسے اشعار جن میں محبوب کے خدوخال، قدوقامت کا ذکر ہو یا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف ہو، جن محفلوں میں پڑھے جائیں ایسی محفلوں میں دیانتدار اور دیندار لوگوں کا گزر بھی نہیں ہونا چاہیے یا ایسی محفلیں قائم کرنا انکے شایان شان نہیں ہے۔ ہاں اگر اشعار ایسے ہوں جن میں جوانی اور وصل، اغراض اور آرزوؤں کا بیان ایسے رموز اور کنایات کے ساتھ ہو جنکو حق تعالی کی ذات پر محمول کرنا دشوار نہ ہو یا ان اشعار میں مریدوں کے احوال کی چگونگی، طالبین حقیقت پر آفات کا نزول، ایسے انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی انکو سنے تو اپنے کئے پر نادم ہو یا کسی ارادے اور عزم کی اس میں تجدید ہوتی ہو تو اس قسم کے سماع سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ کہا جاتا ہے کہ بعض ارباب وجد کی غذا صرف سماع ہے اور وہ لوگ سماع کے ذریعے مدارج قرب و وصال کو طے کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ ان میں ایسا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ فقر و فاقہ (بھوک) کی سوزش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک صاحب حال ایک شعر سنتا ہے اور اس کو حضور قلب میسر ہوتا ہے تو اس وقت اس کی کیفیت اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کی آتش شوق کا بھڑکا دیتی ہے۔ اسی طرح امر حق پر قائم رہنے کے لیے ان کی قوت ارادی میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں ایک نیا عزم پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے سماع کے اثر سے وہ ذکر حق میں مشغول ہو جاتے ہیں۔[1]

---

[1] (عوارف المعارف)

سماع اور حالت وجد کی شناخت

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض احباب کا بیان ہے کہ ہم اپنے دوستوں کے وجد کی حالت کا اندازہ تین چیزوں میں کرلیا کرتے تھے۔ اول وال کے وقت، دوم غصہ کے وقت، سوم سماع کے وقت۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اس گروہ (صوفیہ) پر تین موقعوں پر خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اول کھانے کے وقت کیونکہ وہ فاقہ کشی (کی صعوبت برداشت کرنے) کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ دوم جب باہم مل کر ذکر الٰہی کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس وقت احوال صدیقین اور احوال انبیاء میں کلام کرتے ہیں، سوم سماع کے وقت، اس لیے کہ وہ اس کو روحانی کیفیتوں کے ساتھ سنتے ہیں اور باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں۔

کسی نے حضرت ادہمؒ سے سماع کے وقت صوفیہ کے وجد کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ان باتوں سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو دوسروں سے پوشیدہ ہوتی ہیں اور جب وہ ان معانی سے سرور حاصل کرتے ہیں تو اس وقت وہ معانی ان کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلاتے ہیں اسی حال میں اچانک ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے اور وہ اس مسرت وفرح کے بجائے نالہ وبکا میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر اس وقت یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی کپڑے پھاڑتا ہے، کوئی روتا ہے اور کوئی چیختا ہے۔

حضرت ابوذرعہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مشائخ کے واسطوں سے محمد بن سلیمانؒ کا یہ قول سنا ہے کہ سماع کا سامع حجاب اور تجلی (مشاہدہ) کے بین بین ہوتا ہے، حجاب سے اس کے اندر سوز پیدا ہوتا ہے اور تجلی سے مزید نور پیدا ہوتا ہے۔ حجاب سے مریدیں کے حرکات پیدا ہوتے ہیں اور یہ ضعف و عجز کا محل و مقام ہے اور تجلی سے واصلین (حق) کو سکون حاصل ہوتا ہے اور یہ

مقام اور درجہ ان لوگوں کا ہے جن کو تمکین و استقامت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح یہ محل حضوری بھی ہے کہ اس مقام پر سوائے اس کے صاحب حال ہیبت کے مقامات کے باعث صدمہ پر صدمہ اٹھاتا ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے جد محترم سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ مستمع (صاحب سماع) کو چاہیے کہ وہ دل (کے کانوں) سے سنے اور نفس اس کا مردہ ہو (دل زندہ اور نفس مردہ ہو تب سنے) اس شخص کے لیے جس کا دل مردہ ہے اور نفس زندہ ہے سماع جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ [۱]

ترجمہ: وہ مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔

کی تفسیر یہ ہے اس اضافہ میں اچھی آواز بھی شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی خوش الحان شخص کی تلاوت قرآن کو اس شخص سے زیادہ متوجہ ہو کر سنتا ہے جو اپنی مطربہ کنیز کے گانے کو کان لگا کر سنتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا میں نے اس سے کہا کہ تو ہمارے دوستوں پر کس چیز سے غالب آتا ہے یا ان سے کوئی چیز حاصل کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان پر غالب آنا اور قابو پانا دشوار ہے اور ان سے کچھ حاصل کرنا بہت مشکل ہے سوائے دو موقعوں کے۔ میں نے کہا کہ وہ دو وقت یا دو موقعے کونسے ہیں؟ تو اس نے کہا ایک سماع کے وقت اور دوسرے دیکھتے وقت کہ میں اس وقت ان سے کچھ چرا لیتا ہوں اور اس سے

---

[۱] (سورۃ فاطر، پ۲۲، آیت نمبر۱)

میں ان پر قابو پا لیتا ہوں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے ایک شیخ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں یہ خواب دیکھتا تو اس سے کہتا اے احمق (شیطان) کیا تو ان لوگوں کے حقیقی سماع اور حقیقی نظر سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے یا کچھ حاصل کر سکتا ہے، یہ جواب سن کر میں نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ (حقیقی سماع اور حقیقی نظر شیطان کے غلبہ سے محفوظ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میرے پاس ایک کنیز تھی جو مجھے گانا سنا رہی تھی اسی اثنا میں سرور کائناتﷺ تشریف لائے وہ کنیز بدستور گاتی رہی، پھر حضرت عمرؓ آئے تو وہ کنیز ان کو دیکھ کر بھاگ گئی اس پر رسول خداﷺ نے تبسم فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ آپﷺ نے کس بات پر تبسم فرمایا۔ رسول اللہﷺ نے اپنی کنیز کے گانے کا واقعہ بتایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہﷺ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک وہ نہ سن لوں جو کچھ اللہ کے رسولﷺ نے سماعت فرمایا۔ یہ سن کر رسول اللہﷺ نے اس لونڈی کو حکم دیا اس نے وہی گانا سنایا۔ [1]

شعر کی حقیقت اور شعر خوانی

سرور کائناتﷺ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ شعر میں بھی بیشک حکمت ہے۔ (یعنی دانائی کی باتیں ہیں)۔

حضورﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس وقت کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے اور کچھ اشعار پڑھنے میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے عرض کیا کہ قرآن (بھی پڑھا جا رہا ہے) اور شعر (خوانی بھی ہو رہی ہے)۔ حضورﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کبھی یہ چیز (ہوتی ہے) اور کبھی وہ (چیز ہوتی ہے)۔

[1] (عوارف المعارف)

کسی صالح شخص نے حضرت ابوالعباس خضرؑ سے ملاقات کی اوران سے دریافت کیا کہ آپ کا سماع کے بارے میں کیا خیال ہے کہ ہم لوگوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ سماع ایک صاف وشفاف پانی ہے اس پر سوائے علماء کے اور کسی کے قدم نہیں ٹھہر سکتے۔ حضرت شاد النودیؒ کا ارشاد ہے کہ میں خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا پس میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اس سماع سے انکار فرماتے ہیں؟ حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا اے ابوعلی تم ان باتوں کو برداشت کرو کہ وہ تمہارے دوست اور اصحاب ہی تو ہیں۔ اس واقعہ کے بعد ہمیشہ شاد النوریؒ فخر یہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کنیت ابوعلی عطا فرمائی ہے۔[1]

سماع میں صورت انکار

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ انکار کی صورت یہ ہے کہ ان مریدوں کو جنہوں نے طریقت باطنی میں قدم رکھا ہے اور اس کی ابتداء کی ہے اور ان کے نفوس نے صدق مجاہدہ کی مشق بہم نہیں پہنچائی ہے جس کے باعث ان پر صفات نفس اور احوال قلب بخوبی ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو اس ابتدائے حال میں ان کی حرکات میں ضبط ونظم پیدا نہیں ہوتا اور حرکات کا یہ ضبط ونظم علم (طریقت) کے قانون ہی کے ذریعے سے ہوسکتا ہے، ان مریدوں کو اسی وقت (جب قانون علم کے ذریعہ کی ان حرکات میں انضباط پیدا ہوجائے) معلوم ہوسکتا ہے اور وہ اپنے مشاغل میں اچھائی برائی کو سمجھ سکتے ہیں۔ (پس ابتدائے حال میں مریدوں سے ایسی حرکات ظہور میں آجاتی ہیں جو سماع کے لیے انکار کی صورت پیدا کردیتی ہیں۔

---

[1] (عوارف المعارف)

حضرت ذوالنون مصریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب وہ بغداد تشریف لائے تو ان کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا تو ان لوگوں نے حضرت ذوالنونؒ سے اجازت طلب کی وہ قوال کچھ آپ کو سنائے آپ نے اجازت دی تو قوال نے کچھ اشعار پیش کیے جن کو سن کر ذوالنونؒ پر کیف طاری ہوگیا اور وہ جوش میں کھڑے ہو کر وجد کرنے لگے اور ان کی پیشانی پر خون بہنے لگا لیکن یہ زمین پر نہیں ٹپک رہا تھا، ذوالنونؒ کا یہ وجد دیکھ کر حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا تا کہ وہ بھی وجد کرے حضرت ذوالنونؒ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے شخص اس ذات سے ڈر اور اس کا خوف کر جو تجھے دیکھتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا اور وجد کے لیے کھڑے ہونے کے قابل اور اس کا اہل نہیں تھا۔ [1]

امرد قوال کے فتنے

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قوال یعنی ایسا نوجوان ہے جو بے ریش و برودت ہے، ایسا قوال نفس کے جاذب توجہ بن جاتا ہے اور لوگ اس سے محظوظ ہوتے ہیں اور باطن میں برے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اگر کہیں عورتیں بھی اس مجلس کے قریب ہوں اور ان کی توجہ اس طرف ہو تو ایسے موقع پر وہ لوگ جن کا باطن نفسانی خواہشات سے پر ہے رقص کی حرکات اور وجد کے ذریعے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ یہ قطعی طور پر فسق ہے، جس کی حرمت پر اجماع ہے یعنی بالا جماع حرام ہے، ان لوگوں سے جو اس قسم کی حرکات سے اپنا خمیر گندہ کرتے ہیں اہل مواخیر (بازاری لوگ) زیادہ بہتر ہیں کہ ان کا فسق و فجور سب پر عیاں ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں کھلم کھلا کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنی ان بدکاریوں کو ناواقفوں کے سامنے عبادت

---

[1] (عوارف المعارف)

ظاہر کرتے ہیں۔ یہ قبیح حرکات ایسی ہیں کہ کوئی دیانتدار شخص ان کو گوارا نہیں کر سکتا۔ انہی برائیوں کے باعث تو منکرین سماع کو انکار کا موقع ملا ہے اور اس صورت میں وہ معذور بھی ہیں۔ (واقعی ان کا انکار درست ہے)۔ کہ ایسی حرکات قابل نفرت ہیں سوائے تضیع اوقات اور کیا ہے؟ اگر کوئی منکر سماع کسی نو آموز سالک کے سامنے ایسی حرکتوں کو پیش کر کے انکار سماع کی دلیل بنائے تو ایسی مجلسوں اور صحبتوں سے وہ نو آموز مرید رک جاتا ہے اور پرہیز کرتا ہے تو ایسا انکار صحیح ہے۔[1]

صادقین کا رقص

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض صادقین (سچے درویش) وجد و حال کا اظہار کئے بغیر رقص کرنے لگتے ہیں اور اس میں ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بعض فقراء سے حرکات رقص میں موافقت کریں۔ پس وہ موزوں حرکات کے ساتھ رقص شروع کر دیتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ وجد و حال کا دعویدار ہو۔ لیکن ان کی یہ حرکات بھی لغو ہی شمار کی جاتی ہیں، اگرچہ شرعی نقطہ نظر سے یہ حرام نہیں ہے لیکن یہ روحانیت کی رو سے جائز نہیں ہیں کہ ان میں ایک گونہ لہو و لعب موجود ہے۔ البتہ ان حرکات کو مباح کاموں میں شمار کیا جا سکتا ہے جیسے اہل و عیال سے جنسی دل لگی ان کے ساتھ ملاعبت (کھیل کود) اور یہ تمام باتیں ترویح قلب (دل لگی) میں داخل ہیں اور ان میں سے بعض حسن نیت کے باعث عبادت بھی کہی جا سکتی ہیں بشرطیکہ نفس کی تکان دور کرنے کے لیے ہو جیسا کہ حضرت ابو الدرداؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں باطل شے سے اپنے نفس کی تکان کو دور کرتا ہوں تا کہ یہ میرے حق کے لیے مددگار ثابت ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آرام کی غرض سے بعض مخصوص اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ قرار دیا گیا

[1] (عوارف المعارف)

ہے تا کہ اللہ تعالی والے (کچھ دیر) آرام کرسکیں اور ترک عمل (عبادات) سے نفس کی بعض ضرویات پوری ہوں اوراس مہلت سے اس کو انبساط حاصل ہو۔

انسان اپنی خلقت میں مختلف اجزاء (اربعہ عناصر) سے مرکب ہے اور اپنی تخلیق کے اعتبار سے گونا گوں ہے۔ پس اس کے قوائے جسمانی محض حق پر صبر نہیں کر سکتے تو اس قسم کی تفریح مباح کاموں میں بھی مشغول رکھا جاتا ہے جن کی طرف اس کا رجحان ہوتا کہ امور حق کی ادائیگی کے لیے وہ مستعد ہوسکے۔ مباح شریعت میں باطل نہیں ہے اس لیے کہ مباح کی تعریف یہ ہے کہ اس کے اطراف برابر ہوں یعنی دونوں جانب اعتدال ہو (عمل اور عدم عمل برابر ہو) لیکن یہ احوال (طریقت) کی نسبت سے باطل ہے یعنی روحانی نقطہ نگاہ سے باطل ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا یہ قول صادق کی تعریف میں پڑھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا جہل اس کے علم کی افزونی کا موجب ہو اور اس کا ہر باطل اس کے حق کے ازدیار کا سبب اور اس کی دنیا اس کی آخرت کے اضافہ کا موجب ہو۔ اسی واسطے سرکار دو عالم ﷺ کو عورتیں مرغوب تھیں تا کہ یہ امر آپ ﷺ کے نفس شریعت کے خط اور اس کی طہارت وتقدیس کا سبب بن جائے، اسی لیے ان خطوط کے باعث ان (امہات المومنین) کے حقوق بھی آپ ﷺ کے لیے زیادہ ہو گئے تھے، اسی وجہ سے وہ مباح امور جو دوسروں کے لیے شرعا جائز تھے اور طریقت و حال میں جن کو پسند کیا گیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے حق میں از قسم عبادات تھے، جیسا کہ نکاح کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ ایک قسم کی عبادت ہے، اسی وجہ سے نکاح کو از روئے قیاس دین ودنیا کی مصلحتوں پر محمول کیا گیا ہے، فقہاء نے اس کی طویل شرح ترک نوافل نفلی کے سلسلہ میں کی ہے۔

اس اصول مذکورہ کے تحت رقص کرنے والا درویش جو روحانی وجد اور حال کا مدعی نہیں

ہے، وہ منکر کے انکار سے خارج ہے لہذا ایسا رقص نہ اس درویش کے لیے مفید ہے اور نہ اس کے لیے مضر ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حسن نیت کے باعث ایسا تفریح کام عبادت بن جاتا ہے خصوصا جب کہ فاعل کے نفس میں اس تفریح سے مقصود الطاف الٰہی پر نظر رکھنا ہو، یعنی تفریح امور میں الطاف الٰہی کی یاد کرے اور خیال کرے کہ ان امور میں بھی رحمت الٰہی اکے شامل حال ہے، لیکن ایسا رقص شیوخ (طریقت) کے شایان شان نہیں ہے اور نہ ان کی اقتداء کرنے والے حضرات کے لیے زیبا ہے کیونکہ اس میں بھی لہو ولعب کا ایک پہلو موجود ہے یا وہ لہو ولعب سے مشابہ ہے اور ظاہر ہے کہ لہو ولعب ان کے منصب بلند کے شایان نہیں ہے اور اس قسم کی بات صاحب تمکین کے حال کے خلاف ہے۔[1]

مطلق سماع کا انکار نہیں کرنا چاہیے

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کا مطلقا انکار ممنوع ہے کیونکہ بغیر کسی صراحت کے سماع کا انکار ان تین حال سے خالی نہیں ہوگا اول یہ کہ منکر سماع یا تو سنن واخبار سے واقف نہیں ہے یا وہ اپنے نیک کاموں پر مغرور ہے یا وہ ایسا مردہ دل اور بد ذوق ہے کہ اپنی مردہ دلی اور بد مذاقی کی وجہ سے اس کا انکار کر رہا ہے۔

اگر پہلی صورت ہے یعنی وہ آثار واخبار سے ناواقف ہے تو اس کو وہ حدیث مبارکہ پڑھنا چاہیے جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جس میں کنیزوں کا حضور اکرم ﷺ کے سامنے گانے کا ذکر ہے اور دیگر آثار واخبار جو اس سلسلہ میں موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو رقص کرنے کی اجازت دی تھی، جیسے مسجد نبوی ﷺ میں وہ حبشی لوگ جو آپ ﷺ کی آمد کے مخصوص

---

[1] (عوارف المعارف)

دن پر رقص کرتے تھے اور عائشہؓ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس رقص کا دیکھنا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے، تو یہ سن کر حضرت علیؓ خوب اچھلے اور کودے۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر طیارؓ سے جب فرمایا کہ تم مجھ سے خلق اور خُلق میں مشابہہ ہو تو وہ بھی کمال مسرت سے اچھلے اور خوب کودے۔ نیز آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولا ہو، تو وہ بھی خوشی سے چھلنے لگے۔

اسی طرح حضرت جعفرؓ حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے قضیہ میں اپنے حق میں فیصلہ ہونے پر خوشی سے اچھلے تھے اس قضیہ میں حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اور زیدؓ کا نزاع واقع ہوا تھا۔

دوسری صورت اور وجہ انکار یہ کہ منکر کو اپنے نیک کاموں پر فخر و غرور ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تسلیم ہے کہ تم اپنی عبادات کے باعث مقرب بارگاہ الہی ہو تو ذرا غور کرو کہ یہ رجہ تم کو اس لیے حاصل ہوا کہ تمہارے اعضا عبادت میں مشغول رہے اور اگر تمہارے دل کی یہ نیت نہ ہوتی تو تمہارے جوارح یعنی ہاتھ پاؤں کے اس عمل (وجد) کی بھی قدر نہ ہوتی اس لیے کہ تمام اعمال نیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ اسی نیک نیتی کی بناء پر تم اللہ تعالی کی طرف امید بیم سے دیکھتے ہو پس اسی طرح جب کوئی صوفی یا درویش شعر سنتا ہے تو وہ اس شعر کے مفہوم پر غور کر کے اپنے پروردگار کی طرف شادی یا غم، عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ دیکھتا ہے اسی تاثر سے اس کا دل خدا کے ذکر سے بے چین ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب درویش کسی پرندے کی آواز سنتا ہے اور وہ دل کش آواز اس کو پسند آتی ہے تو اس کو کس طرح آواز پر قابو دیا ہے اور کس طرح یہ اچھی آواز اس کے حلق سے نکل رہی ہے اور کانوں تک پہنچ رہی ہے پس اسی فکر میں خداوند قدوس کے تسبیح اور اس کے ذکر میں مصروف ہو جاتا

ہے اسی طرح جب وہ کسی (خوش گلو) شخص کی آواز سنتا ہے تو اس وقت اسی قسم کے تصورات اور خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اس وقت اس کا دل ذکر حق میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس صورت میں سماع کی خوبیوں سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔

ایک نیک اور صالح شخص کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا وہ سمندر کے کنارے جدہ کی مسجد میں معتکف تھے ایک روز میں نے اس مسجد کے ایک گوشہ میں لوگوں کو شعر خوانی میں مصروف پایا، ان کی یہ شعر خوانی مجھے بہت ناگوار معلوم ہوئی اور میں نے دل میں کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اللہ کے گھر میں شعر خوانی کر رہے ہیں اس روز رات میں رسول اکرم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اسی گوشہ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے پہلو میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی تشریف رکھتے ہیں اور وہ کچھ اشعار پڑھ رہے ہیں اور حضور ﷺ توجہ سے ان اشعار کو سن رہے تھے اور اپنا دست مبارک سینہ اقدس پر اس طرح رکھے ہوئے تھے جیسے کوئی وجد کی حالت میں ہو۔ یہ دیکھ کر میں نے اسی عالم میں اپنے دل میں کہا کہ مجھے ان لوگوں کو برا نہیں سمجھنا چاہیے تھا جو مرتبت سماعت فرما رہے ہوں۔ اسی عالم رویا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اشعار سماعت فرما کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ حق باحق یا حق از حق ہے۔[1]

سماع کس صورت میں منع ہے

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ہاں جس وقت یہ آواز امرد کی ہو کہ اس کو دیکھ کر فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہو یا کسی غیر محرم عورت کی آواز ہو اور اس کی آواز سے بھی ذکر و فکر کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہو تو اس صورت میں بھی اس اندیشہ کی وجہ سے کہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا

---

[1] (عوارف المعارف)

امکان ہے، ایسا سماع حرام ہے۔ اس حرمت میں آواز کا دخل نہیں ہے بلکہ فتنہ پیدا ہونے کے اندیشہ کی بناء پر حرام کہا جائے گا کہ ہر حرام یا ہر ایک حرمت کے لیے ایک حد معین ہے جہاں پر بر بنائے حکمت حرمت کا خط کھینچ دیا جاتا ہے، جس طرح نوجوان روزہ دار کے لیے روزہ کی حالت میں بوسہ لینا منع ہے کہ وہ حرام مباشرت کی چہار دیواری یا اس کے لیے حریم ہے۔ اسی طرح تنہائی میں نامحرم عورت سے ملنا بھی منع ہے۔ بالکل اسی طرح بعض خاص مصلحتوں کی بناء پر سماع سے بھی روکا جاتا ہے۔ یعنی جب کہ یہ یقین ہو کہ سامع پر سماع کا برا اثر مرتب ہوگا ایسی صورت میں اس کو سماع سے روک دینا گویا فعل حرام سے روک دینا ہے۔ [1]

امرد غلام کا سماع مکروہ ہے

حضرت شیخ شہاب الدین سہرودیؒ فرماتے ہیں کہ اگر سماع کسی امرد سے سنا جائے تو فتنہ پیدا ہونے کا امکان ہے اس لیے اہل حقیقت نے اس کو پسند نہیں کیا بلکہ مردہ سمجھا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یقبہ بن الولید کا قول ہے کہ اہل حق ایک امرد کی طرف دیکھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

شیخ عطاء فرماتے ہیں کہ جس دیدار کے نتیجے میں دل میں خواہش پیدا ہو وہ فلاح و خیر سے خالی ہے، ایک تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک پرہیز گار اور متقی نوجوان کے لیے ایک وحشی درندے سے بھی زیادہ خطرناک اس امرد کو سمجھتا ہوں جو اس کی صحبت میں رہتا ہے۔ [2]

سماع عوام

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الکنانیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کا سماع ان کی طبیعت کا اقتضاء ہے لیکن مریدوں کے سماع میں رغبت اور خدمت و رجا کا دخل

[1] (عوارف المعارف)، [2] (عوارف المعارف)

ہے، اولیاء اللہ کا سماع، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے انعامات کے پانے کے باعث ہے، عارف کامل کا سماع مشاہدہ حق پر مبنی ہے لیکن اہل حقیقت کا سماع کشف و مشاہدہ ہے۔ پس ان طبقات میں سے ہر ایک طبقہ کا ایک مخصوص مقام ہے، آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب یہ واردات ظہور میں آتی ہیں تو وہ کسی نہ کسی شکل میں متصادف ہوتی ہیں اور اسی کا روپ دھار لیتی ہیں جو موافق اور ہمنوا میسر آ جاتا ہے اس کے ساتھ ہو جاتی ہے، یہ اہل سماع کے روحانی تصورات اور ان کی باطنی کیفیات ہیں۔ گریہ وزاری کی کیفیات کا یہ اختلاف مختلف نوعیّتوں کا ہوتا ہے، یعنی خوف، شوق اور سرور۔ ان سب میں بلند اور اعلیٰ درجہ گریہ سرور کا ہے۔ [1]

گریہ ادراک

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ یہ گریہ وزاری کا آخری سب سے بلند درجہ ہے۔ جو نایاب ہے اور جس کا بیان بھی نادر اور اس کی شرح نادر تر ہے، اس کی تصریح و تشریح اس وجہ سے نادر ہے کہ عوام کے فہم اس کے ادراک سے قاصر ہیں، بالعموم اس کا ذکر انکار کے مقابلہ میں ہوتا ہے اسی وجہ سے استکبار کے ساتھ اس کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے، لیکن اس کو صرف وہ لوگ سمجھتے ہیں جو اس تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ گریہ ادراک یا گریہ وجدان گریہ سرور نشاط سے مختلف ہے یہ صرف حق الیقین کے درجہ پر ظاہر ہوتا ہے، اس گریہ وجدان یا ادراک کا موجب یہ ہوتا ہے کہ حادث اور قدیم میں اس تبائن و اختلاف کے باوصف جب تصادم ہوتا ہے تو عظمت الٰہی کی سطوت شعلہ زنی کرتی ہے اور اس سطوت اور رعب جلال کے باعث حادث سے آنسوؤں کا ترشح ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مختلف اجرام فلکی کے تصادم سے بادلوں سے قطروں کا ترشح اور

---

[1] (عوارف المعارف)

چکید گی شروع ہو جاتی ہے گریہ کی قسم بہت نادر الوجود ہے بہر حال اس سے فنا کا احساس بیدار ہوتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو فنا کر کے اور قیود ہستی سے آزاد ہو کر تجلیات الٰہی میں مستغرق ہو جاتا ہے، پھر اس مرتبہ سے ترقی کر کے مقام بقا پر پہنچ جاتا ہے اور پھر جب وہ عالم ہستی کی طرف لوٹ کر آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی گریہ وزاری بھی اپنی تمام شئون واقسام کے ساتھ واپس آ جاتی ہے پس اس وقت جیسی بھی صورت حال ہو اسی کے مطابق، خوف، شوق، سرور اور وجدان کی، کیفیات بھی رونما ہوتی ہیں۔

ان مختلف کیفیات میں بظاہر بہت یہ لطیف سا فرق ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ان کے مابین کافی فرق ہے جس کو ارباب تحقیق یعنی اصحاب حقیقت ہی معلوم ومحسوس کر سکتے ہیں، مختصراً یہ کہ سماع کی کوئی نہ کوئی کیفیت اس کے ساتھ عود کر آتی ہے۔ لیکن یہ سماع اس کے تابع ہوتا ہے اور صاحب سماع اس پر اس طرح غالب ہوتا ہے کہ جب چاہے اس کو اختیار کرے اور جب چاہے اس کو ترک کر دے، اس وقت سماع کی حالت میں اس کا نفس مطمئن اور منور ہو گا لیکن اس حال میں نفس اپنی طبعی حالت سے مختلف ضرور ہوتا ہے کیونکہ اس نے سکون وطمانیت حاصل کر لی ہے، جب یہ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت نفس سماع سے اس طرح لذت اندوز ہوتا ہے جس طرح وہ مباح اور جائز لذتوں سے لذت یاب ہوتا ہے۔ اس وقت اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ خواہ وہ سماع کی طرف متوجہ ہو یا اس میں اضافہ کرے، اس سے اثر قبول کر دے یا اثر کو رد کر دے اس وقت اس نفس کی حالت اس بچے کی طرح ہو جاتی ہے جو آغوش پدر میں ہے اور باپ اس کی کچھ خواہش پوری کر کے خاموش کروا سکتا ہے۔[1]

---

[1] (عوارف المعارف)

سماع مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک

مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر جب حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مشقت اور فاقہ کی حالت دیکھی تو ان کے دل بڑھانے کے لیے دعا کی۔ اے اللہ عیش تو آخرت ہی کا ہے۔ سو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دیجئے۔ صحابہ کریم رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب میں یہ کلام منظوم عرض کیا۔ ہم وہ ہیں کہ محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے۔ جب تک ہم زندہ رہیں گے۔

بعض اہل طریق کا یہ مذاق ہوا ہے کہ جب اسباب عارضہ سے طبیعت میں ملال یا فتور یا انقباض ہوا ہے۔ اس کے رفع کے لیے موافق شرائط اباحت کے قدرے سماع سن لیا ہے۔ تا کہ نشاط پیدا ہو کر طاعت مقصودہ سہل ہو جائے۔ پس مقصود طاعت ہوتی تھی۔ اور سماع اس مقصود کا معین۔ اس حدیث مبارکہ سے اس کا اثبات ہو رہا ہے کہ خندق کا کھودنا جو اس وقت طاعت تھی اور جوع و نصب مظنہ فتور کا تھا اس میں کلام منظوم سے نشاط و انسداد کسل کا کام لیا۔ تامل کرنے سے یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے۔ باقی سماع کو خود مقصود بنا لینا یا اس میں رعایت شرائط کی نہ کرنا تلعت بالدین ہے۔

ہر چند یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ لیکن اگر مانعین کے دلائل سے بالکل قطع نظر کر کے اس کو جائز سمجھا جائے تب بھی تو جواز کے بہت سے شرائط ہیں۔ نہ اخوان ہیں، نہ زمان نہ مکاں۔ صرف ایک رسم رہ گئی ہے۔ ہر قسم کے لوگ مختلف نفسانی اغراض سے جمع ہوتے ہیں۔ اور بزرگوں کے طریقے کی بدنامی ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے فرمایا اہل سماع اس گروہ کے لوگ ہیں کہ جب وہ سماع و تحیر میں مستغرق ہوتے ہیں تو ایسے بے خبر ہو جاتے ہیں کہ اگر ان کے سروں پر لاکھ تلوار

چلے تو انہیں زرہ برابر خبر نہ ہو۔

حضرت شبلیؒ نے شیطان سے پوچھا کہ اولیائے خدا پر تجھے کب قابو ملتا ہے۔ اس نے کہا کہ سماع کے وقت جب کہ وہ غیر حق کے لیے سماع سنتے ہیں۔ اوران کے دل یاد الٰہی سے غافل اور بیہوش ہو جاتے ہیں تو اس وقت مجھے خوب موقع ملتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سامنے سماع کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ جو شئ حرام ہے وہ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہوتی۔ اور جو شے حلال ہے کسی کے حکم سے حرام نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ فرید الدینؒ کو ایک دفعہ سماع کا شوق ہوا۔ قوال کوئی موجود نہ تھا آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق سے فرمایا کہ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کا مکتوب لاؤ۔ اور پڑھو۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندہ درویشاں ست داز سرد دیدہ خاک قدم ایشاں۔ شیخ نے اتنا سنا تھا کہ آپ پر ایک حال اور ذوق پیدا ہوا۔

یعنی ان حضرات کا سماع یہ تھا کہ نثر سے بھی وہی اثر لیتے تھے جو نظم سے لیتے تھے۔

حضرت علاء سنجریؒ نے فرمایا کہ شیخ سیف الدینؒ سماع سنتے تھے۔ فرمایا ہاں مگر اس طرح نہیں سنتے تھے کہ مجلس مرتب کریں اور برسم دعوت لوگوں کو بلائیں اور سماع سنیں بلکہ ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ حکایت وسخن فرماتے۔ جب کوئی وقت خوش دیکھتے تو فرماتے کہ کوئی ہے کچھ کہے اس وقت قوال آتا کچھ کہتا پس ان کا سماع اس طرح کا تھا۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ ایک ملفوظ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کا نقل کیا ہے کہ خوارزم اور چند شہر کے گرد اس کے ہیں۔ راگ اور باجوں کی شامت سے اور بعض گناہوں کی وجہ سے خراب اور ویران ہوں گے اور سب آپس میں لڑ مریں گے۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا اے درویش! اسے جو شنوائی دی ہے تو اسی لیے

دی ہے کہ خدا کا ذکر سنے۔ جہاں کلام اللہ پڑھا جاتا ہو وہاں کان لگائے کہ کیا فرمان الٰہی ہے۔ نہ اس لیے کہ ہر ایک کی برائی اور تمسخر اور راگ باجہ اور نوحہ کی آواز سنے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اس قسم کی آوازوں پر کان لگائے گا۔ قیامت کو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں بھرا جائیگا۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ میں نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس میں مزامیر اور محرمات نہ ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مشائخ کبار نے سماع سنا ہے۔ اہل اور صاحب ذوق لوگ جسے کچھ درد ہے وہ تو کہنے والے کے ایک ہی بیت کے سننے میں رقت لے آتا ہے۔ خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود کبھی کبھی سماع سنتے تھے۔ قوال بھی طالب علموں اور درویشوں میں سے ہوتے تھے جو ان کی خدمت میں رہ کر کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ برہان الدین غریبؒ کے مکان میں سماع کی مجلس منعقد تھی۔ اور مزامیر بھی موجود تھے۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مکان پر آ گئے۔ کسی نے کہا کہ آپ پیر کے طریقہ سے پھر گئے فرمایا کہ یہ کوئی دلیل نہیں۔ اس خبر کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لوگوں نے پہنچایا تو فرمانے لگے کہ انھوں نے بہت اچھا کیا اور حق ان کی جانب ہے۔

خیر المجالس میں لکھا ہے کہ ایک عزیز شیخ نصیر الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ کہاں جائز ہے یہ بات کہ مزامیر اور دف اور بانسری اور رباب یہ سب موجود ہوں اا ور صوفی رقص کریں۔ خواجہ نے فرمایا کہ مزامیر بالا جماع جائز نہیں، بالا جماع حرام ہے۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔ اگر صاحب وجد کا میل خاطر حقیقت کی طرف زیادہ ہو تب تو حلال ہے۔ اور اگر

مجاز کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے اور اگر بالکل حقیقت ہی کی طرف تب حلال ہے اور اگر بالکل مجاز ہی کا دھیان ہے تب حرام ہے۔ آپؒ نے مزید فرمایا کہ سماع کے واسطے تین باتیں درکار ہیں۔ زمان، مکان اخوان (الی قولہ)۔ جب مسمع، مستمع، مسموع، آلہ سماع ہوں تو سماع سنے۔ مسمع یعنی گانے والا پورا مرد ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع سننے والا یادِ حق میں مشغول ہو۔ مسموع یعنی گانا فحش اور کسی کی ہجو نہ ہو۔ آلہ سماع یعنی مزامیر وغیرہ نہ ہو۔ تب یہ سماع سننا مباح ہے۔[1]

---

[1] (شریعت وطریقت)

باب نمبر۵

(مراقبہ)

مراقبہ مرقوب سے مشتق ہے جس کے معنی محافظت اور نگہبانی کے ہیں۔ مراقبہ اکثر حالات میں اپنے خیال کو ایک خاص وقت تک پوری پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف یا روح کے جسم سے بے تعلق ہونے کی طرف یا اسی قسم کے اور خیال کی طرف اس طرح سے لگانا کہ عقل و وہم و خیال اور تمام حواس اس توجہ کے تابع ہو جائیں تاکہ وہ غیر محسوس جس کی طرف تم نے خیال لگایا ہے وہ تمہارے سامنے بمنزلہ محسوس کے ہو جائے اور اس کے غلبہ سے تمہارے منشا پر عمل ہونے لگے خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک مفہوم میں اس طرح ڈوب جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز دھیان میں نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ۔[1]

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔[2]

ترجمہ: اور ہر ایک کو چاہیے کہ دیکھ بھال کرے کہ وہ کل قیامت کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔

حضور سید المرسلین ﷺ کا فرمان ہے کہ: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

ترجمہ: احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت اس طرح سے کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا

---

[1] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر ۲۰۵)، [2] (سورۃ الحشر، پ۲۸، آیت نمبر ۱۸)

ہے پس اگر ایسا نہ کر سکے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے تو یوں خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اور بھی بہت سی آیات واحادیث مفہوم مراقبہ پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ عَنْ ابْنِ عَباسؓ قَالَ اَبُوْ بَكْرِرَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَبَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَّ الْوَاقِعَةُ ہ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ تو بوڑھے ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے سورۃ ہود اور سورۃ واقعہ نے بوڑھا کر دیا۔[۱]

سورۃ ھود میں پہلی امتوں کے غضب الٰہی کے عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے اور سورۃ واقعہ میں دوزخ اور جنت والوں کا تفصیلی ذکر ہے اس حدیث میں ان واقعات میں حضور اکرم ﷺ کا پورا پورا غور وفکر کرنے کا ذکر ہے اور یہی مراقبہ کا مفہوم ہے۔

مراقبہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا مختصر طریقہ ہے۔ مراقبہ یہ ہے کہ دل میں اسم ذات کا تصور ہمیشہ دوام کے ساتھ ہو کسی بھی حالت میں ذکر سے جدا نہ ہو جائے۔ جب مراقبہ میں کسی کو اپنے علم کی نفی کرنے کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو فنا کے ابتدائی مراحل حاصل ہو جاتے ہیں۔ مراقبہ باب مفاعلة کا مصدر ہے۔ یہ وصول الی اللہ یعنی خدا تک پہنچنے کا ایک مستقل طریقہ ہے۔ لہٰذا مرید کے لیے ضروری ہے کہ توجہ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا علم حاصل کرے۔ مراقبہ نفی واثبات سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اور جذبہ کے نزدیک تر ہے۔ ہمیشہ مراقبہ کرنے سے مرتبہ وزارت حاصل ہوتا ہے اور ملک وملکوت میں تصرف کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ وسواس کو دور کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ مرید کا باطن نور ہدایت کے ساتھ منور ہو جائے مراقبہ

[۱] (ترمذی)

سے دائمی اطمینان وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کو اصطلاح صوفیاء میں جمع وقبول کہتے ہیں۔

حضرت جنید قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد فرماتے ہیں کہ مرید کو مراقبہ کے دوران اللہ تعالی کی طرف اسی طرح متوجہ ہونا چاہیے جیسے بلی چوہے کے بل کی طرف گھات لگا کر بیٹھتی ہے۔ بلی چوہے کے بل کی طرف انتہائی توجہ کیساتھ بیٹھتی ہے حتی کہ اس کا ایک بال بھی حرکت نہیں کرتا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ایک راستہ سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک بلی چوہے کے بل کی طرف انتہائی توجہ کے ساتھ گھات لگائے بیٹھی تھی۔ حتی کہ اس کا ایک بال بھی حرکت نہیں کرتا تھا۔ اس سے میں بہت حیران ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ تم کتنے کم ہمت ہو کہ اپنے مقصود اللہ تعالی جل شانہٗ کو چوہے سے بھی کم تصور کرتے ہو اور طلب میں بلی سے بھی کم ہو اس کے بعد میں نے مراقبہ کو لازم پکڑا۔ اور ہمیشہ مراقبہ کرتا رہتا تو مجھے الحمد للہ بہت کچھ حاصل ہوا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ انصاریؒ نے آیت کریمہ: وَاذْ كُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ [1]

ترجمہ: اور اپنے رب کو یاد کرو جب تم بھول جاؤ۔

کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ اللہ تعالی کو اس وقت یاد کرو جب غیر خدا کو بھول جاؤ پھر اپنی ذات کو بھول جاؤ پھر ذکر حق میں خود کو بھول جاؤ کیونکہ ہر وہ ذکر جس میں سالک اپنی ذات کو بھول جائے اسی کیفیت کا نام فناء الفنا ہے۔ کسی نے کہا کہ فنا کی دولت سے مشرف ہونے والا اوصاف بشریہ سے دور ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص اس کو آسان کام نہ سمجھے کیونکہ ولایت کا ادنی درجہ طے کرنے میں پچاس ہزار سال لگتے ہیں لیکن یہ درجات ولی کامل ایک نظر میں طے کرا سکتا ہے۔

مراقبہ کرتے وقت زیادہ بہتر یہی ہے کہ باادب بیٹھ کر مراقبہ کریں اگر واقعی کوئی عذر

[1] (سورۃ الکھف، پ ۱۵، آیت نمبر ۲۴)

بیماری یا کسی خاص تکلیف کی وجہ سے بیٹھنا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر بھی مراقبہ کر سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے کہ: اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ [1]

ترجمہ: وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور لیٹ کر۔

اس آیت میں جنوبھم کا لفظ بتا رہا ہے کہ لیٹ کر بھی اللہ کو یاد کرنا جائز ہے۔

مراقبہ کی ماہیت وحقیقت

حق تعالی کی ذات وصفات، یا کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضا پر عمل ہونے لگے، تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور مواظبت کے ساتھ رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے۔ ان مراقبات سے تصور ناقص راسخ ہو جاتا ہے اور اسی رسوخ میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔

مراقبہ کے متعلق دو چیزیں اور ہیں۔ ایک مشارطہ کہ مراقبہ سے پہلے ہے۔ دوسری محاسبہ جو مراقبہ کے بعد ہے۔ مشارطہ یہ کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب فہمائش کرے کہ دیکھو فلاں فلاں کام کرنا۔ فلاں فلاں کام مت کرنا۔ اس کے بعد مراقبہ یعنی نگہداشت اس معاہدے کی رکھنا جب دن ختم ہو۔ پھر سوتے وقت محاسبہ کرے۔ یعنی صبح سے شام تک جو اعمال کیے ہیں ان کو تفصیلاً یاد کرے جو نیک کام کیے ہوں۔ ان پر شکر الہی بجالائے۔ جو برے کام کیے ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہوگئی ہو۔ اس پر نفس کو ملامت و زجر و توبیخ کرے اور اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو کچھ سزا بھی تجویز کر کے عملدرآمد کرے۔ [2]

اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ۔ [3]

---

[1] (سورۃ آل عمران، پ۴، آیت نمبر ۱۹۱) [2] (شریعت وطریقت از مولانا اشرف علی تھانوی)،

[3] (سورۃ الحشر، پ۲۸، آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ: چاہیے کہ دیکھ بھال لے ہر شخص کہ کل قیامت کے لیے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔

طریقہ مراقبہ نقشبندیہ

باوضو ہو کر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر خاموش ہو جائے اور مشائخ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اپنے باطن پر انوارات و فیوضات الٰہیہ کے نزول کا انتظار کرے یا پھر جس مراقبہ کی نیت کی ہو اس کے احوال و اسرار کے منکشف ہونے کا انتظار کرے اور دنیاوی خیالات کو دور کرنے کی کوشش کرے تاکہ یکسوئی حاصل ہو اور مکمل ظاہری اور باطنی توجہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی طرف ہو۔

مراقبات نقشبندیہ

پہلا مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف قلب)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ قلبی من بواسطہ پیرانِ کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ قلبی میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

دوسرا مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف روح)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ روحی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ روح میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

تیسرا مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف سر)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ سری من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ سری میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

چوتھا مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف خفی)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ خفی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ خفی میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

پانچواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف اخفی)

فیض می آئد از ذات بیچون بہ لطیفہ اخفی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ اخفی میں پیر کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

چھٹا مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف نفسی)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ نفسی میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آ رہا ہے۔

ساتواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف قالبی)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ قالبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطیفہ قالبی میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

آٹھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف خمسہ عالم امر)

فیض می آید از ذات بیچون بلطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطائف خمسہ عالم امر میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

نواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ وقوف خمسہ عالم خلق)

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطائف خمسہ عالم خلق من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے لطائف خمسہ عالم خلق میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

دسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ عالم خلق، نفس، آگ، ہوا، پانی، خاک)

فیض می آید از ذات بیچون بہ مجموعہ لطائف عالم امر و عالم خلق من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: میرے تمام لطائف عالم امر و خلق میں پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے اللہ تعالی کی ذات پاک کی طرف سے فیض آرہا ہے۔

گیارھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ احدیت)

فیض می آید از ذات بیچون کہ جامع جمیع صفات و کمالات است و منزہ از جمیع عیوب و نقصانات است و بی مثل است بلطیفہ قلبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے کہ اللہ تعالی کی ذات پاک کا کہ جامع ہے جمیع صفات و کمالات کی اور وہ مبرا و منزہ ہے تمام نقصانات و زوال اور عیوب سے اور بے مثل و بے مثال ہے۔ مسمی اسم مبارک اللہ ہے اوپر لطیفہ قلب میرے کے بوساطت پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے۔

مراقبہ احدیت کا تعلق ذات باری تعالی کے اسم مبارک اللہ سے ہے اس میں وقوف قلبی بھی ہوتا ہے یعنی ولی توجہ سے معنی کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کی پاک ذات کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ ذکر صحت الفاظ کے ساتھ کیا جائے اور دل کی ہر وقت خطرات سے حفاظت کی جائے۔ کثرت سے ذکر کیے بغیر دل کی کشادگی حاصل نہیں ہوتی، دل کی طرف توجہ رہے اور حق سبحانہٗ وتعالی کی جانب متوجہ ہر کر خطرات کا خیال رکھا جائے۔ ذکر صحت الفاظ اور لحاظ معنی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد بازگشت ہے کہ اے خداوند! میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا ہے۔

میں کچھ نہیں یعنی اپنی ذات کی نفی کرے۔ اور خداوند قدوس کی ذات پاک کا اثبات کرے تا کہ یہ حالت دائمی ہو جائے۔ خطرات ختم ہو جائیں۔ یا کم ہو جائیں تو اس حالت پر چار گھڑی ٹھہرا رہے کیونکہ خطرات ہی توجہ اور کیفیت کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

طریقہ اس کا یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے زبان تالو کو لگا کر دل کو خدائے تعالی کی طرف متوجہ کر کے صورت مرشد کو رو برو خیال کر کے زبان دل سے اللہ اللہ کا ذکر کرے۔ اور ایسا خیال کرے کہ وہ ذات جو بیچون و بیچگونہ بے شبہہ و بے نمونہ ہے اس ذات پاک سے فیض آتا ہے اوپر دل میرے کے۔ یعنی نیت کرے جو اوپر درج ہے یہ ذکر رات دن میں چوبیس ہزار بار کرے یا

جس قدر ہو سکے۔ حضور دل سے آہستگی سے کرے کہ ذکر کا اثر دل پر ہووے۔ ذکر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حال میں جاری رکھے۔ اس کا رنگ زرد ہے۔ اس مراقبہ میں دائرہ امکان کی سیر ہے۔

بارھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اصل قلب)

الٰہی قلب من بمقابل قلب نبی علیہ السلام آن فیض تجلی صفات فعلیہ خود کی از قلب نبی علیہ السلام بہ قلب آدم علیہ السلام رسانیدہ بہ قلب من نیز برسان بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ میرا قلب نبی کریم ﷺ کے قلب کے سامنے ہے وہ فیض تجلیات افعالیہ الٰہیہ اوپر دل مبارک حضرت محمد ﷺ کے آتا ہے۔ وہاں سے فیض آتا ہے اوپر دل مبارک حضرت آدم علیہ السلام کے وہاں سے فیض آتا ہے بواسطہ دل مبارک پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے بواسطہ دل مبارک پیر میرے کے اوپر دل میرے۔

قلب انسانی افعال الٰہیہ کا مظہر ہے اس لیے اس مقام میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ کے ورد کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ جب تک سالک پر کیفیات قلب ظاہر نہ ہوں اس وقت تک افعال الٰہیہ کے ظہور کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ افعال الٰہیہ یعنی کن فیکون کی تجلیات کے مظہر کامل تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ ظہور کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں جیسا کہ حدیث قدسی ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں تھے۔

اس مراقبہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے واسطہ سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔ لطیفہ قلب کی فنا تجلیات افعالیہ الٰہیہ میں ہوتی ہے اس لیے جب ان تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو سالک کی نظر سے تمام مخلوقات کے افعال مخفی ہو جاتے ہیں اور اسے خدائے لم یزل کی کارفرمائی کے علاوہ کچھ نظر

نہیں آتا۔ تجلیات افعالیہ الہیہ کا رنگ زرد ہے۔

اس لطیفہ کی قربیت و ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس ولی کو آدموی المشرب کہتے ہیں۔ اس مراقبہ میں دل کی صفائی اور نورانیت کے مطابق دائرہ امکان کی سیر نصیب ہوتی ہے جو کہ بالائے عرش ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَه‘ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه‘۔

ترجمہ: جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا۔

اس کا راز انسان کے عالم امر کے لطائف خمسہ ہے۔ جو سالک سلوک طے کرتا ہوا مراقبہ لطیفہ قلب پر پہنچتا ہے اور اپنے بے مثل و بے مثال اللہ کو جسم مادی پر غالب کر لیتا ہے۔ تو اس کو اس مراقبہ میں تجلیات افعالیہ الہیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

انسان کی طبعی فطرت کے خلاف جو افعال منجانب اللہ اس سے ظہور پزیر ہوں وہ افعال الہیہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہ السلام کے معجزات اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی کرامات وغیرہ۔

تیرھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اصل روح)

الٰہی روح من بمقابل روح نبی علیہ السلام آن فیض تجلی صفات ثمانیہ، ثبوتیہ، ذاتیہ، حقیقیہ خود کہ از روح نبی علیہ السلام بروح ابراہیم ونوح علیہا السلام رسانیدہ بروح من نیز برسان بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ میری روح نبی کریم ﷺ کی مبارک روح کے سامنے ہے۔ وہ فیض جو تجلی صفات ثمانیہ (حیات، علم، قدرت، سماعت بصارت، کلام ارادہ وغیرہ) ثبوتیہ ذاتیہ، حقیقیہ اوپر روح مبارک حضرت محمد ﷺ کے وہاں سے فیض آتا ہے ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ

السلام کی ارواح مبارک تک پہنچتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کو اور میرے مرشد سے میری ذات تک پہنچے۔

صفات ثبوتیہ الہیہ کی تجلیات کا مظہر روح انسان ہے اس لیے یہاں صفت العلم تفصیلی و اجمالی سے ان تجلیات کے وردد کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ تجلیات صفات ثبوتیہ الہیہ کے مظہر کامل بھی آنخضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے ان کے واسطے سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالی کی ذات پاک باوجود بے چون وبیچگوں ہونے کے صفات سبعہ یعنی حیات، علم، قدرت، سماعت، بصارت، کلام، ارادہ سے متصف اور ثابت ہے۔ حالانکہ نہ ہمارے جیسی ان کی آنکھیں ہیں اور نہ کان وغیرہ۔ اسی طرح سالک جب فیضان مراقبہ لطیفہ روح سے بہرہ ور ہوتا ہے تو اس کو بغیر آنکھ کان وغیرہ کے ان تمام صفات سے متصف کر دیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالی کے پہنچاننے کا بڑا ذریعہ ہے۔

جب تک سالک قلب کا فنا حاصل نہ کرے اس وقت تک اس پر مقام روح کھل نہیں سکتا۔ جب سالک مثالی کیفیات یعنی قلب کو فنا کر کے مقام روح حاصل کرتا ہے تو اس وقت صفات ثبوتیہ الہیہ کی تجلیات کا فیض حاصل کر سکتا ہے۔ صفات ثبوتیہ الہیہ کی تجلیات کا رنگ سرخ ہے۔ اس مقام میں سالک جمیع صفات کو اپنی ذات اور دیگر مخلوقات سے سلب شدہ اور حق سبحانہٗ تعالی کا ادراک ہوتا ہے۔ اسی کو مرتبہ فنافی الصفات کہتے ہیں اس لطیفہ کی قربیت وولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اس ولی کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

چودھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اصل سر)

الہی سر من بمقابل سر نبی علیہ السلام آن فیض تجلی شیونات ذاتیہ خود کہ از سر نبی علیہ السلام سر موسی علیہ السلام رسانیدہ بہ سر من نیز برساں بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ میرا لطیفہ سر نبی کریم ﷺ کے مبارک لطیفہ سر کے سامنے ہے وہ فیض جو تیری تجلیات شیونات ذاتیہ کا نبی کریم ﷺ کے مبارک لطیفہ سے موسی علیہ السلام کو پہنچتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کو اور میرے مرشد سے میری ذات تک پہنچا۔ (تجلیات شیونات ذاتیہ الہیہ کا مفہوم اللہ تعالی کی ذات پاک کی معلومات اجمالیہ مفصلی ہیں ان کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں)۔

لطیفہ سر انسانی شیونات الہیہ کا مظہر ہے جس کا تعلق صفت الکلام سے ہے۔ جو حضرت موسی علیہ السلام کا رب ہے اس لیے یہاں معلومات اجمالیہ الہیہ کی تجلیات کے ورود کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ یہاں سالک پر شان علم کی تجلی ظہور پزیر ہوتی ہے۔ معلومات اجمالیہ الہیہ کی تجلیات کے مظہر کامل بھی سرور کائنات ﷺ ہی ہیں۔ لیکن ظہور کے اعتبار سے حضرت موسی علیہ السلام اس کے مظہر ہیں اس لیے ان کے واسطہ سے فیض حاصل کیا جاتا ہے شیونات الہیہ کی تجلیات کا رنگ سفید ہے۔

جب سالک مراقبہ لطیفہ روح کی تمام کیفیات کا حامل ہو جاتا ہے تو اس کو لطیفہ سر کا مراقبہ کرایا جاتا ہے تاکہ سالک پر لطیفہ سر کا راز اس طرح منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالی نے اپنی شان علم کی تجلی جو حضرت موسی علیہ السلام پر فرمائی تھی۔ اور انہیں علم غیبی سے حصہ عطا فرمایا تھا۔ یہاں سالک کو بواسطہ حضرت موسی علیہ السلام شان علم سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔

جب سالک مقام روح میں کامل انس پیدا کر لے اس وقت تک مقام سر اس پر کشف نہیں ہوتا۔ جب وہ مقام روح سے کامل انہماک حاصل کر لیتا ہے تب تجلیات شیونات الہیہ یعنی اجمالی معلومات الہیہ سے فیض حاصل کر سکتا ہے۔ فنائے سر کے بعد سالک خود کو اور تمام ممکنات حق سبحانہٗ میں شامل پاتا ہے۔ اور اس کو ہر ذرہ میں شیونات الہیہ کا جلوہ نظر آتا ہے چونکہ اس لطیفہ کی

قربیت و ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس ولی کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔

بیج میں درخت جڑ شاخیں پھول پتے اور پھل وغیرہ سب کچھ اجمالی طور پر موجود رہتے ہیں۔ بعینہٖ حقیقت ممکنہ میں بھی تمام مخلوقات کا اجمالی صوری نقشہ موجود ہے اس لیے اس حالت کو شیونات یا اجمالی معلومات الٰہیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور درخت کے نشوونما پا کر بار آور ہونے کے بعد ہی تخم یعنی بیج کی حقیقت کھلتی ہے اسی طرح اجمالی معلومات الٰہیہ کے صوری نقشہ سے جب کائنات کا ظہور ہوا تو اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اس لیے اس حالت کو اعیان ثانیہ یا تفصیلی معلومات الٰہیہ کا نام دیا گیا ہے۔

پندرھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اصل خفی)

الٰہی خفی من بمقابل خفی نبی علیہ السلام آن فیض تجلی صفات سلبیہ خود کہ از خفی نبی علیہ السلام بہ خفی عیسیٰ علیہ السلام رسانیدہ ئی من نیز برساں بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ میرا لطیفہ خفی نبی کریم ﷺ کے خفی مبارک کے سامنے ہے وہ فیض جو تیری تجلیات صفات سلبیہ (لم یلد ولم یولد، لا جسم، لا جوہر وغیرہ) کا نبی کریم ﷺ کے خفی مبارک پر آتا ہے۔ اوپر خفی مبارک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فیض آتا ہے بواسطہ خفی مبارک پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اور میرے مرشد کے خفی مبارک سے میرے خفی پر پہنچا۔

صفات سلبیہ الٰہیہ کا تعلق صفت القدرت سے ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اس کے مظہر اتم تو حضور پرنور ﷺ ہی ہیں لیکن ظہور کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے مظہر ہیں اس لیے آپ کے واسطہ سے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔ جب تک سالک مقام سر سے بہرہ ور نہ ہو اس وقت تک مقام خفی میں نہیں جا سکتا۔ مقام سر سے کامل طور پر بہرہ ور ہونے کے

بعد ہی صفات سلبیہ الہیہ کی تجلیات سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ تجلیات سلبیہ الہیہ کا رنگ سیاہ ہے۔

جب سالک مراقبہ سر سے جو اس کا راز ہے۔ واقف ہوتا ہے تو اس کو مراقبہ لطیفہ خفی کا راز بھی مشاہدہ آ جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسی علیہ السلام کو ظہور عطا فرمایا۔ جس کو تجلیات صفات سلبیہ کہتے ہیں اسی طرح یہاں سالک کو اپنے وجود کے ظہور میں بھی وہی تجلی کشف ہوتا ہے۔ اس مراقبہ میں سالک کو جمیع عالم سے حق سبحانہٗ تعالی کی تجرید و تغرید مشہود ہوتی ہے۔ یہی وحدت شہود کی حقیقت ہے اسی کو فنا فی الفنا کہتے ہیں۔ اس لطیفہ کی قربیت و ولایت حضرت عیسی علیہ السلام کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس ولی کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

سولھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اصل اخفیٰ)

الہی اخفی من بمقابل اخفی نبی علیہ السلام آن فیض تجلی شان جامع خود کہ بہ اخفیٰ نبی علیہ السلام رسانیدہ بہ اخفی من نیز برساں بواسطہ پیر کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: یا اللہ تعالی میرا لطیفہ اخفی نبی کریم ﷺ کے اخفی مبارک کے سامنے ہے تجلیات شان جامع (ذات جامع جمیع صفات وکمالات) الہیہ سے فیض آتا ہے۔ اوپر اخفی مبارک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وہاں سے فیض آتا ہے بواسطہ اخفی مبارک پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اور میرے پیر کامل کے اخفی مبارک سے میرے لطیفہ اخفی پر۔

اخفی انسانی کا تعلق صفت العلم سے ہے جو آنحضرت ﷺ کا رب ہے اور وہ شان جامع جمیع صفات کمالیہ وکیانیہ الہیہ کا مظہر ہے اس لیے یہاں تجلیات شان جامع کے ورود کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ شان جامع الہیہ تجلیات کا رنگ سبز ہے۔ سالک کو لطیفہ خفی کے راز سے واقف

ہونے کے بعد لطیفہ اخفی کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

لطیفہ اخفی سے مراد شان جامع جمیع صفات کمالیہ و کیانیہ ہے اس صفت کے مظہر کامل آنحضور ﷺ ہیں اس لیے اس مراقبہ میں سالک آنحضور ﷺ کے واسطے سے ان جمیع صفات کے فیضان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ظہور بخشنا چاہا تو سب سے پہلی تخلیق نبی کریم ﷺ کے نور کی فرمائی۔

حدیث شریف میں اَوَّل مَا خَلَق اللّٰہ نُوْرِی کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اس مراقبہ میں بقا بعد از فنا حاصل ہوتی ہے۔ اور اس مقام میں سالک تخلقوا با خلاق اللّٰہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ یعنی سالک سے اخلاق ذمیمہ (برے خصائل) کا زائل ہونا اس لطیفہ کی فنا اور تخلقوا با خلاق اللّٰہ کا مصداق بننا اس لطیفہ کی بقا ہے اس لطیفہ کی اقربیت و ولایت حضور پرنور ﷺ کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس ولی کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔

سترھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ معیت)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ ہمراہ است با من و بہ ہمراہ جمیع ممکنات بلکہ ہر ذرہ از ذرات ممکنات بہ ہمراہ بے چوں بہ مفہوم ایں آیہ کریمہ وَ ھُوَا مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ بہ لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیر کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ۱؎

ترجمہ: فیض آتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات سے کہ وہ ذات ہر ذرہ ذرات کائنات کے ساتھ ہے اور ہر ذرہ میرے باطن کے ساتھ ہے جو اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے۔ وَ ھُوَا مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔ یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو، پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے

۱؎ (سورۃ الحدید، پ ۲۷، آیت نمبر ۴)

سے میرے مرشد کے دل پر اور وہاں سے میرے لطائف خمسہ عالم امر پر۔

سالک وَهُوَا مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ، کے خیال میں ایسا غرق ہو جائے کہ غیر کا خیال نہ رہے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اسی خیال میں رہے اور کم کھائے، کم بات کرے اور کم سوئے۔ جب سالک مراقبہ میں اس طرح سے چند روز باقاعدگی کرے تو محبت الٰہی زیادہ ہونے کے آثار اور دنیاوی محبت کم ہونے کے آثار ظاہر ہوں گے۔ یہی سالکین کا بڑا مقصد ہے۔ اس مراقبہ میں اللہ تعالیٰ کے ظلال اسماء وصفات کی تجلیات میں سیر ہوتی ہے۔

یہ وہ مقام ہے جس میں سالک درجہ فنا و بقا اور لَا شَیْءٌ اِلَّا اللّٰہ سے مشرف ہوتا ہے۔ اور اس کو ولایت حاصل ہوتی ہے۔ ولی وہ ہے جس نے نفس و شیطان و دنیا اور اپنی خواہشات سے منہ موڑ لیا ہو اور اپنے چہرہ اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا ہو۔ اور وہ دنیا و آخرت سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

خلق کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہمراہی اور ہمہ وقت موجودگی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ ہوا کا بگولا اٹھتا ہے اس میں خاک ہے تنکے ہیں لیکن اس بگولے کو قائم رکھنے والی ہوا ہے۔ جو بگولہ کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ہے۔ لیکن ہوا اپنی لطافت کے سبب ہمیں نظر نہیں آتی۔ اور صرف بگولہ اور تنکوں سے اس کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح روح جسم کے روئیں روئیں کے ساتھ ہے جسم کو قائم رکھنے والی روح ہے۔ لیکن روح انتہائی لطیف ہے اس لیے نظر سے پوشیدہ اور جسم ظاہر ہے۔

جب ہوا اور روح جو بگولا اور جسم کے ساتھ ہیں اپنی لطافت کے باعث نظر نہیں آتے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معیت جو کہ بے چوں اور بے چگوں ہے۔ کس طرح ہمارے ادراک میں آئے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں نہ صرف ہمارے بلکہ ہر ذرہ ممکنات کے

ساتھ اور سب کے قائم رکھنے والے ہیں کیونکہ قیوم مطلق اللہ ہی ہے۔

سالک کے ادراک میں اسرار توحید وجودی یعنی ہمہ اوست، ذوق وشوق، آہ و نالہ اور استغراق بے خودی، نسیان ماسوی اللہ، دوام حضور اور معیت بیچوں ذات حق سبحانہ‘ تعالی کا آنا اس مقام کی خصوصیات ہیں۔ اگر سالک کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے تو اسرار شریعت واحاطہ الہی اس کو نظر آتے ہیں ورنہ نہ وجدانی حالت سے حق سبحانہ‘ تعالی کی معیت کا ادراک ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلا جد و جہد و تکلف، غفلت دور ہو جائے اور سالک کیفیت احدیث میں غرق ہو جائے کہ اسے اپنی خودی و بیخودی کا خیال نہ رہے تو ایسے میں سالک پر توحید وجودی کے اسرار کا کشف ہوتا ہے۔ جس کا تعلق مادی جسم سے نہیں بلکہ روحانی کیفیت سے ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے سے ہمیشہ میرا قرب تلاش کرتا ہے تو میں اس کے مدارج قرب کو بڑھاتا جاتا ہوں یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست رکھنے لگتا ہوں۔ پس جب وہ اس کو دوست رکھنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور اگر وہ کسی چیز کی مجھ سے خواہش کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں۔ پس جو شخص عداوت رکھے میرے ولی سے تو وہ مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

سلوک نقشبندیہ میں عالم امر و عالم خلق کو دائرہ امکان سمجھا جاتا ہے۔ ذات باصفات وراء الوراء ہے۔ پانچ لطائف عالم امر کے اور پانچ عالم خلق کے ہیں۔ عالم امر بالائے عرش مجید ہے جو صرف لفظ کن سے وجود میں آیا۔ عالم خلق زیر عرش جو بتدریج چھ روز میں بنا ان دونوں کے مجموعہ کو

دائرہ امکان کہتے ہیں۔ عرش مجید عالم امر اور عالم خلق کے وسط میں ہے۔

پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین طریق نقشبندیہ نے دائرہ امکان کی اس طرح توضیح فرمائی ہے کہ اذکار الٰہی سے کل لطائف منور ہو جانے کے بعد ان سب لطائف کے انوار ایک ساتھ اکٹھے ہو کر ایک دائرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کو اصطلاح صوفیاء میں دائرہ امکان کہا جاتا ہے۔ اس دائرہ امکان میں سب سے پہلے عرش سے اوپر کی جانب ایک کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد قلب پر واردات ہوتے ہیں جو سالک کو فنا کر دیتے ہیں۔ یہی حال مبتدیوں کا ہے یہی واردات بہ تواتر آتے ہیں یہاں تک کہ تواتر سے تواصل ہو جاتا ہے۔

اس جگہ لطائف میں طرح طرح کے انوار نظر آتے ہیں فنائے مطلق حاصل نہیں ہوتی۔

اٹھارھواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اقربیت)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ اصل اسماء و صفات است کہ نزدیکتر است از من بمن واز رگ گردن من بمن بہ نزدیکی بلا کیف بمفہوم ایں آیہ کریمہ، وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ، بہ لطیفہ نفسی من باشراکت لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔[1]

ترجمہ: فیض آ رہا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات سے کہ اصل اسماء و صفات ہے کہ مجھ سے زیادہ نزدیک و قریب تر ہے میری نسبت اور وہ ذات پاک میری شہ رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے اور اس کا نزدیک ہونا بہت لطیف ہے اس آیت کریمہ کے مفہوم میں ہم اپنے بندہ کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں، اس ذات پاک سے فیض آتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم

---

[1] (سورۃ ق، پ ۲۶، آیت نمبر ۱۶)

اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پرمع دائرہ اول وہاں سے فیض آتا ہے میرے لطیفہ نفسی پرمع دائرہ اول مع لطائف خمسہ عالم امر۔

ولایت کبری درحقیقت انبیاء علیہ السلام کی ولایت ہے اور لطیفہ نفس ان کے فنا کا محل اور صحو ہوشیاری کا مقام ہے۔ اسی کو ولایت انبیاء علیہم السلام بھی کہتے ہیں۔ جو مقامات عشرہ یعنی توبہ، انابت، زہد، قناعت، ورع، توکل، تسلیم، رضا، صبر، شکر کے طے ہونے کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ سالک کو اس مرتبہ میں سیر وسلوک باتباع نبی کریم ﷺ بطور رفاقت وضمنیت حاصل ہوتی ہے۔ اسراء اقربیت وتوحید شہودی اسی دائرہ میں سالک کے شامل حال ہوتے ہیں۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع دائرہ اول ولطائف خمسہ عالم امر مورد فیض ہیں۔

اس مراقبہ میں سالک مقام خلت ابراہیمی سے مناسبت پیدا کر کے اسماء وصفات الٰہی سے فیض حاصل کرتا ہے۔ حضور ونگہداشت وجذبات وعروج ونزول وغیرہ لطیفہ قلب کے مانند اس مقام میں بھی حاصل ہوتے ہیں بلکہ تمام بدن کو بتدریج انجذاب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے کیفیات وحالات بہ نسبت قلب کے بے رنگ وبے مزہ ہیں لیکن نسبت لطیفہ نفس قوی ہو جانے کے بعد حالات و واردات لطیفہ قلب فراموش ہو جاتے ہیں۔ فنائے قلب میں دل سے خطرات دور ہو جاتے ہیں لیکن دماغ میں باقی رہتے ہیں جو فنائے نفس کے بعد دور ہو جاتے ہیں اور اسی دائرہ تک لطائف خمسہ عالم امر کا عروج ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی اصل میں جو درحقیقت اسماء وصفات وشیونات حق سبحانہٗ تعالیٰ ہیں۔ فنا وبقا حاصل کر لیتے ہیں۔

تزکیہ امارگی کے بعد نفس جس حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کو قرآن مجید میں نفس لوامہ سے تعبیر فرمایا گیا۔ یہاں سالک کو یہ نفس نصیب ہوتا ہے ایسے نفس والا دنیا میں کم مشغول ہوتا ہے۔ اس مراقبہ سے تاختم سلوک ذکر تہلیل لسانی معہ شرائط ترقی بخش ہوتا ہے۔ اگر سالک زبان خیال ہی

سے ذکر تہلیل (نفی اثبات) کرنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن اس حالت خلوص و برکات ذکر سے زبان محروم رہ جاتی ہے۔ اس لیے تھوڑا بہت ذکر زبان سے بھی ضروری ہے۔

انیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ محبت اول)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ اصل، اصل اسماء وصفات است کہ دوست میدارد مرا دمن دوست میدارم اورا بمفہوم اس آیت کریمہ، یُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهٗ [1]، خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آ رہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ اصل اصل اسماء وصفات ہے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں۔ اس آیت کریمہ کے مفہوم کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں، اس ذات پاک سے فیض آتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر مع دو دوائر وہاں سے فیض آتا ہے میرے لطیفہ نفسی پر مع دو دوائر مع لطائف خمسہ عالم امر۔

دائرہ ثانی جو دائرہ اولیٰ کا اصل ہے اس میں سالک مراقبہ محبت بمطابق مفہوم آیت شریفہ دوست رکھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کو اور وہ دوست رکھتے ہیں ہم کو اس طرح کرتا ہے کہ اس ذات پاک سے جو دائرہ ثانی ولایت کبریٰ کا منشاء ہے بواسطہ لطیفہ نفس مع دو دوائر و لطائف خمسہ عالم امر مورد فیض ہیں اور یہاں سالک کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے ایسے نفس والا انسان معاملات دنیاوی سے بے خبر رہتا ہے۔ اور ایسے ہی نفس والے کو قرآن مجید میں بشارت دی گئی ہے۔

کہ: يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، اس مراقبہ

---

[1] (سورۃ المائدہ، پ ٦، آیت نمبر ٥٤)

میں سالک مقام صحبت موسوی سے مناسبت پیدا کر کے شیونات الٰہیہ سے فیض حاصل کرتا ہے [1]

بیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ محبت دوم)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ اصل اصل اصل اسماء و صفات است کہ دوست میدارد مراو من دوست میدارم، اورا بمفہوم این آیت کریمہ، یُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ، خاص بلطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ [2]

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ اصل اصل اصل اسماء و صفات ہے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں اس آیت کریمہ کے مفہوم کے مصداق وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں اس ذات پاک سے فیض آتا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر مع تین دائرے مع لطائف خمسہ عالم امر۔

دائرہ ثالث جو اصل ہے دائرہ ثانی کا اس میں بھی سالک مراقبہ محبت بمفہوم آیت شریفہ، دوست رکھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کو اور وہ دوست رکھتا ہے ہم کو، اس طرح کرتا ہے کہ اس ذات پاک سے جو دائرہ ثالث کا منشاء ہے بواسطہ لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ حضرت پیر و مرشد فیض آتا ہے۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع سہ دوائر و لطائف خمسہ عالم امر فیض کا ذریعہ ہیں لطیفہ نفس دائرہ دوم کے مقابلہ میں یہاں نسبت حبیت زیادہ ہوتی ہے۔ جو بوجہ تکلم بذریعہ وحی حضرت محمد ﷺ سے متعلق ہونے کا باعث اس مقام میں سالک پر الہام ہوتا ہے۔ اور یہاں سالک کا نفس مطمئنہ سے ملہمہ بن جاتا ہے۔ اس درجہ میں جو قرب اور محبت نصیب ہوتی ہے اس کی بناء پر یہ نفس ذات اقدس تبارک و تعالیٰ سے ہمکلامی کی خواہش کرتا ہے اگر سالک کی خوش نصیبی سے کلام کا سلسلہ

---

[1] (سورۃ الفجر، پ ۳۰، آیت نمبر ۲۷ و ۲۸)، [2] (سورۃ المائدہ، پ ٦، آیت نمبر ۵۴)

شروع ہو جائے تو اس کو الہام کہتے ہیں۔ اور ایسے نفس کو نفس ملہمہ۔ الہام کی تین اقسام ہیں۔ یہ الہام نفس پر ہو تو ہاتف، قلب پر ہو تو القا، روح پر ہو تو بشارت کہلاتا ہے۔ یہ مرتبہ بہت کٹھن ہے۔ اور آنحضور سید المرسلین ﷺ کی کامل اتباع اور کثرت ذکر کے بغیر نصیب ہونا ناممکن ہے۔

اکیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ دائرہ قوسیت/ قوسی)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ اصل اصل اصل اسماء وصفات است داہرہ قوسی است کہ دوست میدارم اور بمفہوم ایں آیۃ کریمہ، یُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَه ٗ، خاص بلطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔[1]

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالی کی ذات پاک سے کہ اصل اصل اصل اسماء وصفات ہے اور دائرہ قوسی کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں اس آیت کریمہ کے مفہوم میں، وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں، خاص میرے لطیفہ نفسی پر پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے فیض آرہا ہے۔

قوس جو اصل یا بطون ہے دائرہ ثالث کا، اس میں بھی سالک مراقبہ محبت مفہوم آیت شریفہ، دوست رکھتے ہیں ہم اللہ تعالی کو اور وہ دوست رکھتا ہے ہم کو، کے مفہوم کے مصداق اس طرح کرتا ہے کہ اس ذات پاک سے جو قوس ولایت کبری کا منشاء ہے بواسطہ لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ قوس حضرت پیر و مرشد کو فیض آتا ہے۔ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین سے بواسطہ پیر و مرشد سالک کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس مراقبہ میں سالک کا لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ و قوس و لطائف خمسہ عالم امر فیض کا سبب ہیں۔

اس مراقبہ میں سالک کو تمام اور مکمل نسبت حبیت حاصل ہوتی ہے اور یہ تمام عالم ارواح

---

[1] (سورۃ المائدہ، پ۶، آیت نمبر ۵۴)

سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ عالم ارواح میں حضور پرنور سید المرسلین ﷺ کا اسم مبارک احمد ﷺ ہے اس لیے اس مراقبہ میں سالک مقام محبوبیت احمدی ﷺ سے مناسبت پیدا کر کے ذات باری تعالی سے فیض یاب ہوتا ہے۔

یہ تینوں دوائر جو ایک دوسرے کے اصول یا بطون ہیں۔ دو حقیقت حق سبحانہٗ تعالی کے ان اعتبارات سے تعلق رکھتے ہیں جو شیونات وصفات الہیہ کا مظہر ہیں یہ قوس نفس کا وہ مقام ہے جو نفس ملہمہ کے بعد حاصل ہوتا ہے جسے نفس رحمانیہ کہا گیا ہے۔ مراقبات ولایت کبری جو انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت ہے اس میں تہرے دائرے مراتب نفس لوامہ، مطمئنہ، ملہمہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ قوس سے یہ رمز ظاہر ہوتا ہے کہ قوس تحتانی سے مراد حضور سید المرسلین ﷺ کا نفس مبارک ہے۔ شب معراج میں جب آپ ﷺ کو کمال قرب ووصال باری تعالی نصیب ہوا تو قوس فوقانی کی تکمیل ہو کر دائرہ مکمل ہو گیا یہ مقام حضور پرنو ﷺ کے نفس مبارک ہی کا ہے جہاں آپ ﷺ کو بدرجہ کمال قرب ووصال خداوندی نصیب ہوا۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ہ[1]

ترجمہ: پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔

ولایت کبری کی سیر کے پورے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس وقت تک فیوض و برکات کے حصول کا جو احساس سالک کو دماغ سے ہوتا تھا۔ اب سینہ سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس مراقبہ میں شرح صدر، نصیب ہوتا ہے۔ اور قضا وقدر کے احکام بلا چون و چرا قابل قبول ہو جاتے ہیں اور سالک مقام رضا کی طرف تیزی سے عروج کرتا ہے۔

---

[1] (سورۃ النجم، پ ۲۷، آیت نمبر ۸ و ۹)

بائیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اسم ظاہر)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ مسمی باسم ظاہر است کَمَا قَالَ اللّٰہُ تبارکَ وتعَالٰی: وَهُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالباطِنُ وَ هُوَا بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم ہ خاص لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔[1]

ترجمہ: فیض آ رہا ہے اللہ تعالی کی ذات پاک سے کہ اسم ظاہر سے مسمی ہے اس آیت کریمہ کے مفہوم میں، وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے لطیفہ نفسی پر وہاں سے فیض آتا ہے میرے لطیفہ نفسی پر خاص۔

ولایت کبری کے مراقبات میں مزید قوت پیدا کرنے کے لیے اسم ظاہر کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ ولایت صغریٰ اور ولایت کبری کے تمام مراتب ظاہریت حق سبحانہٗ تعالی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب کے سب تجلیات اسم الظاہر کے مظاہر ہیں۔ اس مراقبہ کا تعلق بھی علم الہی سے ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے جب اپنے اجمالی علوم کا ظہور دینا چاہا تو اسم الظاہر کی تجلی فرمائی اس سے کائنات ظہور میں آئی، آثار وافعال الہیہ کے ظہور کا مقام دنیا ہے۔ ان آثار کی نفی کرنا اور ان سے مالک آثار حقیقی کا پتہ چلانا اس مراقبہ کا مقصود ہے۔

اس مقام میں سالک اسم الظاہر کے انوار سے منور ہو کر مظاہر الہیہ سے واقف ہوتا ہے اس مقام میں اسماء وصفات کی تجلیات کا اورود ہوتا ہے۔ اور اس مراقبہ میں لطیفہ نفس مع دوائر ثلاثہ و

---

[1] (سورۃ الحدید، پ۲۷، آیت نمبر۳)

قوس فیض کا ذریعہ ہیں۔ سالک کو اس مراقبہ کے ذریعے سیر آفاقی کے لیے ایک پر یا بازو حاصل ہوتا ہے۔ مختصراً مراقبات لطیفہ نفس کے بعد اسم الظاہر کا مراقبہ نسبت باطنی میں بری قوت اور وسعت کا موجب ہوتا ہے۔

تیئیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ اسم باطن)

فیض می آید از ذات بیچون کہ مسمّی بہ اسم الباطن است کہ منشاء ولایت علیا است کہ ولایت مَلَاءِ اَعْلٰی است بمفہوم ایں آیہ کریمہ: وَهُـوَا الْاَ وَّلُ وَالْا ٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالباطِنُ وَ هُوَا بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْم ہ بہ عناصر ثلاثہ من کہ آب، باد و نار، است بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔[۱]

ترجمہ: فیض آرہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ مسمّی ہے اسم باطن سے جو کہ ولایت علیا کا منشاء ہے کہ ولایت ملاء الاعلی ہے اس آیت کریمہ کے مفہوم میں، وہی ذات ہے اول و آخر اور ظاہر و باطن اور وہی ذات ہر چیز کو جاننے والی ہے، پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے مرشد کے عناصر ثلاثہ میں کہ پانی، ہوا اور آگ ہیں اور وہاں سے فیض آتا ہے میرے عناصر ثلاثہ میں۔

ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ اسم الظاہر کے سیر و سلوک میں تھے۔ اس کے بعد اسم الباطن میں ولایت علیاء کی سیر شروع ہوتی ہے۔ اس کا نام ولایت ملائکہ کرام علیہم السلام بھی ہے اس مقام میں عنصر خاک کے علاوہ عناصر ثلاچہ آگ، ہوا اور پانی پر فیض کا اورود ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ سیر اسم الظاہر تجلیات اسمائی وصفاتی تھے اور سیر اسم الباطن میں تجلیات اسماء وصفات کے

---

[۱] (سورۃ الحدید، پ ۲۷، آیت نمبر ۳)

ساتھ تجلی ذات بھی پردہ ہائے اسماء وصفات میں مخفی ہوتی ہے۔ ان ولایتوں، ولایت صغری، ولایت کبری اور ولایت علیا یا ولایت ملائکہ کی مثال ظاہر و باطن جیسی ہے۔ اگر ولایت صغری پوست ہے تو ولایت کبری مغز ہے۔

اگر ولایت کبری پوست ہے تو ولایت علیاء مغز ہے۔ اسی دائرہ میں عناصر ثلاثہ کی فنا و بقا ہوتی ہے۔ اس مقام میں سالک ایسی تجلیات میں سیر کرتا ہے جو اسماء وصفات و ذات سے ملی ہوئی ہیں۔

سالک کے عالم امر کے لطائف (قلب، روح، سر، خفی، اخفی) متقی ہو جائیں اور عالم خلق سے نفس کا تزکیہ ہو جائے اور عناصر ثلاثہ (آگ، ہوا، پانی) کے رزائل اوصاف حمیدہ میں تبدیل ہو کر منور ہو جائیں اور عنصر خاک کی پاکیزگی وصفائی ہو چکے کہ ہمہ وقت تمام اجزاء لطائف کے ہمراہ ہے تو اس وقت سالک کو دو پر سیر اور پرواز کے لیے عطا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک سیر اسم الظاہر کا ہے جو ولایت کبری کی انتہا ہے اور دوسرا سیر اسم الباطن کا ہے جو ولایت علیا منتہی ہے۔

سالک اس مقام میں تجلیات کی سیر کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں ذکر تہلیل و نوافل قیام وقرات کے طول سے ترقی پاتے ہیں۔ اور رخصت شرعی کا اختیار کرنا غیر مستحن ہوتا ہے۔ بلکہ عزیمت پر عمل کرنا اس مقام میں ترقی بخشتا ہے راز یہ ہے کہ رخصت پر عمل کرنا بشریت کی طرف کھینچتا ہے اور عزیمت پر عمل کرنا ملکیت کے ساتھ نسبت قائم کرتا ہے کیونکہ یہ ولایت ملائکہ کرام علیہم السلام کی ہے اس لیے یہاں ملکیت کے ساتھ جس قدر مناسبت ہو گی اتنا ہی جلد ترقی حاصل ہو گی۔

اس مقام میں سالک کا باطن اسم الباطن سے مسمی ومصداق ذات اقدس تبارک وتعالی

کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس ولایت سے سالک کے تمام بدن میں وسعت و فراخی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جسم پر لطیف احوال کا اورود ہوتا ہے۔ اخفا اور اسرار کے لائق رموز سالک کے ادراک میں آتے ہیں بلکہ ارباب کشف رویت ملائکہ کرام سے بھی مشرف ہوتے ہیں۔

الغرض مراقبہ اسم الباطن بھی عناصر ثلاثہ کے اعتبار سے علم الٰہی سے ہے اس مراقبہ کا مقصود عناصر ثلاثہ کی کیفیات میں انانیت و ریا جیسے رزائل کو دفع کرنا اور خالق عناصر کی طرف متوجہ رہ کر فیض حاصل کرنا ہے۔

چوبیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ کمالات نبوت)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ منشاء کمالات نبوت است بہ عنصر خاک من بواسطہ پیر کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آ رہا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کہ منشائے کمالات نبوت ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کے عنصر خاک پر اور وہاں سے میرے عنصر خاک پر۔

مرتبہ کمالات نبوت وہ دولت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہے کہ اس مقام کی ذرہ بھر سیر جمیع مقامات ولایت صغریٰ و کبریٰ و علیاء سے زیادہ بہتر اور اعلیٰ ہے۔ اس مقام عالیہ کی خصوصیات حضور بے جہت، یقین، تمکین اور تسکین ہیں۔ یہاں سابقہ کیفیات مثلاً ذوق وشوق و بیتابی و شدت طلب زائل ہو جاتے ہیں۔ آیت کریمہ، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ، کے مصداق اس مقام پر تمام علوم و معارف مفقود اور باطن کے تمام حالات بے شناخت ہو جاتے ہیں۔[1]

حقیقت ایمان و اتباع شریعت محمدی ﷺ کمال وسعت نسبت باطن، بے کیفی، حیرت

---

[1] (سورۃ الانعام، پ ۷، آیت نمبر ۱۰۳)

اور اپنی نسبت سے لاعلمی اس مقام کی خصوصیات ہیں یہاں وصول ہی وصول ہے حصول نہیں۔ اس مقام میں تجلیات ذاتی بے پردہ اسماء وصفات وغیرہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہاں اس خیال سے مراقبہ کرتے ہیں کہ اس ذات بحت (ذات بحت سے ذات حق تعالی کا تمام اسماء وصفات اور شیونات واعتبارات سے مبرا ومنزہ ہونا مراد ہے) سے جو کمالات نبوت کا منشاء ہے بواسطہ میرے حضرت پیر ومرشد میرے عنصر خاک پر مع عناصر ثلاثہ فیض آتا ہے۔ خاص طور پر یہ فیضان عنصر خاک ہی کو نصیب ہوا ہے۔ لطائف خمسہ عالم امر و دیگر عناصر اسی خاک کی بدولت اس سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس سے عنصر خاک کے مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں وہ جس قدر پست واقع ہوا ہے۔ اسی قدر اس کی قدر ومنزلت اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک ارفع و اعلی ہے۔ اور عنصر خاک کے سوا کسی لطیفہ عالم امر یا عنصر کو دائمی ذاتی تجلی مقدر نہ ہوئی۔

سالک جب ولایت علیاء کے فیضان وانوار سے مشرف ہو کر مرتبہ کمال پر پہنچتا ہے تو بفضل الہی اس پر کمالات نبوت کا مقام کھلتا ہے جو نہایت ارفع واعلی مقام ہے۔ اس مرتبہ کے ولی کو اعلی درجہ کے کمالات حاصل ہوتے ہیں جن کا پورے طور پر احاطہ وادراک کرنا ولایت صغری و کبری وعلیاء کے اولیاء اللہ کے لیے دشوار ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کی نسبت سے لاعلمی کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل سالک کی نسبت ولایات سے تھی جہاں اس کو اسماء وصفات وشیونات میں فنا و بقا کا مرتبہ حاصل تھا۔ اور مرتبہ کمالات نبوت سے بالکل بے بہرہ تھا سالک کی قوت ادراک ایسی نہ تھی کہ نسبت مرتبہ ذات بحث کو سمجھ سکے۔ اس لیے یہاں کی نسبت کا ادراک اس کے لیے دشوار ہے۔

کمالات نبوت کا مقام انبیاء علیھم السلام کے لیے مخصوص ہے اس مقام کے معارف انبیاء کرام علیھم السلام کی شریعتیں ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کو کمال اتباع کی برکت سے بطور وراثت نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام پر شیخ کامل واکمل کی توجہات اور طالب کی استعداد کے

مطابق جلوہ حق تجلی فرماتا ہے۔ جو معاملہ یہاں پیش آتا ہے وہ مشاہدہ ولایات کے مقابلہ میں رویت کے مانند ہوا کرتا ہے۔ (اگرچہ وہ رویت نہیں ہوتی اس لیے کہ وعدہ دیدار تو آخرت ہی سے متعلق ہے)

غرضیکہ اس مقام میں آنحضرت سید المرسلین ﷺ کی اتباع کے سبب اللہ تبارک وتعالی سے ایک خاص رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ جب اس مقام کی بلندی و بے رنگی کا پورا پورا کشف ہوتا ہے تو سالک کی حیرانی بڑھ جاتی ہے کہ اس سے پہلے بھی یہ مقام اس کی نظروں کے سامنے تھا اور اس قدر قریب ہونے کے باوجود اس کے نظر نہ آنے کی کیا وجہ تھی۔ کہ اپنے مقصود کی تلاش میں بھٹکتے رہے۔ اس مقام میں ترقی کے لیے قرآن مجید کی باادب باترتیل تلاوت اور قیام وقرات کی طویل ادائیگی اور مسنون اذکار انتہائی مفید اور ترقی بخش ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مراقبہ کمالات نبوت میں عنصر خاک پر فیض لیتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاص کی خاصیت انتہائی عجز و انکساری ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالی کے نزدیک تمام اعتبارات وتعینات انسانی سے بالاتر مقام حاصل کرتا ہے۔ ان خصائل کے حامل انبیاء کرام علیہم السلام ہیں بایں وجہ کمالات نبوت سے فیض حاصل کرایا جاتا ہے۔ تاکہ سالک میں بھی انہیں خصائل کا پرتو ظاہر ہو۔

پچیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ کمالات رسالت)

فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات رسالت است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آ رہا ہے دائرہ کمالات رسالت سے اس ذات سے جو منشائے کمالات رسالت ہے۔ اوپر ہیت وحدانی (ہیت وحدانی کے معنی عالم امر اور عالم خلق کا مجموعہ ہے جو تزکیہ و

تصفیہ کے بعد ہیت ہو جاتی ہے) میری کے پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے۔

سیر کمالات نبوت کے بعد اگر تائید الٰہی یاوری کرتی رہے تو سالک کو کمالات رسالت کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ یہ مقام کمالات نبوت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے۔ جس طرح نبوت اور رسالت میں فرق ہے اسی طرح کمالات نبوت اور رسالت کے مراتب/مقامات میں بھی فرق ہے۔ رسالت کا مرتبہ درگاہ خداوندی میں نبوت کے مقام سے ایک قدم آگے ہے۔ جیسے تمام انبیاء کرام علیھم السلام میں مرسلین کا درجہ بلند ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات کے مقابلہ میں کمالات رسالت ایک مقام خاص ہے اور اس کا فیضان بھی تمام مقامات سے زیادہ ہے اور انوار و برکات بھی نہایت لطیف اور مصفی اور منزہ ہیں اس مقام میں اس ذات سے جو کمالات رسالت کا منشاء ہے بواسطہ حضرت پیر و مرشد سالک کی ہیت وحدانی پر فیض آتا ہے۔ سالک کے لطائف خمسہ عالم امر قلب کی صفائی روح کی تجلی تخلیہ سرہ اور فنا و بقا خفی اخفی کے بعد ایک خاص صورت اختیار کر لیتے ہیں اس مقام مقدسہ سے سلوک کے مقام کے اختتام تک فیض ہوتا ہے۔

اس کو یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص معجون بنائے تو پہلے دواؤں کی صورت الگ الگ ہوتی ہے۔ مگر جب معجون تیار ہو جاتا ہے۔ تو اس کی لذت اور صورت و خواص اور ہی ہو جاتے ہیں اسی طرح سالک کے لطائف خمسہ عالم امر اور لطائف عالم خلق ایک دوسری شکل و صورت اختیار کر کے عروج حاصل کر لیتے ہیں۔ اس مقام میں تمام بدن کو عروج و نزول اور جزب نصیب ہوتا ہے۔ اس کا معاملہ صرف فضل الٰہی پر منحصر ہے وہ ذات جسے چاہے عطا کر دے اور جس پر یہ نوازش ہوتی ہے اس پر کمالات نبوت سے زیادہ انوارات کی بارش ہوتی ہے۔ یہ ایمان حقیقی کا مقام ہے۔ جو مثل خورشید خاور ہے۔ جو فلک نبوت پر طلوع ہوتا ہے۔ مقام کمالات رسالت میں ذوق و شوق کے

بجائے بے مزگی و بے آرامی اور حلاوت وصل کے بجائے ملال اور ناکامی سالک کے حصے میں آتی ہے۔ اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فکرمند اور غمگین نظر آتے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَائِمُ الْحُزْنِ وَ مُتَوَاصِلِ الْفِكْرِ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین اور فکرمند رہتے تھے۔

اس پر دلیل ہے جب سالک مراقبہ کمالات رسالت سے فیض حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو اپنے علم سے بہرہ ور فرما کر اپنا اور اپنے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا نائب بنا کر لوگوں کو ہدایت دینے والا اور اپنی عظمت سے واقف کرانے والا بناتے ہیں۔

چھبیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ کمالات انبیاء اولوالعزم علیہم السلام)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ منشاء کمالات انبیاء اولوالعزم است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ اللہ تعالی کی پاک ذات سے جو منشاء کمالات انبیاء اولوالعزم ہے دائرہ کمالات اولوالعزم علیہم السلام سے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کے ہیئت وحدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے۔ میری ہیئت وحدانی پر۔

مقام کمالات رسالت کی سیر ختم ہونے کے بعد اللہ تعالی کے فضل اور شیخ کامل و اکمل کی توجہ سے بلند نصیبوں کو کمالات انبیاء اولوالعزم علیہم السلام میں سیر کرائی جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو سالک پر کمالات رسالت کے انتہا میں کشف ہوتا ہے۔ اس مقام کے انوار و برکات و فیضان

کمالات رسالت سے بھی اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اور یہاں ذات بحت سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام کا واصل شدہ ولی ایک جماعت اولیاء کا سردار بن جاتا ہے اور طالبان حق اس کے حکم کی تعمیل کر کے فیض باطنی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ جس طرح تمام مخلوقات میں انبیاء کرام علیھم السلام سب سے بہتر مخلوق ہیں۔

اسی طرح کل انبیاء کرام میں مرسلین کا درجہ بلند ہے اور ان میں بھی اولوالعزم مرسلین علیہ السلام کے مقامات تو بیان سے باہر ہیں۔ اسی طرح اس مقام کے فیوض و برکات کا حال ہے۔ کمالات نبوت اور رسالت اور کمالات اولوالعزم علیھم السلام کی نسبت اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ کمال لطافت کے سبب یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی نسبت باطنی میں کوئی ترقی نہیں ہو رہی ہے۔ اس مرتبہ میں بھی بدرجہ اتم وصول ہی وصول ہے اس لیے سالک کی نظر وجدان میں نسبت باطنی نہیں آتی۔

اس مقام میں کشف اسرار مقطعات قرآنی اور متشابہات فرقانی کا ہوتا ہے۔

بعض اکابر حبیب خدا ﷺ کی اتباع کی وساطت سے اسرار محبّ اور محبوبوں کے اس جگہ پر حاصل کرتے ہیں۔ اسرار حروف مقطعات بشر کی طاقت نہیں کہ تحریر کر سکے۔ البتہ سالک کا سینہ اس کا محل اور مظہر ہوتا ہے۔ عوام الناس کی طاقت نہیں۔ اگر یہ اسرار بیان ہو سکتے تو امام الطریقت حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی بیان فرما دیتے اور کس کی مجال ہے۔

اس مقام عالیہ میں سالک کو اتباع سنت نبوی ﷺ کے سبب کمال وسعت نسبت باطنی اور بے کیفی و بے مزگی اور یاس وحرماں حصہ میں آتے ہیں۔ حالانکہ اس مقام میں سالک کا باطن کثرت تجلیات ذاتیہ وانوار لامتناہیہ کے ورود سے بھر جاتا ہے۔ اس مقام کی نسبت سابقہ جملہ مقامات کی نسبت سے بلند تر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام کی کمال لطافت

و بے رنگی اور بے کیفی کی وجہ سے ممکن ہے۔ سالک یہاں کی نزدیکی سے دوری پسند کرے۔

مراقبات کمالات نبوت ورسالت کے بعد یہ مراقبہ اس لیے کرایا جاتا ہے کہ سالک کی سابقہ کیفیات میں ترقی ہو اور وہ ایک ممتاز کیفیت کا حامل بن جائے۔

سلوک نقشبندیہ مجددیہ سے متعلق اولوالعزم مرسلین علیہ السلام میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسی علیہ السلام، حضرت عیسی علیہ السلام اور حضور سرور کائنات ﷺ ہیں۔ جن کے حالات سے کون واقف نہیں۔ اس مراقبہ میں سالک کو ان اولوالعزم مرسلین علیہم السلام کے شامل حال بارگاہ ایزدی کے لیے انتہا فضل و کرم سے بہرہ ور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی اس مراقبہ کا مقصود ہے۔ یہ امر شک سے بالاتر ہے کہ ہر منزل و مقام کی ترقی فضل الہی کے بغیر ناممکن ہے۔

لیکن اعمال خیر، اذکار و اشغال اسباب کی مانند اور کدورت بشری کے ازالہ میں مفید و موثر ہیں لیکن اس مرتبہ سے سلوک کے اختتام تک ترقی کا معاملہ صرف خدا کے فضل اور پیر و مرشد کامل و اکمل کی توجہات پر منحصر ہے۔ پھر بھی اذکار کے ساتھ تلاوت قرآن مجید و نماز بطول قیام و قرات ترقی کے لیے مددگار ہوتے ہیں۔ اور اس فیضان کا وصول مکمل طور پر شیخ کامل کی عنایات و توجہات پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ پیر کامل کی عنایات میں حق سبحانہٗ تعالی کے افضال و اکرام اور الطاف بھی شامل ہوتے ہیں۔

یک لحظ عنایت تو اے بندہ نواز **بہتر ز ہزار سالہ تسبیح و نماز**

یعنی اے بندہ نواز آپ کی ایک لمحہ کے لیے عنایت ہزار سالہ تسبیح و نماز سے بہتر ہے۔

ستائیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت کعبہ ربانی)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ سجود جمیع ممکنات است و منشاء حقیقت کعبہ ربانی است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے اس ذات سے جو جمیع ممکنات کی مسجود ہے اور حقیقت کعبہ ربانی کی منشاء ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیرومرشد کی ہیت وحدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

حقیقت کعبہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے ظہور کو کہتے ہیں۔ جو در حقیقت مسجود لہٗ، جمیع الممکنات ہے اس مقام میں سالک کو عظمت و کبریائی کی تجلی شہود ہوتی ہے۔ جس کا تعلق ذات مجردہ سے ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دریائے ہیبت وجلال خداوندی میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں حقائق الہیہ کی نسبت عالی سالک کے ادراک میں آ جاتی ہے۔ جو کمالات ثلاثہ (کمالات نبوت، رسالت، اولوالعزم علیہم السلام) کے مقابلہ میں لطیف تر اور بہت ہی بے رنگ ہے جب کمالات ثلاثہ میں سالک کو فنا و بقاء حاصل ہوتی ہے۔ اور ان مقامات کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا ہے۔ تو اس کا اخلاق حمیدہ ہو جاتا ہے اور سالک کے وجدان میں ایک قسم کی ایسی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ جس کے باعث مقامات فوقانی کا بھی اسے ادراک ہو جاتا ہے۔

مرتبہ کمالات اولوالعزم علیہم السلام کے بعد سالک کو حقیقت کعبہ کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ سالک کو جب فناء و بقا حاصل ہوتی ہے۔ تو ہو سمجھتا ہے کہ تمام مخلوق میری ہی عبادت کر رہی ہے۔ جیسے اگر کسی بادشاہ کے پاس کوئی خادم کھڑا ہوا اور جو بھی دربار شاہی میں آئے اور بادشاہ کو سلام کرے تو خادم کو ایسا معلوم ہوگا کہ سب آنے جانے والے اسی کو سلام کر رہے ہیں۔ اس مقام میں سالک کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ کہ تمام مخلوق اسی کی عبادت میں مشغول ہے۔ حالانکہ وہ

عبادت ذات تبارک وتعالی کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ سلام بادشاہ کے لیے ہوتا ہے۔ سالک کو اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ممکنات کی توجہ اپنی طرف نہ سمجھے ورنہ سخت گمراہی ہوگی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اسماء وصفات اور اعتبارات کو بھی باوجود کمال محرم راز ہونے کے اس شان سے متصف ہونے کا دخل نہیں۔

اس مقام میں سالک پر دائمی ذاتی تجلیات ہوتی ہیں۔ جس سے اسکی نسبت باطنی میں بے حد ترقی ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ کاملین کو حضور پر نور ﷺ کے طفیل اپنی عظمت و کبریائی سے روشناس کر کے بارگاہ قدس کا محرم بنایا جاتا ہے۔ جس کے باعث ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آتا ہے۔ جو انبیاء علیھم السلام کے ساتھ پیش آتا ہے۔ خانہ کعبہ جو بظاہر ہمارا قبلہ اور مسجود لہ ہے۔ یہ اسی حقیقت کعبہ کا صوری ظلی مظہر ہے ظاہر ہے کہ صورت کو حقیقت کے ساتھ اور ظل کو وصل کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے۔ لہذا جو چیز ہمارے لیے قبلہ حقیقی اور مسجود لہ ہے وہ کعبہ صوری نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت ہے جو ذات بے چون و بے چگون ہے اور اس مقام کعبہ سے مناسبت اور تعلق رکھتی ہے۔ اس مقام میں براہ راست ذات الہی سے فیض حاصل ہوتے ہیں لیکن اس بلند و بالا مقام کا حصول پیر و مرشد کی توجہ کے بغیر ناممکن ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

اٹھائیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت قرآن مجید)

فیض می آید از ذات بیچوں حضرت ذات کہ منشاء حقیقت قرآن است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے وسعت بیچون حضرت ذات حق تعالی سے کہ منشائے حقیقت قرآن مجید ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیت وحدانی پر وہاں

سے فیض آتا ہے۔ میری ہیت وحدانی پر۔

حقیقت قرآن مجید ذات تبارک وتعالی کے صفت العلم سے تعلق رکھتی ہے۔ جو ظہور عالم سے خدائے تعالی کو حاصل تھا۔ حقیقت کعبہ کی سیر ختم ہونے کے بعد سالک اس مقام مقدسہ کی سیر سے مشرف ہوتا ہے۔ حقیقت قرآن مجید سے مراد حضرت ذات کی بے چونی و بے کیفی کی وسعت وفراخی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اور حضرت ذات سبحانہٗ تعالی کی وسعت اسی مقام سے مشہود ہوتی ہے۔ یعنی وہ حالات وکیفیات ظاہر ہوتے ہیں جو وسعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کے مخفی راز اسی مقام سے آشکار ہوتے ہیں۔ کلام اللہ کا ہر حرف معرفت اور علم وفضل کا بحر بے کنار معلوم ہوتا ہے۔ جو کعبہ مقصود کا موصل ہے ہر حرف سے تجلی کی چمک عرش مجید تک پہنچتی ہے اور اس تجلی کے نور سے سالک کو عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالی اپنے بندوں سے کلام فرماتے ہیں اور سالک کو بھی شرف تکلم نصیب ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت سے اس مقام پر سالک کے لیے عجیب وغریب اسرار ورموز کا کشف ہوتا ہے۔ مختلف واقعات کی حقیقت اور اوامر ونواہی کے محل وقوع ظاہر ہوتے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالی کی قدرت وحکمت کے گوہر ہائے گرانمایہ آشکار ہوتے ہیں بنی نوانسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پند ونصائح اور قصص وحکایات انبیاء علیہم السلام اور احکام شریعت کے ارشادات کے معارف اور حقائق سالک پر منکشف ہوتے ہیں۔ بوقت تلاوت قرآن مجید سالک کی زبان شجرہ موسوی کا حکم رکھتی ہے۔ سالک کا تمام قالب زبان کے مثل ہو جاتا ہے۔

گویا زبان قاری سے حق سبحانہٗ تعالی کلام فرماتے ہیں اور یہاں قدرت کاملہ اور اسرار بالغہ ظہور میں آتے ہیں۔ اس مقام میں سالک کو اس درجہ بلندی نصیب ہوتی ہے کہ حقیقت قرآن کی نسبت سب پر غالب رہتی ہے۔ اور کمالات نبوت ورسالت اولوالعزم اور نسبت حقیقت کعبہ

سب نیچے رہ جاتے ہیں۔

قرآن مجید عالم بالا میں کہیں نور اور کہیں نور علی نور ہے۔ اس کی موجودہ صورت حالات عالم ناسوت کی ضرورت کے تحت ہے۔ انوار قرآن مجید کے انکشاف کی علامت یہ ہے کہ سالک کے باطن پر ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ اور اس پر احکام الٰہی کے اسرار و رموز اور امر و نواہی ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ مرتبہ علیاء حقیقت کعبہ ربانی کے بعد ہر مقام پر حقیقت قرآن کا بیان ہے۔ کعبہ معظّمہ بحکم قرآن مجید قبلہ آفاق ہو کر دولت مسجودیت سے مشرف ہوا ہے۔

انسان جس طرح علم الٰہی کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے اسی طرح قرآن مجید کے رموز و مطالب کے احاطہ کرنے سے معذور ہے۔ اس لیے اس مراقبہ میں سالک پر ان باطنی کیفیات کے وارد کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مرتبہ مقدسہ میں حروف مقطعات متشابہات قرآنی کے اسرار سالک پر کھلتے ہیں۔

اگر چہ یہ مرتبہ آنحضرت ﷺ کے لیے مختص ہے لیکن آپ ﷺ کی اتباع کامل کے باعث آپ ﷺ کے پس خوردہ میں سے سالک کو بھی کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ جو اس کی انتہائی خوش بختی کا موجب ہے۔

انتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت صلوۃ)

فیض می آید از کمالات وسعت بیچوں حضرتِ ذات کہ منشاء حقیقت صلوۃ است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے کمال وسعت بیچوں حضرت ذات سے کہ منشاء حقیقت صلوۃ ہے۔

پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیرومرشد کی ہیت وحدانی پر وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

نماز ایک رابطہ قدسی ہے جو عبد کو معبود سے ملاتا ہے۔ اور انوار ار بوبیت و معبودیت مطلق سے عبد واصل کو مالا مال کرتا ہے۔ معبودیت کے ساتھ عبدیت کا لطیف تعلق اور سر بستہ راز اور اس مرتبہ کی رفعت و بے مثالی اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ بارگاہ احدیت سے جناب نبی کریم ﷺ کو عبدہ کے خاص خطاب سے کیوں مخاطب فرمایا گیا تھا۔ اور سرور کونین ﷺ کی ہر ادا سے کس طرح کمال عبدیت کا ظہور ہوتا تھا۔ یہ عبدیت نماز کامل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔

مرتبہ حقیقت قرآن مجید کی سیر کے بعد اللہ کے فضل سے سالک مقام حقیقت صلوۃ میں سیر حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سالکوں کے سیر قدمی کی انتہا ہے۔ اس مقام میں سالک پر نماز کی حقیقت کھلتی ہے۔ اور انوار او برکات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے حق سبحانہٗ تعالی سے انتہائی قربت حاصل ہوتی ہے۔ جس میں اللہ اور بندہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔ اس مقام کی وسعت و بلندی احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اس لیے کہ حقیقت کعبہ ربانی اس مقام کا ایک جزو اور حقیقت قرآن مجید دوسرا جزو ہے۔

یہ نماز ہی ہے جو بندگان الہی کے لیے بطور تحفہ عالم قدس سے محبوب خدا ﷺ کے سفر معراج کی یادگار ہے۔ اور مقام قرب محمدی ﷺ و احمدی ﷺ سے بھیجی گئی ہے۔ اسی سے اس کی جامعیت اور مقبولیت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحفہ کس کا ہے۔ کس مقام سے آیا ہے۔ اور کون لایا ہے۔ امام الطریقت حضرت امام مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔ اور جزو ہے عبادات کا جس نے کل کا حکم پیدا کر لیا ہے۔ جامعیت کیوجہ سے اور یہ دیگر تمام اعمال

قرب سے برتر ہو گئی ہے۔ اسی لیے حضور پر نور ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن اور اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِیْ فِی الصَّلٰوۃ۔

آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع کرنے والوں کو اس دولت کا بہت زیادہ حصہ نماز میں نصیب ہو جاتا ہے۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا تو چہرہ مقصود کو بے نقاب کون کرتا۔ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ مومنوں کے حق میں معراج کا مقام نماز ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور معراج کی حقیقت رویت الٰہی ہے جس سے شب معراج میں آنحضرت ﷺ اس عالم سے اس عالم میں پہنچ کر مشرف ہوئے تھے۔

جس سالک نے اس حقیقت مقدسہ سے کچھ بھی سکون حاصل کیا ہے وہ نماز میں اپنے محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہے۔ درمیان میں کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔ اور نمازی اپنے محبوب معبود حقیقی کے دیدار کی خوشی میں والہانہ طور پر نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں جہاں سے بیگانہ ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا ہوا اللہ تبارک وتعالی کے حضور میں پہنچ جاتا ہے۔ اور بارگاہ جل جلالہ کی عظمت و کبریائی کے مدنظر خود کو ذلیل و ناچیز خیال کر کے محبوب حق پر قربان ہو جاتا ہے اور قرات کے دوران وجود موہوب سے جو عالم ناسوت کے لائق ہے موجود ہو کر حق تعالی سے متکلم اور مخاطب ہوتا ہے۔ اس وقت سالک کی زبان شجر موسوی بن جاتی ہے۔ جب رکوع میں غایت درجہ کا خشوع ہوتا ہے تو اور زیادہ قرب کے ساتھ ممتاز ہو جاتا ہے۔ تسبیح کہتے ہوئے ایک خاص کیفیت سے حظ اٹھاتا ہے۔ تو حمد و ثناء کرتا ہوا قومہ کرتا ہے اور دوبارہ اللہ تبارک و تعالی کے حضور میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہ قیام سے سجدہ میں جانا موجب کمال عجز وانکسار ہے۔ جبین عجز و نیاز روبروئے مالک حقیقی اور سر عبودیت مقصود حقیقی کے سامنے رکھ کر طالب وصل ہوتا ہے کہ ساری نماز کا خلاصہ سجدہ ہی ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالی کے دونوں قدموں میں سجدہ کرتا ہے۔ چونکہ قرب سجدہ سے خیال تھا کہ مطلوب حقیقی کا وصل میسر آیا۔ اس لیے اللہ اکبر کہتا ہوا جلسہ میں بیٹھ گیا۔ کہ اللہ تعالی اس سے برتر ہیں کہ میں ان کی کامل طور پر عبادت کرسکوں اور پوری طرح معبود حقیقی کا قرب حاصل کرسکوں۔ پھر دوبارہ سجدہ کرتا ہے تاکہ اور زیادہ قرب حاصل کروں۔ اس کے بعد تشہد بیٹھ کر اس نعمت قرب کے احسان واکرام پر جناب باری تعالی میں شکر بجالاتا ہے۔ کلمہ شہادت پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارا قرب توحید و رسالت کی تصدیق اور اقرار کے بغیر ناممکن ہے پھر درود شریف اس لیے پڑھتا ہے کہ یہ تمام نعمتیں آنحضرت ﷺ کے طفیل حاصل ہوئی ہیں۔ اور درود ابراہیمی اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ادائے نماز کے وقت محبوب حقیقی کے ساتھ خلوت میسر آتی ہے۔ ہم نشینی خاص خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے اس لیے اس مقام کی نسبت درود ابراہیمی علیہ السلام پڑھ کر حاصل کرتا ہے۔ نماز کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اہل دنیا کے اوزان کے ذرہ ذرہ کے برابر آخرت میں اجر وثواب سے نوازے جائیں گے۔ لیکن نماز کا اجر ان سے کہیں زیادہ ہوگا۔

تیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ معبودیت صرفہ)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ منشاء معبودیت صرفہ است بہ ہیت وحدنی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے حضرت ذات بیچوں سے کہ منشاء معبودیت صرفہ ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطہ سے میرے پیرومرشد کی ہیت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

حقیقت صلوۃ کی سیر کے بعد سالک کو معبودیت صرفہ کے عالی مقام میں سیر کرائی جاتی

ہے۔ یہاں راس خیال سے مراقبہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس ذات سے جو معبودیت صرفہ ہے بواسطہ حضرت پیرومرشد میرے ہیت وحدانی پر فیض آتا ہے۔ اس مقام میں روحانی نظری سیر ہوتی ہے۔ چنانچہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو قف یا محمد ﷺ کا حکم دیا گیا وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ سیر قدمی کی انتہا ہے۔ یہاں سر کلمہ لا معبود الا اللہ کا ظہور پاتا ہے۔ اگر غیر اللہ کی نفی ثابت ہو کر معبود حقیقی کے علاوہ کسی اور کا مستحق عبادت نہ ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معنی مبتدیوں کے لیے لا مقصود الا اللہ متوسلین کے لیے لا معبود الا اللہ اور منتہیوں کے لیے لا مشھود الا اللہ معلوم ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کا حق سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ کے اور کسی کو حاصل نہیں اگرچہ وہ اسماء وصفات الٰہیہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس مقام پر ہر قسم کے شرک کی جڑ ختم ہو جاتی ہے۔ معبودیت صرفہ میں سالک محسوس کرتا ہے۔ کہ اب تک اس پر جن تجلیات کا ظہور ہو چکا ہے یہاں معاملہ اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔

اس مقام مقدس میں ترقی وحدت بصر کا نام ہے۔ اور اس میں کثرت نوافل ترقی کا سبب ہے۔ یہ حقائق الٰہیہ کی سیر کا آخری مقام ہے اس مرتبہ عالیہ کا حصول پیرومرشد کی توجہ کے بغیر محال ہے۔

اکتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ محبّ صفات خود است کو منشاء حقیقت ابراہیمی است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے حضرت ذات بیچون سے کہ اپنی صفات سے محبت کرتی ہے اور حقیقت ابراہیمی کا منشاء ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میری ہیت وحدانی

پر فیض آ رہا ہے۔

یہ حقیقت ابراہیمی کا مقام ہے اس مقام کے بہت سے انوار و اسرار ہیں اس مقام عالی شان میں اللہ تعالی کی ذات سے خاص انس و قرب اس طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالی اپنی ذات کو دوست رکھتا ہے۔ ویسے ہی اپنی صفات و افعال کو بھی دوست رکھتا ہے۔ کمالات صفاتی اور محبوبیت اسمائی کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہے یہاں سالک حقیقت ابراہیمی اور مقام خلت کی سیر کرتا ہے۔ اسی انس و موانست کا ظہور حقیقت ابراہیمی میں ہوا۔ اس لیے آپ کو لقب خلیل اللہ رکھا گیا۔ یہ مقام نہایت عجیب و غریب اور کثیر البرکات ہے۔ اس مقام کی نسبت کمالات ثلاثہ سے بھی زیادہ بلند و بالاتر اور وسیع و لطیف ہے۔ جمیع انبیاء کرایم علیھم السلام اس مقام میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تابع ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو بھی اتباع ابراہیمی کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ اتَّبِعْ مِلَّتَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا سے ثابت ہے اور درود ابراہیمی اس پر شاہد ہے۔ درود ابراہیمی کی کثرت اس مقام میں ترقی بخش ہے۔

اس مقام کے سالک کو اللہ جل شانہٗ کے ساتھ ایسا انس پیدا ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف رخ نہیں کرتا اگرچہ وہ اسماء و صفات الٰہیہ ہی کیوں نہ ہوں۔ نہ ہی وہ غیر سے مدد طلب کرنا پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں ڈالا جا رہا تھا۔ آپ منجنیق سے چھوٹ چکے تھے۔ اور آگ میں گرنے کے قریب تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کیا ابراہیم علیہ السلام میری مدد کی ضرورت ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام تم خود آئے تو یا کسی کے حکم پر جواب ملا کہ میں خود آیا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالی سے عرض کروں آپ علیہ السلام

نے فرمایا: اللہ تعالی کو میرے اس حال کی خبر ہے۔ اس لیے اس کی بھی ضرورت نہیں تم میری راۃ سے ہٹ جاؤ ایسے نازک وقت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت قرب وانس کا پتہ چلتا ہے۔ بالاخر آپ آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد کا واقعہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ آتش نمرود نے گلزار ابراہیمی علیہ السلام کی شکل اختیار کر لی سالک کو اس مقام میں اسی نسبت ابراہیمی علیہ السلام سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس عالی مقام میں جو کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے مقامات میں کیفیت وخصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔

اگرچہ فضل جزوی ہوتا ہے۔ اور اس مقام میں محبوبیت صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے اور حقیقت محمدی ﷺ و احمدی ﷺ میں محبوبیت ذاتی ہے۔ محبوبیت صفاتی مثل خط و خال اور قد و عارض ہے اس لیے اس مقام میں زیادہ بے رنگی نہیں جبکہ ذاتی محبوبیت کا مقام بہت بلند ہے۔

بتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت موسوی علیہ السلام)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ محبّ ذات خود است ومنشاء حقیقت موسوی است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے۔ اس ذات پاک سے کہ محبّ ذات ہے اور منشاء حقیقت موسوی علیہ السلام ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیرومرشد کی ہیت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔ اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

اللہ تعالی کی شان صحبیت یعنی اپنی ذات سے محبت ودوستی جو حقیقت موسوی کے نام سے متصف ہے اس مقام میں بھی عجیب وغریب کیفیات سالک کے باطن پر وارد ہوتی ہیں۔ اور سالک کو اللہ تعالی کے ساتھ کمال درجہ محبت ہوتی ہے یہ اسی کمال محبت کا تقاضا تھا کہ جناب موسی علیہ السلام نے عرض کیا: رَبَّ اَنْظُرْ اِلَیْكَ۔

ترجمہ: اے میرے پروردگار تو مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھا تا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔

محبّ صادق سیدنا موسی علیہ السلام کو شوق دیدار الہی نے بے چین و بے قرار کر رکھا تھا۔ کہ کسی طرح اپنے محبوب حقیقی کا دیدار پردہ ذات مطلق کے بغیر ہونا چاہیے۔ اور ذات باری تعالی کا ارشاد ہوتا ہے: لَنْ تَرَانِی۔

ترجمہ: اے موسی تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

اس میں راز یہ تھا کہ ذات مطلق کا دیدار محبوب ذات مطلق سید المرسلین آنخضورﷺ کے لیے مختص ہو چکا تھا۔ اور ذات مطلق سے ہمکلام ہونا حضرت موسی علیہ السلام کا حصہ تھا۔ جس سے آپ علیہ السلام بہرہ ور تھے۔ عادت اللہ کے تحت اس میں تبدیلی ممکن نہ تھی۔ حضرت موسی علیہ السلام کی طرف سے مسلسل اصرار اور اظہار محبت کے جواب میں چالیس دن کوہ طور پر گزارنے کا حکم آیا۔ حضرت موسی علیہ السلام کی تعمیل کے بعد اللہ تبارک وتعالی نے انگوٹھے کے پورے برابر اپنی ذات کی تجلی کوہ طور پر فرمائی جس کے دیکھتے ہی حضرت موسی علیہ السلام جذب محبت الہی میں بے ہوش ہو گئے۔ اور کوہ طور تجلی کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ یہ حضرت موسی علیہ السلام کی حب ذات کا ثبوت ہے۔ ہر محبّ جاں نثار پر لازم ہے کہ سوائے محبوب حقیقی کے کسی اور کے ساتھ دلی تعلق نہ بڑھائے کہ کمال محبت کا یہی تقاضا ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام مقام محبّ ذات خاص پر فائز ہیں جس خوش نصیب کو چاہتے ہیں یہ مقام نعمت عظمے عطا فرما دیتے ہیں اس مقام میں سالک کامل رضا وتسلیم کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ بلکہ اسے مصائب و مشکلات میں بھی وہی لذت نصیب ہوتی ہے۔ جو آرام و آسائش میں ہوتی ہے۔

تینتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت محمدی ﷺ)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ محبّ ذات خود است و محبوب ذات خود است و منشاء حقیقت محمدی ﷺ است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے ذات پاک سے کہ محبّ و محبوب ذات خود ہے اور حقیقت محمدی ﷺ کا منشاء ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

جب سالک مقام حقیقت محمدی ﷺ میں فناء و بقاء بدرجہ اتم حاصل کر لیتا ہے تو حبیب خدا ﷺ کے ساتھ ایک خاص قسم کی رابطہ و تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اور سالک بطفیل سید عالم ﷺ کامل مشابہت کے مرتبہ پر پہنچتا ہے اور تابع و متبوع دونوں کے ایک ہی چشمہ سے سیراب ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اس مقام کے راز بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان حالات میں آنحضرت ﷺ سے ایک خاص محبت پیدا ہوتی ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول واضح ہو جاتا ہے کہ خدائے عزوجل کو میں اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کا خدا ہے۔ یہ قول حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ وفور جذبات محبت میں فرمایا ہے اور اس مقام کی خصوصیات دینی اور دنیاوی معاملات میں بلکہ جملہ حرکات و سکنات میں نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر شعبہ زندگی میں سید المرسلین حضور پرنور ﷺ کی مکمل و اکمل اتباع کیا کرتے تھے۔ اسی اتباع سنت نبوی ﷺ کی برکت اور فیضان تھا کہ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کی مجالس مبارک میں جب جنت و دوزخ اور دیگر غائبات کا ذکر ہوتا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہم ان غائبات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

سالک پر اس مرتبہ میں یہی کیفیات اور واردات ہوتی ہیں۔ یہ مقام آنحضرت ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ اور آپ ﷺ کی اتباع کامل کی بدولت عطا ہوتا ہے۔ اس مقام میں محبیت اور محبوبیت کا امتزاج ہے اس لیے سالک سے بھی آثار فریفتگی و محبت ظاہر ہوتے ہیں۔ محبّ و محبوب خود اللہ تبارک وتعالی کی ذات سے انس و محبت کو درجہ کمال پر پہنچانے کے لیے یہ مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ اس مراقبہ کی بدولت سالک محبّ و محبوب بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مقام جامع حقائق انبیاء اور جامع کتب آسمانی کے اسرار کا ہے اگر میں محمد ﷺ کے معنے اس جگہ بیان کروں تو ظاہر عالم والے جن کو اس حقیقت سے حصہ نہیں ملا کیا کہیں گے۔ اور بے علم صوفی مشرک ہو جائیں گے۔ اے دل یہ حال ہے قیل وقال نہیں اسے اندر ہی رکھ۔ اہل کو دے نااہل سے چھپا۔

اس مقام میں جس کو رسوخ ہو وہ بواسطہ اتباع پیغمبر آخر الزمان آنحضور ﷺ کے ہے ایسے لوگوں کی مجلس بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مجلس جیسی ہوتی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد حاضر رہتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم محفل مقدس رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوتے تھے تو اس وقت ہماری یہ حالت ہوتی تھی کہ گویا ہماری آنکھیں خدا تعالی کو دیکھ رہی ہیں۔

اس مقام کا یہ حال ہے کہ مقام بے مثل و بے مثال ہے اور کمال یہ ہے کہ اس مقام کے لیے بھی پیر و مرشد ہی کی نظر باطن صفا بیک جنبش نظر مقامات طے کرا سکتی ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ۔

چونتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حقیقت احمدی ﷺ)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ محبوب ذات خود است ومنشاء حقیقت احمدی ﷺ است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے اس ذات پاک سے کہ محبوب اپنا ہے اور منشائے حقیقت احمدی ﷺ کا ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ کے دو مبارک نام ہیں۔ محمد ﷺ اور احمد ﷺ ان دونوں اسماء مبارک کی صراحت قرآن پاک میں اس طرح موجود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مقام پر

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ ہ[1]

ان دونوں اسمائے مبارکہ کی شان جدا جدا ہے شان محمدی ﷺ کا تعلق اگر چہ محبوبیت ہی سے ہے لیکن اس میں محبیت کا امتزاج بھی ہے۔ محبوبیت خالص نہیں اور شان احمدی ﷺ اعلی و ارفع ہے شان محمدی ﷺ سے اور خالص محبوبیت کا مقام ہے۔ اس لیے محبّ کو مرغوب تر ہے۔ کہ مطلوب سے قریب تر ہے۔ محبوب محبوبیت میں جس قدر کامل ہوگا اسی قدر محبّ کی نظر میں زیادہ عزیز ہوگا۔

مزید برآں فرمایا کہ حقیقت احمدی ﷺ اور حقیقت کعبہ بعینہ ایک ہی ہیں۔ حقیقت کعبہ کا تعلق حقائق الہیہ سے ہے اور حقیقت احمدیہ ﷺ حقائق انبیاء علیھم السلام سے ہے۔ بزرگ اولیاء اللہ نے اس کی تصدیق یوں فرمائی ہے کہ جب سیر نظری اس مقام کی کھلی تو امام ربانی رحمۃ اللہ

[1] (سورۃ الصّف، پ ۲۸، آیت نمبر ۶)

تعالیٰ علیہ کا بیان عالی شان درست نظر آیا۔ کیونکہ ظہور حقیقت کعبہ میں جو کبریائی اور عظمت ہے یہی خاصہ محبوبیت کا ہے اور محبوبیت و مسجودیت دونوں آنحضرت ﷺ کے شایان شان ہیں۔

مقام خلت یعنی محبوبیت صفاتی کا تعلق ظاہری حسن و جمال سے ہے۔ حقیقت احمدی ﷺ میں محبوبیت ذاتی کا کشف ہوتا ہے۔ محبوبیت ذاتی سے مراد یہ ہے کہ محبوب کی ذات ہی کمال و شدت محبت کا سبب ہو۔ یہاں ذات محبوب میں وہ شان و ادا ظاہر ہوتی ہے جس پر محبوبیت صفاتی بھی قربان ہے۔ یہ ایک ذاتی کیفیت ہے اور ذوق کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔

فناء و بقاء دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو ولایت کے درجات طے کرتے ہوئے سالک کو حاصل ہوتی ہے۔ اس میں بشری صفات ختم نہیں ہوتی جبکہ حقیقت احمدی ﷺ میں سالک کو جو فناء و بقاء نصیب ہوتی ہے۔ اس میں صفات بشری معدوم اور جسم روح کی مماثلت پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام پر بھی بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ البتہ ذات پاک جل شانہٗ کے قریب تر ہو کر معیت ذاتی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ محبت ذاتی فناء کی علامت ہے اور فناء سے مراد غیر اللہ کا فراموش ہو جانا ہے۔

جب سالک مکمل فناء حاصل کر لیتا ہے تو وہ اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو اپنی محبوبیت کے جذب سے جسد مبارک کے ساتھ معراج کرایا اسی طرح ہر سالک کو اسی جذب سے اس کی حیثیت کے مطابق عروج عطا فرماتے ہیں۔

پینتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ حب صرف)

فیض می آید از ذات بیچوں کہ منشاء حب صرف است بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے اس پاک ذات کی طرف سے کہ منشاء حب صرفہ ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر و مرشد کی ہیت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے

میری ہیت وحدانی پر۔

یہ مقام ذات مطلق حق تعالی اور مقام لاتعین سے قریب تر ہے۔ یہاں سالک کو سیر میں بے حد بلندی و بے رنگی آشکار ہوتی ہے۔ ذات مطلق سے اولاً جو شان ظہور پزیر ہوئی وہ یہی شان حب صرفہ ہے جس کو نور محمدی ﷺ کہا جاتا ہے۔ جو محو ذات تھا اور یہی شان ظہور کائنات کا منشاء و مدعا اور تمام مخلوق کی تخلیق کا سبب بنی۔

حدیث قدسی ہے: اَنَا مِنۡ نُوۡرِ اللّٰہِ و کُلُّ شَیۡ ءٍ مِّنۡ نُوۡرِیۡ ہ

ترجمہ: میں اللہ تعالی کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے تخلیق کی گئی ہے۔

یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ یہی حب صرف حقیقت احمدی ﷺ کا باطن ہے۔

چنانچہ احادیث قدسی ہیں: لَوۡ لَا كَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَ فۡلَاكَ۔

ترجمہ: یعنی اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

نیز فرمایا: لَوۡ لَاكَ لَمَا اَظۡهَرۡتُ الرَّبُوۡبِيَّة۔

ترجمہ: اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

یہ مقام بھی جناب رسالت مآب ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔ آپ ﷺ کا نور محبت خالص ہے اور آپ ﷺ ہی مظہر رب العالمین، رحمۃ اللعالمین اور روف رحیم ہیں۔

حدیث قدسی ہے: مَنۡ رَاٰنِیۡ فَقَدۡ رَاَ الۡحَقُ۔

ترجمہ: یعنی جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے اللہ تعالی کو دیکھا۔

کا یہی شان نزول ہے۔ کائنات کے جملہ حقائق اور موجودات کو آپ ﷺ ہی کے نور سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ مرتبہ حب صرفہ، حقائق احمدی ﷺ و محمدی ﷺ ایک دوسرے کے راز ہائے مخفی اور انوار کے پرتو ہیں۔ اور اس کی جامع حقیقت مقدسہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یا یوں سمجھئے

کہ آنحضرت ﷺ جسم و روح کے ساتھ حقیقت محمدی ﷺ کے مظہر ہیں اور آپ ﷺ کی پاکیزہ روح حقیقت احمدی ﷺ کی مظہر ہے اور آپ ﷺ کا نور حب صرفہ کا مظہر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس مراقبہ میں خالص ذات پاک سے کسب فیض کیا جاتا ہے۔ یہ افعال وصفات الٰہی سے آگے کا مقام ہے۔ خالص ذات کی تجلیات کے نور سے سالک کو مکمل فنا کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس پر کائنات کے ظہور اور اسکی حقیقت کے اسرار ورموز کا کشف ہوتا ہے۔ یہ تمام مقامات کا خلاصہ ہے اور حقائق انبیاء کا آخری مقام ہے یہاں انوارات کا کشف ہوتا ہے۔ یہ انتہائی قرب خداوندی کا مقام ہے۔

چھتیسواں مراقبہ:۔ (نیت مراقبہ لاتعین)

فیض می آید از زات مطلق بیچوں کہ موجود است بہ وجود خارجی و منزہ است از جمیع تعینات بہ ہیت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: فیض آتا ہے اس ذات مطلق بیچون سے کہ وجود خارجی کے ساتھ موجود ہے اور جمیع تعینات سے پاک اور منزہ ہے پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے میرے پیر ومرشد کی ہیت وحدانی پر اور وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیت وحدانی پر۔

یہ وہ مقام ہے جو بے نام ونشان اور بے وہم وگمان ہے۔ اس مقام میں صرف ذات مطلق کی خاص تجلی جلوہ گر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ مقام ذات بحث ہی کے لیے مختص ہے اور امت محمدی ﷺ کے اولیائے کاملین کو اتباع نبوی ﷺ کے باعث یہاں سیر نظری نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ سیر قدمی روحانی کی ممانعت ہے اس لیے سیر نظری روحانی کی اجازت ہے۔ چونکہ ذات جل شانہٗ کی کوئی انتہا نہیں اور بیچاری نظر محدود ہونے کے سبب حیران وسرگرداں ہے۔ یہ مقام خاص حضور سید الکونین ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔

اس مقام میں اس طرح مراقبہ کرتے ہیں کہ اس ذات سے فیض آتا ہے۔ جو تعینات سے مبرا و منزہ ہے۔ پیر و مرشد کے واسطے سے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔ سالک کو اس مقام سے جو فیض حاصل ہوتا ہے۔ وہ فہم و فراست سے بالاتر ہے۔ جب سالک کے لطائف سبعہ کا تزکیہ ہو جائے اور اس کے جسم نے روح کی مماثلت اختیار کر لی ہو اور ایک وجود سے مشرف ہو گیا ہو تو جناب رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع اور حضرت پیر و مرشد کی توجہات بابرکات کے باعث ایک حد تک فیض لاتعین کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقام لاتعین وہ مقام محبت ہے جس میں اللہ تعالیٰ صرف اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ اس مقام کے اعتبار سے وہ: اِنَّ اللّٰـهَ لَـغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔

ترجمہ: یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہیں۔

یہی کبریائی اور استغنا کا منشاء و مدعا ہے۔ اس کمال بے نیازی سے تمام مقربین بارگاہ ذو الجلال میں ہمہ وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ سب درگاہ جلالت میں فضل و کرم کی امید پر سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ بلکہ محبوب خدا ﷺ بھی یہی فرماتے ہیں کہ میں آپ کا بندہ ہوں آپ کے بندہ اور بندی کا بیٹا ہوں اور میری جان آپ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس طرح ذات لاتعین سے کسب فیض کر کے سالک اپنے آپ کو ان انوارات و تجلیات کے پرتو کی وجہ سے کائنات عالم میں لاتعین محسوس کرتا ہے۔

باب نمبر ٦

(انشراح صدر)

انشراح صدر کا لفظی معنٰی سینہ کا کھولنا اور کشادہ کرنا ہے۔ یہ بہت ہی اہم موضوع ہے کیونکہ انسانی ہدایت اس سے وابستہ ہے۔ اس کی وضاحت قرآن حکیم اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں انشاء اللہ بیان کی جائے گی۔

شرح صدر کو حقیقی طور پر سمجھنے کے لیے ہدایت کا مطلب سمجھنا اشد ضروری ہے۔ ہدایت کے اصلی معنٰی لطف و مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے اور راستہ بتانے کے ہیں۔ خیر اور نیکی کے لیے بھی ہدایت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال خصوصی معارف و احوال کی عطا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی رب العزت کا فرمان ہے: اِھْدِنَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ [1]

ترجمہ: ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعا ہے نبی کریم ﷺ کی اور پھر تمام مسلمانوں کی۔ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ اور اہل بیت و صحابہ کرامؓ تو پہلے ہی سے آسمانی ہدایت پر تھے مگر پھر بھی اللہ تعالی سبحانہٗ نے استقامت و ثابت قدمی کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی کیونکہ اہلسنت کے مذہب کے مطابق اللہ تعالی کے الطاف و ہدایات کی کوئی انتہا اور حد نہیں ہے۔ [2]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ مولانا شیخ الاسلام امام فخر الدین رازیؒ فرماتے

---

[1] (سورۃ الفاتحۃ، پ۱، آیت نمبر ۵)، [2] (تفسیر مظہری)

ہیں کہ اس دعا میں اشارہ ہے کہ انسان خود صراط مستقیم یعنی ہدایت کے سیدھے راستے پر نہیں چل سکتا جب تک اس راہ پر چلنے والے سابقہ لوگوں کی اتباع نہ کرے۔ اس راہ پر چلنے کے لیے صرف کتابوں کی ورق گردانی کام نہیں دے سکتی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرید طالب کے لیے ہدایت کے مقامات اور مکاشفات تک پہنچنے کا اس کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں کہ کسی ولی کامل کی اقتداء کرے جو اس کی رہنمائی کرے گا اور اسے غلطیوں اور گمراہیوں سے بچائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس اکثر لوگوں پر غالب ہے۔ اور صرف عقل انسانی ادراک حقیقت کے لیے ناکافی ہے۔ حق و باطل میں کما حقہٗ تمیز کر لینا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں۔ لہذا ضروری ٹھہرا کہ شیخ کامل کی تلاش کرے اور اس کی اقتداء کرے تاکہ ناقص کی عقل کامل کے نور عقل سے کامل بن جائے اور ناقص سعادت کے مدارج اور کمال کے عروج تک پہنچ سکے۔ ؎۱

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ شیخ امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا راستہ ہے۔ ؎۲

اس آیت مبارکہ کی تفسیر سے ایک اہم نقطہ واضح ہوتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت کے لیے کامل اولیاء کی اتباع ضروری ہے۔ صرف کتابوں کا مطالعہ کرنے سے ہدایت یافتہ ہونا ممکن نہیں کیونکہ عام انسان نفس امارہ کی وجہ سے نور اخلاص سے مکمل طور پر محروم ہوتا ہے۔ اپنے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ رب العزت کے قرب اور معرفت کو پانے کے لیے مشکوۃ نبوت کے نور سے فیض یابی بے حد ضروری ہے تاکہ عام مسلمان نور اخلاص سے منور ہو کر باطنی طہارت حاصل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حرام ہے جس نے اپنے نفس کو کافر سے برا نہ جانا۔ دوسری اہم بات جو قرآن مجید میں روز روشن کی طرح

؎۱ (تفسیر کبیر)، ؎۲ (کلیات امدادیہ)

واضح ہے وہ یہ اعلان ہے کہ قرآن متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ اب قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کے لیے متقی اور پرہیز گار ہونا شرط ٹھہرا۔ ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ مسلمان اور متقی مومن کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ درجہ مسلمانی میں ہونے والے مسلمان ظاہری ہدایت یعنی تعلیمات قرآنیہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ نفس امارہ سرکشی اور بغاوت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اگر بالفرض نفس امارہ نے ظاہری اطاعت کر بھی لی تو وہ بندگی نفس کی پوشیدہ امراض ریا و تکبر کا شکار ہو کر حقیقت میں راکھ ڈھیر بن جاتی ہے۔ عام مسلمان قرآن کی باطنی ہدایت یعنی انوارات قرآنیہ سے محروم ہوتے ہیں کیونکہ عام مسلمان باطنی طور پر پاکیزہ نہ ہونے کی وجہ سے ان انوارات کا مھبط بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں حضرت شیخ المشائخ مظہر جانِ جاناں شہید کا فرمان ہے کہ نظر کشف سے قرآنی انوارات اور برکات الھیہ کا بحر ذخار جوش زن نظر آتا ہے۔ اولیاء کو انوارات قرآنیہ کا مشاہدہ عطا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے تمام اولیاء کاملین تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ابتدائی مراحل میں عارضی طور پر تلاوت کو موقوف کرتے ہیں تا کہ باطنی طہارت کے بعد تلاوت کروائی جائے تا کہ طالب کا باطن انوارات قرآنیہ کو جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکا ہو۔

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی اور حضرت مجدد الف ثانی فاروقیؒ اس بات پر متفق ہیں کہ نفس امارہ کی موجودگی علوم اور عبادات لذت نفس کے لیے ہوتی ہیں نہ کہ رب کے لیے۔

مسلمان اور مومن متقی کا فرق قرآن مجید کے اندر بیان ہوا جب کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم مومن ہو گئے تو فرمان ربانی نازل ہوا کہ اسطرح کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے قلوب (دلوں) میں داخل نہیں ہوا۔ لہذا نور ایمان کا دل میں داخل ہونا بندہ مومن متقی کے لیے ضروری ہے۔

اب اصل موضوع شرح صدر کو سمجھنے میں آسانی ہو گی کیونکہ مومن متقی بننے کے لیے دل میں نور کا داخل ہونا لازمی ہے اور یہ دل سینے میں ہوتا ہے اور شرح صدر (سینے کا کشادہ) ہونے کی ابتداء اسی سے شروع ہوتی ہے۔ حقیقی ہدایت اسی نور سے حاصل ہوتی ہے۔ جب تک انوارات سے سینہ کھل نہیں جاتا تب تک مسلمان ہدایت یافتہ قطعی طور نہیں ہوسکتا۔ اب قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ نور ہدایت کتنی عظیم نعمت شرح صدر کا سبب بنتی ہے اور جب سینہ کھل جاتا ہے تو پھر اس میں فیوضات وانوارات کا نزول شروع ہوتا ہے۔ ایسے سینے میں اسرار معارف الہیہ کا خزانہ جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے میں سینے میں علوم لدنیہ اور مکاشفات غیبیہ کی آمد آمد ہوتی ہے۔ ایسے سینے میں الہامات ومشاہدات کی نورانی بارش ہوتی ہے۔ پھر ایسے سینے میں لطائف قرب ربانی کے اس طرح عروج کرتے ہیں کہ وہ پہلے عالم امر میں اپنی اصل کے ساتھ ملحق ہوتے اور وہاں سے مزید جب فیضان کرم ملتا ہے تو آگے صفات وشیونات کے ظِلال تک عروج کرنے جاتے ہیں جبکہ عالم خلق کے لطائف مزید فضل ربانی سے عروج کر کے صفات سے فیضابی پاتے ہیں اور اخص الخواص کے نفوس مطمئنہ کامل ترین اتباع کی برکت سے انوارات ذاتیہ سے بھی بواسطہ نور مجسم ﷺ حصہ پاتے ہیں۔

قرآن مجید اور شرح صدر مصطفٰے ﷺ

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے شرح صدر مصطفٰے ﷺ کا بیان اس طرح فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ[1]

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کے سینے کو کشادہ نہیں کیا۔

ترجمان قرآن سیدنا حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان فرماتے

---

[1] (سورۃ الشرح، پ۳۰، آیت نمبر ۱)

ہیں کہ اے حبیب مکرم ﷺ کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھولا اور اس میں تحمل اور بردباری اور لوگوں کی سختیاں برداشت کرنے کی قوت عطا نہ فرمائی اور آپ ﷺ کو نہایت خوش اخلاق نہ بنایا اور اس میں اسلام کا نور نہیں بھرا اور آپ ﷺ کے دل کو بروز میثاق علوم و معرفت اور فہم و فراست سے بھرا، آپ ﷺ کو نرم و لطیف کیا، بصیرت و عقل اور یقین کی امانت اس میں رکھی۔ کیا آپ ﷺ کے سینہ میں نور نبوت و رسالت ڈال کر اس کو اسرار و معرفت، علوم غیبیہ اور انوار کا وسیع ترین مخزن و گنجینہ نہیں بنایا؟ اس پر سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا نعم (ہاں)۔ ۱؎

زبدۃ العارفین محمد یعقوب نقشبندی غزنوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ کیا ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا یعنی ہم نے آپ ﷺ کے دل کو ایمان اور حکمت پیغمبری سے روشن کر دیا۔ ۲؎

حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع کیا۔ ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوت سے اور علم و حکمت سے بھر دیا یہاں تک عالم غیب و شہادت اس کی وسعت میں سما گئے اور علائق جسمانیہ انوار روحانیہ کے لیے مانع نہ ہو سکے۔ اسی طرح علوم لدنیہ، حکم الہیہ، معرفت ربانیہ اور حقائق رحمانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے۔ اور اسی طرح ظاہری شرح صدر بھی بار بار ہوا جیسے ابتدائے عمر شریف میں اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج کو جیسے احادیث شریف میں آیا ہے۔ ۳؎

عمدۃ المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا جس کے اندر بنور الٰہی ایسے علوم صادقہ اور معارف دینیہ سما گئے جو کسی دانشمند کو دانش کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ کے دل

۱؎ (تفسیر ابن عباسؓ)، ۲؎ (تفسیر چرخی)، ۳؎ (تفسیر خزائن العرفان)

کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ پیدا کر دی گئی (تا کہ مرتبہ عروج کی تکمیل ہو جائے) اور پھر حضور کامل کے ساتھ مخلوق کی طرف اس کا دعوتی اور تبلیغی رخ کر دیا گیا تا کہ مرتبہ نزول بھی حاصل ہو جائے۔ یعنی ایسی حالت نزول عطا ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ سے انقطاع نہیں جس کا غم و ڈر ہو۔ اس عالم شہود میں رسول اللہ ﷺ کا دو مرتبہ شرح صدر ہوا ایک دفعہ جیسے حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس بچپن کی مبارک زندگی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے سینہ کو کھول کر دل کو نکالا اور گوشت کا لوتھڑا الگ کر دیا اور دل مبارک کو آب زم زم سے دھو کر دوبارہ سینہ مبارک کے اندر رکھ دیا اور سینہ مبارک جوڑ دیا۔ دوسری دفعہ معراج کے وقت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کیا پھر آب زم زم سے اسے دھویا اور پھر حکمت و ایمان سے بھرا ہوا طشت آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں الٹ دیا اور پھر سینہ کو بند کر دیا۔ میں (قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ) کہتا ہوں کہ جس لوتھڑے کو آپ ﷺ کے دل مبارک سے نکالا گیا تھا وہ عنصری اور نفسانی اور قلبی رزائل تھے جو نفس کو امارہ بالسوء ہونے پر اور اعضاء جسم کو گناہوں پر ابھارتے ہیں۔ اس عمل سے شرعی تکالیف آپ ﷺ کے لیے مرغوب و محبوب اور فطری ہو گئیں۔ شرح صدر کا اعلیٰ ترین درجہ آپ ﷺ کو ظاہری طور پر اور اعلانیہ حاصل ہوا تھا مگر اولیاء اللہ کو یہ مرتبہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے باطنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی عالم مثال میں اس مرتبہ کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر یہ نعمت نفس اور نفسانیات کی مکمل فناء کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جس میں نفس کی نام و نمود اندر سے اڑ جاتی ہے۔ اس کے بعد ہی صوفیاء و اولیاء کو شرح صدر اور ایمان حقیقی کی بشارت دی جاتی ہے۔ [1]

امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس پر اجماع امت ہے کہ قلب اطہر مصطفے ﷺ

---

[1] (تفسیر مظہری)

انوارات ذاتیہ کا مہبط و مرکز ہونے کہ وجہ سے عرش و کرسی، کعبہ و جنت سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سیدنا حضور نور مجسم ﷺ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی صفات ذاتیہ و صفاتیہ کا مظہر اتم ہیں۔ شرح صدر کے عظیم احسانِ ربانی سے آپ ﷺ کو یہ شان و مرتبہ علیا نصیب ہوا۔

حضرت امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شرح کی تفسیر میں حضرت سیدنا امام حسنؓ اور حضرت انسؓ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک ایمان و حکمت اور حلم و علم سے بھر دیا گیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کو شفقت و رحمت کا پیکر بنا دیا گیا۔ [۱]

شرح صدر اولیاء

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلٰمِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط [۲]

ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سینہ کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے۔ فرمایا جب نور قلب (دل) میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھلتا ہے اور اس میں وسعت ہوتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے تو فرمایا آخرت کی طرف متوجہ ہونا اور دنیا سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اسے کے لیے آمادہ ہونا ہے۔ [۳]

اسی حدیث مبارکہ کو بغوی، حاکم اور بیہقی نے بھی روایت فرمایا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ بیان فرماتے ہیں

---

[۱] (تفسیر درِ منثور)، [۲] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر ۲۲)، [۳] (تفسیر خزائن العرفان بحوالہ مشکوۃ)

کہ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جس مومن کے دل میں ایک نور پیدا کیا جس کی چمک میں اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھ لیا اور کسی تردد اور شک کے وہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور سب کی تصدیق کی اس حالت کو شرح صدر اس لیے تعبیر کیا کہ سینہ دل اور روح کا مقام ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے۔ جب دل اسلام کے تمام احکام کو قبول کر لیتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی ظرف (دل) ہے جو مظروف کو اپنے اندر سمانے کے لیے فراخ اور کشادہ ہو گیا ہے۔[1]

شرح صدر سے بندہ مومن کے باطن میں بے انتہا وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس کے لطائف لا مکانی کا نمونہ ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں زمین و آسمان کی وسعتوں میں سما نہیں سکتا مگر بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

ہدایت کی نعمت شرح صدر سے وابستہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہر نمازی نماز میں کھڑا ہو کر دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تعالی ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما حالانکہ وہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نماز پڑھنے والوں کو بھی حقیقی ہدایت کی ضرورت ہے اور ہدایت یافتہ ہونا روحانی ترقی کا اعلیٰ درجہ ہے لہذا جن لوگوں کو سینہ میں نور داخل ہونے کی نعمت عطا نہیں ہوتی انہیں اپنے آپ کو خود فریبی کے چنگل سے آزاد کرنا پڑے گا اور نور نبوت کی تلاش میں کسی صاحب نور ہستی تک سفر کرنا پڑے گا کیونکہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ فنا نفس سے پہلے تلاوت قرآن بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوتی تو پھر دوسری عبادات اور اعمال کا کیا حال ہو گا۔ شرح صدر کی نعمت فنا نفس کے بعد عطا ہوتی ہے۔ اس نعمت کی بدولت صورت ایمان حقیقت ایمان میں

[1] (تفسیر مظہری)

بدل جاتی ہے۔ گویا کہ ایمان مجازی ترقی کر کے بفضل الٰہی ایمان حقیقی بن جاتا ہے اور وہ ایمان مجازی جو خلل اور نقصان سے محفوظ نہیں ہوتا وہ جب ایمان حقیقی کے درجہ میں ترقی پاتا ہے وہ نقصان سے محفوظ اور مستقل ہو جاتا ہے ایمان حقیقی سے متصف اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظیم میں جب محض فضل و کرم سے مقبول بنا لیا جاتا ہے تو وہ اولیاء اس عطائے خاص سے محفوظ اولیاء ہوتے ہیں۔ ایسے خوش نصیب اولیاء کی حفاظت قدرت الٰہیہ کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ ایسے لوگ مقبولیت کی بدولت حرم خاص میں داخل کر دیے جاتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں خاص خاص اولیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں جبکہ عام اولیاء محفوظ نہیں ہوتے۔ دوسری اہم بات اسطرح ہے کہ شرح صدر کے نور کے سبب عبادات و اعمال کو نور اخلاص سے مزین کر دیا جاتا ہے جس سے صاحب اخلاص شخص کے اعمال کو قبولیت سے مشرف کیا جاتا ہے ایسا سراپا اخلاص شخص مُخلَص کہلاتا ہے یعنی لام پر زبر کے ساتھ۔ ایسا شخص اخلاص کے احوال کا مخزن بن جاتا ہے۔ جبکہ عام مسلمان عقل اور سوچ سے اپنے اوپر اخلاص طاری کرنے کی کوشش کرتا ہے جو بناوٹی اور سطحی اخلاص ہوتا ہے۔ ایسے اخلاص کی حیثیت صرف کاغذ کے پھول کی سی ہے۔ ایسے شخص کو مخلص کہا جاتا ہے یعنی لفظ لام کے نیچے زیر کے ساتھ اس کو پڑھتے ہیں۔ قال اور حال میں فرق واضح کرنیکی کوشش کی ہے تا کہ شاید کسی قاری کو مجاز اور حقیقت کی سمجھ آسکے اور وہ اپنا قیمتی وقت خوش فہمی میں مبتلا ہو کر ضائع نہ کرے بلکہ فوری طور تلاش حقیقت کے لیے منور سینہ کے حامل، صاحب توجہ، ولی گر صوفی کے دامنِ نور سے وابستہ ہو کر اس کے سینہ سے نور چینی کرے اس طرح صحابہ کی سنت صحبت پر عملی طور پر عمل ہو گا کہ انہوں نے مکمل ترین ذوق اور یکسوئی سے سینہ نبوت سے نور چینی کی جسے حضور ﷺ نے جہاد اکبر کا نام دیا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ بہت اہم نقطہ بیان فرماتے ہیں کہ حالت جنگ میں صحابہ

کرام کی کامل و مکمل توجہ اور ذوق نبی کریم ﷺ کی طرف ممکن نہیں تھا اسی لیے جنگ کے بعد حالت امن میں جب صحابہ کرامؓ کی کامل و مکمل توجہ اور ذوق و محبت سرور کائنات ﷺ کی طرف ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم جہاد اصغر سے لوٹ کر جہاد اکبر کی طرف آ گئے ہیں۔ کفار کے ساتھ لڑنا چھوٹا جہاد ہے جبکہ نفس کے ساتھ لڑنا بڑا جہاد ہے۔ کتنی خوش نصیبی صحابہ کرامؓ کے لیے جنہوں نے نفس و شیطان کے خلاف جہاد کو چہرہ والضحیٰ کے دیدار میں مدہوش و گم ہو کر ناقابل بیان لذت و کیفیت میں طے کیا اس منظر کا حال ناقابل بیان ہے جس کا ذکر ایک صحابی اس طرح بیان فرماتے ہیں گویا آپ ﷺ کے چہرہ انور میں سورج تیر رہا ہے عقل اس انوارات کے سمندر کی منظر کشی کو بیان کرنے سے قاصر ہے جس میں بقول صحابی سورج موج زن ہو۔ الحمد للہ کہ عارفین کو اللہ تعالیٰ ایسے انوارات و جمالات کی تابانیوں کا مشاہدہ عطا فرماتے ہیں یہی اصل وجہ ہے کہ تمام حقیقی اولیاء کرام جمالِ مصطفےٰ ﷺ میں غرق نظر آتے ہیں اور ان کا عشق جمالات مصطفوی ﷺ کی حدود مقرر نہیں کرتا۔ ایسے عشاق جمال و کمال کی ذات مصطفےٰ ﷺ میں حدود متعین کرنے والوں کو گستاخ اور بے ادب کی حیثیت سے دیکھتے ہیں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ حقیقی عشق اندھا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رب العزت کا فرمان ہے: **فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلٰمِ** ج [۱]

ترجمہ: پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ راہ حق کی ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام کے نزدیک شرح صدر اس وقت ہوتا ہے جب نفس کو فنا کر دیا جائے اور نفسانیت کا کوئی

---

[۱] (سورۃ الانعام، پ۸، آیت نمبر ۱۲۵)

نشان بھی باقی نہ رہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ولایت کبرٰی یعنی ولایت انبیاء میں تجلی صفات نمودار ہو۔ اس وقت حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے۔ لفظ نفس کی تعریف بقول حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی اس طرح ہے کہ نفس ایک بخار لطیف کا نام ہے جو عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور جسم کی ہیت کو اختیار کر لیتا ہے۔ یہ جسم کثیف میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ روح سفلی (نفس) سلالہ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ روح علوی کی تخلیق اجسام کی پیدائش پر مقدم ہے۔ جب اللہ تعالی نے میثاق لیا تھا ارواح سے تو اس وقت اجسام تو موجود بھی نہ تھے اس لیے روح علوی کا تعلق عالم ارواح سے ہے اور اس کی قرار گاہ نظر کشف میں عرش کے اوپر ہے اور یہ مکانی چیز نہیں ہے۔ [1]

نفس کی جسم میں موجودگی ایک ولی اللہ کو اس طرح مشاہدہ ہوئی کہ پورے انسانی جسم میں سخت ربڑ کے شکنجہ کی طرح ہے جس نے پورے جسم انسانی کو گرفت میں لیا ہوا ہے اور ربڑ نما نفس کا سرا پیشانی کے وسط میں ہے۔ یہ سخت ربڑ نما نفس خونی رگوں کی طرح جسم میں پھیلا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرح صدر کمالات ولایت کبرٰی کے حصول پر مرتب ہوتا ہے تو اسی وقت نفس مطمئنہ اپنے مقام سے عروج کر کے سینہ پر ترقی فرماتا ہے اور اس جگہ سلطنت کا قرار پیدا کر لیتا ہے اور ممالک قرب پر غلبہ پا لیتا ہے۔ [2]

مختلف احادیث مبارکہ میں سیدنا حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابو مخدورہؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سمیت دیگر صحابہ کرام کے سینے پر ہاتھ رکھنا شرح صدر کرنا تھا تا کہ ان سب حضرات کو باطنی کمالات عطا ہوں۔ [3]

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (مکتوبات معصومیہ دفتر سوم)، [3] (مشکوۃ ابن ماجہ)

قرآن مجید کے اندر آتا ہے کہ روز محشر لوگوں کے گرد نور چلتا ہوگا اس کی ظاہری جھلک دنیا بھی اس وقت ظاہر ہوئی جب حضرت ابوھریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے دونوں شہزادوں حضرت سیدنا امام حسنؓ اور سیدنا امام حسینؓ کو مسجد سے سیدہ طاہرہ فاطمہ الزہراؓ کی طرف گھر کو جانے کا حکم دیا تو دونوں شہزادوں کے پاک جسموں کے گرد نور ہی نور تھا حالانکہ اندھیری رات تھی یہ نور باطنی کی ظاہری جھلک تھی وہ صاحبان نور تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ سیدنا حضور ﷺ نے فتح مکہ کے سال دوران طواف حضرت فضالہ کے سینے پر ہاتھ رکھا تو انہیں شرح صدر نصیب ہوا وہ آپ ﷺ کے عاشق بن گئے حالانکہ وہ کچھ اور نیت کے ساتھ آئے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسیدؓ اور حضرت عبادؓ رسول کریم ﷺ کے پاس تاریک رات میں حاضر تھے۔ پھر دونوں آپ ﷺ کے پاس سے روانہ ہوئے تو دونوں کے آگے دو نور نمودار ہو گئے جب دونوں جدا ہوئے تو ایک ایک نور ہر صحابی کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔[1]

یہ صحابہ کرامؓ کا باطنی نور تھا جس کی جھلک عالم شہود میں نظر آ رہی تھی۔ شرح صدر عطیہ ربانی ہے۔ جو سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کو بغیر مانگے عطا ہوا۔ یہ آپ ﷺ کی شان محبوبیت کی دلیل ہے جبکہ دوسری طرف محبّ صادق سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام شرح صدر کی دعا مانگی کہ! میرے رب میرے سینہ کو کشادہ فرما دے۔

شرح صدر بصیرت قلبی، فراست ایمانی، قوت نورانی اور مشاہدہ باطنی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ سب طالبوں کو بوسیلہ حبیب کریم ﷺ یہ نعمت عظمیٰ عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] (بخاری)

باب نمبر ۷

(نور وحجاب)

طالبین حق جب عشق ربانی کے غلبہ کے تحت سفر روحانی شروع کرتے ہیں جو کہ مرشد کامل کی نگرانی وتصرف باطنی سے مشروط ہوتا ہے تو جذبہ وسلوک کے اس سفر میں نور وحجاب سے واسطہ پڑتا ہے۔ لہذا راستہ کے مسافروں کے لیے انوارات وحجابات سے علمی رہنمائی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مشاہداتی رہنمائی۔ انشاءاللہ تعالی یہ موضوع اعتقادی اور عملی طور پر فائدہ مند ثابت ہوگا۔

نور کا معنی ومفہوم

عام طور پر نور کا لفظ تین مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) نور کا لغوی معنی

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں: **النور الضوء المنتشر الذی یعین الابصار**[۱]

ترجمہ: نور وہ منتشر روشنی ہے جو دیکھنے میں آنکھ کی مدد کرتی ہے۔

اگر لغوی معنی کے اعتبار سے غور کیا جائے تو نور کی دو قسمیں نظر آتی ہیں ایک نور دنیوی جو بصارت سے محسوس ہوتا ہے مثلاً سورج، چاند اور ستاروں کا نور وغیرہ یعنی وہ تمام انوار جو مادی

---

[۱] (المفردات ص ۵۰۸)

مصادر سے جنم لیتے ہیں وہ انوار دنیوی کہلاتے ہیں۔

دوسرا نور اخروی ہے جو امور الھیہ سے پھیلتا ہے۔ مثلاً نور عقل، نور قرآن اور نور ہدایت ہے۔ [1]

۲) نور کا حکمی معنی

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ نور وہ کیفیت ہے جس کے ساتھ پہلے باصرہ کسی چیز کا ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے واسطہ سے دیگر مبصرات ادراک حاصل کرتے ہیں۔ [2]
مثلاً پہلے آنکھ اشیاء کا خود ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے آنکھ کے اندر دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور پھر اسی صلاحیت کے ذریعہ سے یہ ادراک دوسرے مبصرات کے ادراک کا واسطہ بنتا ہے۔

۳) نور کا حقیقی معنی

نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ اس معنی کی رو سے اس میں نہ کیفیت رہی نہ جوہر رہا اور نہ اس کا محسوس ہونا اور نہ معقول ہونا رہا۔ پس وہ اپنی ذات میں ظاہر ہے اور ساری کائنات کو ظاہر کرنے والا ہے تو اس طرح صرف حقیقی معنی کے اعتبار سے نور کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جائز ہے۔

[1] (المفردات ص۵۰۸)، [2] (البیضاوی ج٦)

حجاب کا معنی و مفہوم

حجاب کا معنی پردہ ہے۔ ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالی رب العزت سے بے خبر یا دور کر دے حجاب کہلاتی ہے۔ تمام اشیاء اور خیالات ماسوٰی، حجابات ہیں۔ وہ تمام رکاوٹیں، غفلتیں، کیفیات اور نورانی مشاہدات حجابات کہلاتے ہیں جو عارف اور ذات حق کے اسماء و صفات و شیونات کے درمیان حائل ہیں۔ سب سے پہلا اور بڑا حجاب انسان کی اپنی ذات ہے اس کے بعد باقی حجابات مرحلہ وار ظاہر ہوتے ہیں۔

حجابات کی اقسام

حجابات کو مندرجہ ذیل تین اہم اقسام ہیں۔

۱) حجابات ظلماتی

ان حجابات سے مراد عالم امکان اور کدورات بشریہ ہیں۔ ان کو حجابات امکانی کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر قسم کے گناہ اور لذات نفسانیہ طبعی ہیں ان کی وجہ سے جو پردے انسان کے باطن پر آ جاتے ہیں انکو حجابات ناسوتی بھی کہا جاتا ہے۔ سفر روحانی میں سالک کو سب سے پہلے ان ہی پردوں کو ہٹانا پڑتا ہے۔ حجابات ظلمانی جن لوگوں پر موجود ہوتے ہیں ان کو اصحاب شمال کہا جاتا ہے ان حجابات کا زوال عینی وجودی ہے کہ عالم امکان کی کثافتوں اور بشریت کی تاریکیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۲) حجابات نورانی

ان پردوں سے مراد صفات، شیونات اور اعتبارات کے ظلال ہیں۔ اسی طرح علوم ظاہریہ، عبادات اور انوار ملکوتیہ بھی حجابات نورانی ہیں۔ ان کو حجابات ملکوتی بھی کہا جاتا ہے۔ سالک

کے لیے ان سے گزرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ ان میں مزے اور لذات ہوتی ہیں۔ ان میں رنگ اور مشاہدے بھی آتے ہیں ایسے لوگوں کو اصحاب میمنہ کہتے ہیں۔

ان پردوں کا زوال علمی ہوتا ہے کیونکہ صفات وشیونات درمیان میں موجود رہتی ہیں۔ صرف عارف کے علم و دید سے باہر ہوتی ہیں وہ ایسا سمجھتا ہے کہ یہ پردے ہٹ چکے ہیں مگر حقیقت میں یہ موجود ہی ہوتے ہیں۔ نورانی حجاب میں اسماء صفات کے ظلال کو حجابات و جولی کہتے ہیں۔

۳) حجابات کیفی

یہ وہ پردے ہیں جن میں امکان وحدوث کے تمام مناظر ومظاہر شامل ہیں۔ عارف کامل کو ان پردوں سے گزر کر اس ذات بحت تعالی کا مشاہدہ عطا ہوتا ہے یہ انتہائی قرب کا مقام ہے جو عقل و دانش سے بالاتر ہے۔ یہ صرف اور صرف فضل ربانی سے عطا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ قرب نصیب ہوتی ہے ان کو سابقون اور مقربون کے ناموں سے قرآن مجید میں یاد کیا گیا ہے۔ یہ پردے جب ہٹا دئے جاتے ہیں تو پھر اصطلاح صوفیاء میں وصل عریانی نصیب ہوتا ہے۔ یہ ذات حق کا ایسا مشاہدہ ہے جس میں کسی اعتبار زائد کا نشان نہ ہو۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: **اِنَّ لِلّٰہِ سَبۡعِیۡنَ اَلۡفَ حِجَابٍ مِنۡ نُّوۡرٍ و ظُلۡمَۃ۔**

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی کے لیے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالی رب العزت حجابات اور پردوں میں نہیں ہے بلکہ ہم اور عالَم امکان (مخلوق) پردوں میں مستور اور ڈھانپے ہوئے ہیں اور ساری مخلوق محدود ہے اللہ تعالی اشیائے کائنات سے وراء ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں سیر وسلوک کا مقصد اپنے پردوں کو چاک کرنا ہے تا کہ صورتوں اور شکلوں سے

(آگے) پرے مطلوب حقیقی کو تلاش کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ربانیؒ نے صوفیائے وجودیہ کی تردید فرمائی ہے جو کہ کائنات اور ذات، ممکنات و جوب کی عینیت کے قائل ہیں۔ اس طرح وہ لوگ اللہ تعالی رب العزت کو ممکنات کے پردوں میں مقید جانتے ہیں اور اس پاک ذات کو شکلوں اور صورتوں میں تلاش کرتے ہیں۔

مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال بھی پہلے وحدت الوجود کا موقف رکھتے تھے مگر جب امام ربانی عارف معانی حضرت مجدد الف ثانی فاروقیؒ کے مزار شریف پر سرہند حاضر ہوئے تو آپ کی توجہات قدسیہ کی بدولت علامہ اقبال کی باطنی حالت کو عروج عطا ہوا تو ان پر وحدت الشہود کی عظیم منزل کھل گئی اس باطنی کیفیت میں ڈوبے ہوئے وہ پکار اٹھے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر   وہ خاک کے زیر فلک بنے مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے   اس خاک میں پوشیدہ ہیں وہ صاحب اسرار

وہ ہند میں ہیں سرمایہ ملت کا نگہبان   اللہ نے بروقت کیا جو کو خبردار

خرد ہوئی زماں و مکان کی زناری   زماں ہے نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ مال و دولت یہ رشتہ و پیوند   بتان وہم و گمان لا الہ الا اللہ

اللہ تعالی رب العزت وہم وخیال، قید وحلول، عقل و بیان اور رویئت سے وراء الوراء ہے۔ وہ پاک ذات عقل وفکر سے نہایت ہی بلند و بالا ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ اللہ تعالی کی ذات کے بارے میں غور وفکر نہ کرو بلکہ اس کی مخلوقات میں غور وفکر کرو۔ متکلمین اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی کا دنیا میں دیدار واقع نہیں ہوسکتا۔ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصی شان ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کا دیدار ہوا مگر یہ دنیا سے نکل کر آخرت کے ملحق ہونے پر معراج کی رات ہوا جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ معراج کی رات کو دائرہ مکاں وزماں اور تنگی زماں سے باہر نکل گئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے ازل وابد کو آن واحد میں دیکھ لیا۔

اسی طرح امام ربانی عارف حقانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ دنیا میں رویئت خداوندی سے مشرف ہوئے کیونکہ دوسروں کو جو کل قیامت کو ملنے کا وعدہ ہے آپ ﷺ کو وہ سب کچھ دنیا میں حاصل ہے۔ تجلی ذات آپ ﷺ کے لیے اس دنیا میں ثابت ہے۔[۱]

لہذا دنیا میں وہ عام لوگ دیدار الٰہی کے جو دعویدار ہیں وہ کھلی گمراہی کا شکار ہیں اور وہ اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہیں۔ لہذا قرآن وسنت کے مطابق عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی رب العزت انسانی دید، علم وعقل کی حدود سے بالا واعلیٰ ہے کیونکہ جو چیز عقل میں آجائے وہ مقید ہوجاتی ہے اور وہ مطلق نہیں رہتی جبکہ اللہ تعالی مطلق محض ہے۔ اس لیے صوفیاء کرام نے اللہ تعالی کو ذات محض، ذات صرف، ذات سازج اور ذات بحت جیسے اسماء سے پکارا ہے تا کہ عام مخلوق کو اس کی عظمتِ شان کی سمجھ آسکے۔

---

[۱] (مکتوب ۹ جلد دوم)

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: **حِجَابُهٗ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰی اِلَیْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ ۔** [1]

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے نور کے حجابات (پردے) ہیں اس چہرہ (قدرت، اللہ تعالیٰ اعضاء جسمانی سے پاک واعلیٰ) سے اگر حجابات اٹھ جائیں تو اس کی تجلیات تمام مخلوق کو جلا کر رکھ دیں۔

یہ بات حدیث مبارکہ سے ثابت ہوئی کہ انوارات الٰہیہ کو برداشت کرنا عام مخلوق کے بس و ہمت سے باہر ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جسم اور اعضاء کا عقیدہ رکھنا شرک و کفر ہے۔ صرف انسانی سمجھ کے مطابق حدیث میں عام آدمی کو سمجھانے کے لیے اس کی سطح عقلی کے مطابق بات کی جا رہی ہے۔

حضور ﷺ کی حجاب کے بارے میں حدیث پیش خدمت ہے کہ فرمایا: **حِجَابُ النّارُ لَوْ کَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ کُلَّ شَیْئٍ اَدْرَکَهٗ بَصَرُهٗ ۔** [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے حجابات نار (جلالیہ) سے اگر پردے اٹھ جائیں تو تجلیات سے سب مخلوق جل جائے۔

اگر حجاب (ظلال) نہ ہوتے تو دنیا اپنی پستی و ذلت اور کمزور صلاحیت کی وجہ سے جل جاتی کیونکہ فیض کی برداشت اور انجذاب سے عاری ہے جیسا کہ طور پہاڑ جل کر راکھ ہو گیا۔

حجاب قلبی

انسانی شخصیت کے اندر دل کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ جسم پر دل ایک حکمران کی طرح غالب ہوتا ہے جو ہمہ وقت اپنی مرضی اور حکم انسان پر مسلط کرتا ہے۔ انسانی شخصیت کے تمام

---

[1] (مسلم شریف ج ۱)، [2] (مسند احمد ج ۴)

رویئے اور انداز دل کے طابع ہوتے ہیں اور نفس امارہ اپنی فطرتی سرکشی کو دل کے ذریعہ سے بھی انسان پر نافذ کرتا ہے لہذا نفس اور شیطان کے حملہ اور گرفت سے دل کو بچانے کے لیے سارا روحانی سفر طے کروایا جاتا ہے۔

قلب انسانی پر مندرجہ ذیل دو قسم کے حجابات ہوتے ہیں۔

۱) حجابات رینی

کچھ لوگ فطرتی اور ذاتی طور پر ایسے محجوب (پردوں میں لپٹے ہوئے) ہوتے ہیں جو کبھی دور ہونے والے نہیں ہوتے۔ رین کا معنی طباعت کے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں پر پیدائشی سخت پردہ ہوتا ہے جس نے ان کے دلوں کو حق بات تک پہنچنے سے روکا ہوا ہوتا ہے۔

جیسا کہ قرآن کے اندر حکم ربانی ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ط [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

دوسرے مقام پر فرمایا: وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ہ [۲]

ترجمہ: اور بلکہ ان کے سینوں میں دل اندھے ہیں۔

اور پھر فرمایا: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ [۳]

ترجمہ: ہرگز نہیں ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا گیا ہے۔

اس آیت سے آگے فرمایا وہ اپنے رب کا دیدار نہیں کر سکیں گے کیونکہ وہ پردوں میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ پس ایسے لوگ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔

قدوۃ السالکین حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ دل کا پردہ رین مستقل چیزوں میں

[۱] (سورۃ البقرۃ، پ۱، آیت نمبر۷)، [۲] (سورۃ الحج، پارہ ۱۷، آیت نمبر۴۶)، [۳] (سورۃ المطففین، پارہ ۳۰، آیت نمبر۱۴)

سے ہے۔ جیسے پتھر سے شیشہ نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ پتھر کی ذات میں تاریکی ہے۔

۲) حجابات غینی

صوفی کے دل پر موجودات کے ایسے پردے ہوتے ہیں جو صفاتی اور عارضی ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت میں قدوۃ السالکین حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں یہ پردے عارضی ہوتے ہیں جیسے آئینے پر گرد آ جائے تو اسے آسانی سے صاف کیا جا سکتا ہے کیونکہ آئینہ کے اندر ذاتی صفائی موجود ہے صرف عارضی گرد و غبار آیا ہے۔

حدیث پاک میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ استغفار کرے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے اگر مزید گناہ کرتا جائے تو دل کالا ہو جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے مطابق غین وہ کیفیت ہے جو صوفی کے دل کے دل پر موجودات کی ظلمت کو دیکھ کر پڑتی ہے اور وہ اپنے کمالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔

قلب مصطفےٰ کریم ﷺ

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک کی شان کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ بعض دل و عقل کی تاریکی میں گرفتار علماء محققین اپنی محدود سوچ میں شانِ مصطفےٰ ﷺ کو بند کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک بے ادبی پر مبنی کوشش بعض لوگوں نے مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ کی وضاحت میں کی ہے جس کی اصل وضاحت پیش کرنا اس موقع کے تحت میرا مقصد ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّـہٗ لَیُغَانِ علٰی قَلْبِیْ فَأَسْتَغْفِرُ اللّٰہ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِیْ الْیَوْمِ مِا ئَۃِ مَر ۃ۔ [۱]

ترجمہ: میرے دل پر غین آجاتا ہے میں دن میں سو بار اللہ تعالی کے حضور توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہوتے ہیں اس لیے کسی بھی غلطی اور نافرمانی سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں۔ ان کی فطرتی معصومیت انکی پاکی کی دلیل ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی چند تشریحات پیش خدمت ہیں۔

۱) حضرت ابوبکر بن طاہر فرماتے ہیں اللہ تعالی نے سیدنا حضور ﷺ کو امت کے آنے والے اختلافات کی اطلاع فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کو جب امت کی حالت یاد آتی تو آپ ﷺ کے دل پر غبار آتا اور آپ ﷺ امت کے لیے استغفار کرتے۔ [۲]

۲) حضرت ابوابراہیم المستملی شارح تعرف اس طرح فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سال بھر میں ایک گناہ کا بھی سرزد ہونا محال تھا۔ آپ ﷺ ہر لمحہ بلند سے بلند مقام کی طرف ترقی فرماتے۔ لہذا پہلی حالت کو دیکھ کر استغفار کرتے۔ [۳]

۳) حضرت ابوالقاسم عبدالکرم بن ھوازن القشیر ی آپ نے اہل عشق ومحبت کے دلوں کو سکون وراحت پہنچانے والی تشریح کی چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ استغفار کے معنی پردہ پوشی کی درخواست کرنا بھی ہے اور کسی چیز کو ڈھانپنا بھی اس کے معنی میں داخل ہے لہذا سیدنا حضور نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ انوار حقیقت کی بارش کے وقت اپنے رب سے دل پر پردہ ڈالنے کی التجا فرماتے تھے۔ [۴]

[۱] (مسلم شریف)، [۲] (طبقات صوفیہ ص۳۹۳)، [۳] (شرح تعرف ج۳)، [۴] (رسالہ قشیریہ)

۴) حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں اپنی ذات کو ترک کر کے حق تعالی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور یہ اہل محبت کا شیوہ ہے۔ [۱]

۵) حضرت علامہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ غین سے مراد سکینہ ہے جو آپ ﷺ کے دل پر اترتی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: **فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَه، عَلَيۡهِ۔** [۲]

ترجمہ: پس اللہ تعالی نے آپ پر سکینہ وارد فرمائی۔

لہذا آپ ﷺ محض اظہار عبودیت کے لیے استغفار کرتے تھے۔ آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ بعض محدثین کے نزدیک غین سے مراد اللہ تعالی کا خوف اور اس کی عظمت ہے جو آپ ﷺ کے قلب مبارک پر وارد ہوتی تھی اور آپ ﷺ بطور شکر گزاری کے استغفار فرماتے۔

اَفَلَا اَكُوۡنَ عَبۡدً شَكُوۡرًا۔

ترجمہ: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ [۳]

۶) حضرت ابو عبد اللہ محمد محدث فرماتے ہیں کہ یہ غین احکام الہیہ کی خلاف ورزی کا غین نہ تھا۔ صرف جب آپ ﷺ بلند مقام کی طرف ترقی فرماتے تو نچلے درجے کو دیکھ کر استغفار فرماتے۔ [۴]

۷) قدوۃ السالکین شیخ ابو الحسن شاذلیؒ کا فرمان حضرت امام یوسف نبہانیؒ نے اس طرح نقل فرمایا کہ میں نے خواب میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی تو میں نے غین والی حدیث کے بارے میں عرض کیا۔ اس پر سرور کائنات ﷺ نے فرمایا! اے نیک بخت اس سے مراد تجلیات الہیہ کے انوار کا غین ہے۔ [۵]

[۱] (کشف المحجوب)، [۲] (سورۃ التوبۃ، پ۱۰، آیت نمبر ۴۰)، [۳] (مشارق الانوار علی صحاح الاثار)، [۴] (اکمال المعلم شرح مسلم)، [۵] (انوار محمدیہ)

۸) حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا حضور نبی کریم ﷺ مقام عروج پر تشریف فرما ہوتے تو اس وقت تجلیات الھیہ اور برکات ربانی کی بارش ہورہی ہوتی تو اس حالت کو کوئی بشر سمجھ نہ سکتا تھا اور نہ آپ کے قریب کوئی آ سکتا تھا لہذا اس حالت میں فیض رسانی ممکن نہیں تھی اور لوگوں کی ہدایت رسانی کا فریضہ مشکل تھا۔ ان امور نبوت کے لیے آپ ﷺ کا ملکوتی صفات اور فوق البشری کیفیت سے اتر کر بشری کیفیت میں نزول فرمانا ضروری تھا تا کہ آپ ﷺ اور امت میں دعوتی مناسبت پائی جائے۔ یہ آپ ﷺ کا مقام نزول ہوتا تھا۔ اس وقت جب محبوب ربانی ﷺ سوچتے کہ وہ تجلیات و انوار جن میں ابھی میں موجود تھا کدھر گئے اور اس حالت کو آپ ﷺ غین (دل کے پردے) سمجھتے اور استغفار فرماتے تھے۔ [۱]

اسی طرح دوسرے مقام پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی روح جسد کے ساتھ مل چکی تو اسی لمحے اللہ تعالی نے تمام علوم اور کمالات نبوت اور تجلیات ذاتیہ جو صرف نبیوں کے لیے مخصوص ہیں وہ سب کی سب سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کو عطا فرما دی تھی۔ [۲]

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انوارات و تجلیات اور نزول قرآن کا مھبط اور مرکز قلب مصطفےٰ ﷺ اسی عظمت کے پیش نظر اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ **قلب مصطفےٰ ﷺ** کعبہ شریف، لوح و کرسی بلکہ عرش معلیٰ سے بھی افضل و اعلیٰ ہے تو لہذا ایسے نا قابل بیان شان کے مالک دل پر کس طرح کوئی کدورت یا کثافت آسکتی ہے۔

جس جسم اطہر کو سراج منیر کہا گیا اور جس دل "ق" کی قسم اٹھائی گئی۔

امام المفسرین حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے نقل کیا ہے حضرت سہیل بن عبد اللہ

---

[۱] (تفسیر مظہری جلد ازیر آیت مبارکہ لیطمئن قلبی)، [۲] (تفسیر مظہری جلد ازیر آیت انبئونی)

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال جو لفظ مصباح استعمال فرمایا اس سے مراد آپ ﷺ کا قلب اقدس ہے اور زجاجہ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ ہے۔ [۱]

اسی طرح مشکاۃ سے مراد وجود بشریت محمدی ﷺ کا وہ پیکر جمیل ہے جسے نور مجسم کہا جاتا ہے۔ [۲]

اس لیے چھوٹا منہ بڑی بات سے پرہیز کرنی ضروری ہے۔

تجلی

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ تجلی سے مراد انوار الٰہی جو بندے کے قلب پر اس کی قابلیت و صلاحیت کے مطابق وارد ہوتے ہیں۔ آپ مزید فرماتے ہیں اس کی دو صورتیں یعنی مشاہدہ اور رویئت ہے۔ مشاہدہ دنیا میں ہے اور اس کے لیے حجاب روا ہوسکتا ہے جبکہ رویئت آخرت میں ہوگی اور خاص جنتیوں کے کبھی حجاب نہیں ہوگا۔ [۳]

تجلی کی دوسری تعریف اس طرح ہے کہ کسی شے کے مکنشف اور ظاہر ہونے کا نام تجلی ہے۔ [۴]

حضرت علامہ سید شریف علی جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ غیبی انوار کے دلوں پر منکشف ہونے کا نام تجلی ہے۔ [۵]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شے کے دوسرے مرتبے میں ظہور کو تجلی کہتے ہیں۔ جیسے زہد کی صورت کا آئینے میں ظاہر ہونا۔ [۶]

[۱] (تفسیر کبیر)، [۲] (تفسیر منہاج القرآن)، [۳] (کشف المحجوب)، [۴] (معجم الفاظ القرآن)، [۵] (کشاف التعریفات)، [۶] (تفسیر مظہری)

شیخ الاسلام حضرت مجدد الف ثانی فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شے کے دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبے میں ظاہر ہونے کو تجلی کہتے ہیں۔ [۱]

تجلی کا لغوی معنی ظاہر ہونا، چمکنا، منکشف ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ صوفیاء کاملین کے مطابق تجلی کا مفہوم یہ ہے کہ ذات اللہ تعالی نور ہے۔ ذات وصفات کا نور جب خواص پر جلوہ گر ہوتا ہے تو چمک ونورانیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو تجلی کا ظہور کہتے ہیں اور جس ہستی پر یہ عکس پزیر ہوتی ہے اسے مظہر سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالی رب العزت کی ذات وصفات اور اسماء وافعال کا کسی شان وکیفیت میں ظاہر ہونا بھی تجلی ہی کہلاتا ہے۔ جیسے قرآن میں آتا ہے اللہ تعالی نے پس جب پہاڑ پر تجلی فرمائی۔ تجلی کی مزید وضاحت تجلی صفاتی اور تجلی ذاتی کے تحت پیش خدمت ہے۔

تجلی صفاتی

جب اللہ تعالی کسی ولی کے لیے صفات ذاتیہ میں تجلی (ظہور) فرماتا ہے تو اسے تجلی صفاتی کا نام دیا جاتا ہے۔ صفات ذاتیہ آٹھ ہیں ان کو صفات کو امہات صفات بھی کہا جاتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حیات (۲) علم (۳) کلام
(۴) سمع (۵) بصر (۶) قدرت
(۷) ارادہ (۸) تکوین

---

[۱] (مکتوب ۲۲۱ دفتر اول)

تجلی ذاتی

جب اللہ تعالی اپنے فضل خاص سے کسی ولی کامل کو فناء مطلق کی دولت عظمٰی سے نوازتے ہیں تو پھر ایسی انعام یافتہ شخصیت کو بقا کلی میں لایا جاتا ہے تو اس عمل کے دوران تجلی ذاتی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس عطا کے نتیجے میں ولی اس تجلی کا مظہر بن چکا ہوتا ہے۔ اس تجلی میں ولی کو ایسی فنا مطلقہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے علم، شعور اور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اس خاص تجلی کے ظاہر ہونے کو اولیاء عظام نے وصل عریانی کا نام دیا ہے۔ اس تجلی میں کمال توحید عیانی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس حرم خاص میں صرف اور صرف انبیاء کو داخل کیا جاتا ہے۔ اور پھر انبیاء کے وسیلہ سے مقربون کو داخل کیا جاتا ہے۔ ان مقربون کو قرآن مجید میں سابقون کے لقب سے پکارا گیا ہے۔

مشائخ عظام نے تجلی ذاتی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱) تجلی ذاتی برقی

اس تجلی میں آسمانی بجلی کی مانند تھوڑی دیر کے تجلی ظاہر ہوتی ہے جس میں اسماء وصفات کے حجابات دور ہوتے مگر تھوڑی دیر کے لیے اور اس کے بعد دوبارہ حائل ہو جاتے ہیں۔ اولیاء کرام پر حضوری کا اثر کم ہوتا ہے۔ اور غیبت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔

۲) تجلی ذاتی دائمی

جن اولیاء عظام کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے ان سے تجلی کی نعمت واپس نہیں لی جاتی ہے۔ ان ہستیوں کا حضور ذاتی دائمی ہوتا ہے۔

نور و تجلی کا انعام یافتہ لوگوں پر منکشف وظاہر ہونا حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق کے مطابق کچھ اس طرح ہے:

۱) انبیاء

انبیاء کا مبداء تعین اللہ تعالیٰ کی صفات قدسیہ ہیں۔ انبیاء کرام دوامی انوار ذاتیہ میں غرق ہوتے ہیں ان کے درمیان صفات کے حجاب (پردے۔ ظلال) نہیں ہوتے۔ انبیاء تجلیات کا مھبط (مرکز) ہوتے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ کا ہی دوسرا نام کمالات نبوت ہے۔ انبیاء بغیر کسی کی وساطت سے اس عظیم مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

۲) صدیقین

یہ لوگ ظاہر و باطن کے اعتبار سے مکمل طور پر انبیاء کی اتباع والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ انبیاء کے علوم ظاہریہ و اسرار باطنیہ کے وارث ہوتے ہیں۔ صدیقین بھی تجلیات ذاتیہ میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ ان کو انبیاء کی وراثت کے صدقے بغیر صفات کے حجاب کے یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ یہ لوگ بھی بحر انوار قدسیہ میں غرق ہوتے ہیں۔

۳) شہداء

یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیتا ہے تا کہ تجلیات ذاتیہ کا مخصوص حصہ حاصل کر لیں۔ چنانچہ ان حضرات کو انوار ذاتیہ کی خصوصی شعاع پڑتی ہے۔ ان پر عمومی اور دوامی تجلیات ان پر فائز نہیں ہوتیں بلکہ نورانیت کی ایک مخصوص شعاع پرتو انداز ہوتی ہے۔

۴) صالحین

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو رزائل نفسانیہ (نفس کی بری صفات) کو تزکیہ کے ذریعے پاک کر لیتے ہیں اور ہمیشہ ذکر (ذکر باطنی) میں غرق رہ کر اپنے دل کو غیر کی گرفتاری سے بچا لیتے ہیں اور قلب ذاکر و سلیم کے مالک بن جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو فنا ذاتی اور بقا باللہ کے مقام پر لایا

جاتا ہے۔ تو اس وقت ان کو بھی تجلیات ذاتیہ کا کچھ پرتو (عکس) ان پر پڑتا ہے۔ مگر قابل وضاحت نقطہ یہ ہے کہ ان کے لیے تجلی ذاتی کی شعاع (پرتو اندازی) صفات کے حجابوں کے پیچھے سے ہوتی ہے۔ اس عمل میں حجاب صفات درمیان میں موجود ہوتے ہیں۔ یعنی عام اولیاء کو تجلی ذاتی براہ راست حاصل نہیں ہوتی بلکہ صفات کی اوٹ درمیان میں باقی رکھی جاتی ہے۔ [1]

نور عرش اور نور قلب

نور کا تعلق عرش عظیم کے ساتھ کس طرح کا ہے اور بندہ مومن یعنی ولی کامل کے ساتھ اس کی کیا نسبت ہے؟

عرش عظیم مظہر انوارات ہے اور اسی طرح ولی کا قلب سلیم بھی مظہر انوارات ہوتا ہے۔ لہٰذا عرش عظیم اور قلب عارف کی کیفیت اور صلاحیت کو سمجھنا بے حد ضروری ہے چنانچہ سلطان العارفین حضرت ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے عارف کے دل کے ایک کونے میں رکھ دیں تو پھر بھی عارف کو دل کی کشادگی کے باعث کچھ احساس نہ ہو گا۔

سید الطائفہ قدوۃ العارفین حضرت شیخ جنید بغدادیؒ بھی اس قول کی تائید کرتے ہیں اور اسے دلیل سے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ حادث (انسان) جب قدیم سے باطنی قربت کے ذریعے مل جاتا ہے تو اس کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ عارف (ولی کامل) کا دل جو انوارِ قدم کے ظہور کا محل ہے۔ جب اس حادث (انسان) کا اس دل کے ساتھ جو مہبط انوار ہے اتصال واقع ہوتا ہے تو اس وقت وہ حادث مضمحل اور لاشے ہو جاتا ہے تو پھر محسوس کیسے ہو۔ جبکہ دوسری طرف ان کے

[1] (تفسیر مظہری جلد ۵)

بقول عرش اور جو کچھ اس میں ہے سب حادث ہے۔ لہذا یہ حضرات عرش عظیم کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی جانتے ہیں اور اسے حادث کہتے ہیں جبکہ قلب عارف کو انوارِ قدم کے ظہور کے واسطہ سے قدیم کا نام دیتے ہیں۔

امام ربانی عارف حقانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ ان دونوں اکابرین سے اختلاف فرماتے ہوئے ہزار بار تعجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی خاص محبت اور فضل سے مجھ پر اس طرح انکشاف ہوا ہے جب کوئی ولی اللہ کمالات قرب کے آخری درجہ کو پہنچتا ہے جس سے آگے کوئی مقام نہیں تو اس وقت انوار عرشی میں سے کسی نور کا ظہور قلب عارف پر آتا ہے۔ یہ نور جو قلب مومن پر نازل ہوا ایک قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔ جبکہ انوار عرش بحر محیط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس عرش کی کتنی شان ہوگی جس کو اللہ تعالی رب العزت نے عرش عظیم فرمایا ہے اور استوار کے راز کو اس خاص جگہ ثابت فرمایا ہے۔ قلب عارف کو جامعیت کی وجہ سے تشبیہ اور مثال کے طور پر عرش اللہ کہا جاتا ہے۔[1]

اس جگہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عالم کبیر (کائنات) میں عرش عظیم عالم امر اور عالم خلق کے درمیان ایک واسطہ اور برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے عرش مجید دونوں طرف کا جامع ہے۔ لہذا انوار قدم کے ظہور کی وہ قابلیت جو شائبہ ظلیت سے منزہ و مبرا (پاک) ہے وہ صرف اور صرف عرش عظیم کے ساتھ مخصوص ہے۔ عالم صغیر (وجود مومن) میں عالم امر اور عالم خلق کے درمیان دل واسطہ اور برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عرش عظیم اور عارف تامُ المعرفت کے قلب سلیم کے علاوہ (سوا) جہاں بھی انوار کا ظہور ہوگا اس میں ظلیت (خلال) شامل ہوگی۔ اللہ تعالی رب العزت سے بندہ عاجز کی التجا ہے کہ الہامی رہنمائی اور نور فراست کی نعمت عطا

[1] (مکتوب ۱۰ جلد دوم)

فرمائے جس سے حق بات لکھنا ممکن ہو سکے۔

پس ثابت ہوا کہ عرش عظیم اللہ تعالیٰ رب العزت کے انوار کا محل اور مھبط ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ظلال کا ظہور (ظاہر ہونا) درحقیقت ذات کا ظہور نہیں۔ عرش عظیم جس کو استوا کی سعادت حاصل ہے وہاں ظہور دائمی ہے اور وہاں ظلال کے پردے نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رب العزت کا فرمان ہے: **اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ لا يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ط**[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی طرح ہے جس میں ایک چراغ ہو۔ چراغ شیشہ میں ہو۔ شیشہ گویا ایک چمکنے والا ستارہ ہے جو بابرکت درخت سے روشن کیا گیا۔ جس کو زیتون کہتے ہیں جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ قریب ہے اس کا تیل روشنی دے اگرچہ اس تک آگ نہ بھی پہنچی ہو۔ روشنی پر روشنی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی اکابرین مفسرین نے مختلف انداز میں اپنی علمی صلاحیتوں کے مطابق تفاسیر تحریر فرمائی ہیں۔ مگر یہاں شیخ الاسلام عارف ربانی امام واصلین شہباز لامکانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ کی وہ تاویل پیش خدمت ہے جو انہوں نے اپنے مکاشفے (کشف باطنی) کے مطابق بیان فرمائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ نور اسے کہتے ہیں جس سے اشیاء روشن ہوں۔ تمام آسمانوں اور زمین اسی بلند ذات کی قدرت کے ساتھ روشن ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے ان آسمانوں اور زمین کو عدم (نیستی۔ موجود نہ ہونا) کی تاریکیوں سے باہر نکالا ہے۔ اور پھر ان کو وجود

---

[1] (سورۃ النور، پ ۱۸، آیت نمبر ۳۵)

اور توابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے آسمانوں اور زمین کو جس نور سے روشن کیا گیا ہے اس نور کو ایک بڑے طاق کی طرح سمجھنا چاہیے۔ اس نور کو چراغ کی طرح سمجھو جو امانت کے طور پر طاق میں رکھا گیا ہے۔ گویا کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے۔ لہذا شیشے سے اسماء وصفات کا ملاحظہ (مشاہدہ) کرنا چاہیے کیونکہ وہ نور اسماء وصفات سے ملا ہوا ہے۔ شیون و اعتبارات سے معرا نہیں ہے۔ صفات الہیہ کا شیشہ حسن وجوب اور جمالِ قدم کے ساتھ ایک درخشاں (روشن) ستارے کی طرح ہے۔ چراغ کا زیتون سے روشن ہونا جامع ظہور عرشی سے کنایہ ہے۔ استوا اس ظہور سے رمز واشارہ ہے۔ لہذا دوسرے ظہورات (ظاہر ہونا نور کا) جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع (ظہور عرشی) کے لیے اجزاء کی مانند ہیں (یعنی آسمانوں اور زمین کا نور درحقیقت انوار عرشی کے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں چھپ کر ظاہر ہوا ہے اگرچہ اس نور عرشی کے نزول کے وقت ظلال نہیں ہوتے مگر آسمانوں اور زمین کی کم ہمتی اور پستی کی وجہ سے ان کو ظلالی نور سے منور کیا گیا۔ اصل حقیقت اللہ تعالی کے علم میں ہی ہے۔ اللہ تعالی بندہ ناچیز و ذلیل کو معاف فرمائے اگر کوئی چیز کمی اور غلطی سے بیان ہو جائے اللہ تعالی بڑا مہربان اور بخشش فرمانے والا ہے)۔

اسی طرح جب وہ ظہور جامع بے جہت اور لا مکانی ہے تو اس کے لیے فرمایا کہ وہ نہ شرقی ہے اور نہ ہی غربی ہے۔ اس شجرہ مبارکہ کی صفت مادحہ ہے اور اس درخت کی روشنی اور صفائی کا بیان ہے جس کے ساتھ مثال پیش کی گئی ہے کہ اس کا تیل اس نوعیت کا ہے کہ آگ لگنے کے بغیر نور بکھیرنے والا ہے (یعنی اس شجرہ مبارک کے تیل میں اندرونی اور ذاتی روشنی ہے اور اس کے لیے کسی بیرونی تحریک کی ضرورت نہیں جو اس کی روشنی میں اضافے کا باعث ہو)۔ روشنی پر روشنی کا مطلب یہ ہے کہ شیشے کا پردہ صفائی درخشندگی کی جہت سے نور میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے جس سے

اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ صفات کے کمالات ذات تعالیٰ کے کمالات کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں اور اس طرح صفات کا حسن ذات تعالیٰ کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔ کئی گناہ زیادہ نور اور کمال ظہور کے باوجود جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ جسے اللہ نور (روشنی) عطا نہ فرمائے تو اس کے لیے کچھ نور (روشنی) نہیں۔ یہ جامع ظہور جو عرش سے متعلق ہے تمام مشاہدات، معانیات اور مکاشفات کا منتہی ہے۔ تجلی ذات اور تجلی صفات، غرض ہر طرح کی تجلیات و ظہورات کی نہایت (انتہا) ہے اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ قرار پزیر ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ جامع ظہور اگرچہ ذات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن اس مقام میں ذات کے لیے صفات حجاب نہیں ہیں۔ کیونکہ صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس کے لیے حجاب بنا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے کہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہے جبکہ اصل کا ظہور مقام عین میں ہے اور صفات درجہ علم میں حجاب ہیں نہ درجہ ذات میں۔

ظہور عرشی میں صفات ذات تعالیٰ کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ شیون اور اعتبارات اس بلند ذات میں ثابت ہیں اگرچہ صفات اور شیونات ذات کے لیے حجاب نہیں ہیں لیکن دید و دانش میں شریک ہیں اور محبت میں بھی شریک ہیں۔

نور قلب کی وضاحت اس طرح ہے کہ کامل اولیاء کے دل کو تجلی کا حصہ نصیب ہوتا ہے اس میں ظلیت (ظلال) دامن گیر نہیں ہوتے کیونکہ عاشقان ربانی کسی امر کی شرکت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ تو احدیت مجردہ کے اسیر (گرفتار) ہوتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط [1]

ترجمہ: سن لو! کہ دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔

[1] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر۳)

دین خالص کے چاہنے والوں کے لیے ہیت وحدانی کی نعمت ہے جو انسان کامل کا دل ہے (ہیت وحدانی قلب کی اس حالت کا نام ہے جس میں عالم امر اور عالم خلق کے تمام لطائف اپنے اصل اصول تک عروج کرنے کے بعد نزول کرتے ہیں اور اس کے بعد عالم امر اور عالم خلق کا اتحاد ہوتا ہے جو بالکل قلب میں جمع ہو کر ہیت وحدانی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں دس لطائف متحد ہو کر پانچ بن جاتے ہیں اور پھر ہر پانچ سے ایک قلب بن جاتا ہے جس کو ہیت وحدانی کا نام دیا جاتا ہے)۔ ہیت وحدانی کا عمدہ حصہ جز و اعرضی ہوتا ہے انسان کامل میں دو چیزیں ایسی ہیں جو کہ عالم کبیر اور عرش عظیم میں نہیں ہیں۔ انسان میں جز وارضی ہے جو کہ عرش میں نہیں ہے۔ انسان میں ایک ہیت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے نُورٌ علٰی نُور ہے یہ نعمت عالم اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک اعجوبہ جس نے خلافت ربانی کی صلاحیت (لیاقت) پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اٹھایا ہے (جس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے عاجزی ظاہر کی تھی اور بے بسی کے ساتھ معذرت پیش کی) پس انسان کامل نادر اور عجیب خصائص رکھتا ہے اس لیے حضرت احدیت مجردہ (اللہ تعالی) کا آئینہ ہونے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے اور ذات احد تعالی کا مظہر بن جاتا ہے۔ یہاں صفات وشیونات کا اتصال ذات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ذات تعالی ہمہ وقت اپنی صفات وشیونات کی جامع ہے اور ذات تعالی کے لیے کسی وقت بھی صفات وشیونات سے علیحدگی نہیں ہے مگر عاشق کامل کو صفات وشیونات دکھائی نہیں دیتیں۔ جب انسان کامل ذات احدیت تعالی کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو جاتا ہے تو غلبہ عشق کے تحت ذات احد تعالی کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے تو اس وقت صفات وشیونات میں سے کچھ بھی کا ملحوظ، منظور، مقصود اور مطلوب نہیں ہوتا بمطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَب یعنی انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہو۔ اس لیے

انسان کامل کو ذات احدیت مجردہ کے ساتھ ایک مجہول الکیفیت اتصال حاصل ہوتا ہے جو محبت ذاتیہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں بے چوں قرب کی نسبت بے چوں ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات تعالیٰ کا آئینہ بن جاتا ہے یہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ انسان کو صفات وشیونات میں سے کوئی چیز بھی مشہود اور دکھائی نہیں دیتی بلکہ اس مقام پر احدیت مجردہ جلوہ گر اور ظاہر ہوتی ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ پاک ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی انسان کامل کے شیشہ میں تجرد کی حیثیت سے ظاہر اور جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ پس حسن ذاتی حسنِ صفاتی سے جدا اور متمیز ہو گیا۔ اس طرح کی آئینہ داری اور مظہریت (عکس پزیری) انسان کامل کے سوا (علاوہ) کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور حضرت ذات تعالیٰ، صفات وشیونات کے بغیر انسان کے علاوہ کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوا۔[1]

انوارات کی جلوہ گری عرش مجید اور انسان کامل کے قلب پر ہوتی ہے۔ حقیقی کاملیت حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جو تجلیات ربانیہ کا مظہر اتم ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا قلب اطہر محل تجلیات ذاتیہ ہے۔ لہذا آپ ﷺ کے قلب منور کو بیت اللہ شریف اور عرش پر فضیلت حاصل ہے۔ آپ ﷺ ان امانتوں کے امین خاص ہیں جن کو اٹھانے سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کی عظیم سعادت سیدنا حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو حاصل ہوئی۔ یہ نعمت فرشتوں سمیت کسی کو بھی کائنات میں حاصل نہ ہوئی۔

---

[1] (مکتوب نمبر ۱۱ جلد دوم)

سید البشر ﷺ کی نورانیت

سید الکونین ﷺ کی بشریت قرآن کی نص سے ثابت ہے اور حدیث مبارکہ سے بھی آپ ﷺ کا افضل البشر ہونا صاف ثابت ہے لہذا کسی مسلمان کو آپ ﷺ کی اعلی بشریت کا انکار نہیں۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی بشریت پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ لیکن ایک قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بشریت خصوصی نوعیت کی ہے جس طرح کہ آپ ﷺ نے صوم وصال رکھنے شروع کیئے تو صحابہ کرام نے بھی آپ ﷺ کی پیروی میں مسلسل بغیر افطاری سحری روزے شروع کر دیئے تو وہ کمزور پڑ گئے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے صحابہ تم میں سے کون میری مثل ہے؟ دوسری حدیث مبارکہ کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی میری ہیت پر نہیں ہے۔ جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سمیت کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ ہم آپ ﷺ کی مثل (طرح) ہیں حالانکہ قرآن میں آپ ﷺ کی بشریت ومثلیت کے بارے میں وہ جانتے تھے۔ مگر افسوس کہ آج بعض علماء کا تمام زور ہی ممبر پر بیٹھ کر بشریت ومثلیت پر ہوتا ہے اور وہ شان وعظمت مصطفے ﷺ کو بھول جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: **وَمَا مِنُ دَآبَّةٍ فِی الْاَرُضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيُرُ بِجَنَا حَيُهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمُثَالُكُمُ ط**[۱]

ترجمہ: نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے مگر وہ تمھاری طرح (مثل) امتیں ہیں۔

یعنی قرآن مجید کے اندر اللہ تعالی نے انسانوں کو فرمایا کہ جانور اور چوپائے بھی تمہاری

---

[۱] (سورۃ الانعام، پ ۷، آیت نمبر ۳۸)

مثال ہیں مگر آج تک کسی عالم نے قرآن کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ میں فلاں جانور (بیل۔ بکرا۔ گدھا۔ اُلو) کی طرح (مثل) ہوں۔

لہذا بشریت و مثلیت کی رٹ لگانے والوں کے پوشیدہ عزائم کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کمالات و اختیارات مصطفےﷺ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ تخلیق کا امکان تمام ممکنات سے اعلی اور جدا ہے۔

عالم علوم لدنیہ غوث الزمان خواجہ محمد عبدالرحمٰن قادریؒ نے بڑی خوبصورت مثال دی ہے کہ جس طرح یاقوت اپنی خاص نوعیت کی وجہ سے دوسرے پتھروں سے ممتاز ہے اسی طرح آپﷺ کی اعلی ترین بشریت لوگوں کی بشریت سے ممتاز ہے۔

جب سید البشر نور مجسمﷺ کے لیے لفظ نور بولا جاتا ہے تو وہ آپﷺ کی بشریت کی نفی نہیں کرتا۔ آپﷺ کی بشریت و نورانیت دونوں میں کوئی تنافی تناقص اور تضاد نہیں ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے تخلیق نور محمدیﷺ پر الگ غور کرنا ضروری ہے۔ اور ایجاد بشریت محمدیﷺ (یعنی آپﷺ کی وجود بشری کے ساتھ پیدائش) کو الگ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اہل علم افراد کو دعوت فکر ہے کہ نور محمدیﷺ کی پہلی تخلیق تو مرتبہ احدیت میں ہوئی اور پھر نور محمدیﷺ کا دوسرا مفہوم عالم ارواح میں ہے جبکہ بشریت محمدیﷺ کی تخلیق عالم اجسام کی بات ہے۔ عالم اجسام کے مرتبہ تنزل میں آپﷺ سید البشر ہیں جبکہ عالم ارواح کے مرتبہ تنزل میں حضورﷺ نور ہیں۔ مگر آپﷺ کا نور فرشتوں کے نور سے افضل و اعلی ہے کیونکہ آپﷺ کے نور کی تخلیق مرتبہ احدیت میں ہوئی۔ جو اللہ تعالی کی تجلیات کے نزول کا پہلا مرتبہ ہے تو اس طرح حضورﷺ کی پہلی یہ نورانی تخلیق براہ راست اللہ تعالی کے نور سے متجلی ہوئی۔ یہ ظہور اللہ تعالی کے

نور کے فیض اور پرتو سے ہوا۔

اسی طرح دنیا میں آپ ﷺ کی بشری پیدائش 12 ربیع الاول کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ لہذا آپ ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں۔ لہذا بشریت میں کسی کو شک نہیں مگر نورانیت میں عصر حاضر کے علماء نے شکوک پیدا کر دیئے ہیں۔ ان شکوک کو رفع کرنے کے لیے اکابرین آئمہ متکلمین، مفسرین، محدثین اور اولیاء کے عقائد پیش خدمت ہیں جن سے آپ ﷺ کے نور ہونے کا عقیدہ ظاہر ہوگا۔

۱) سیدنا امام الائمہ حدیث وفقہ حضرت نعمان بن ثابتؒ فرماتے ہیں: اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نورِکَ البَدرِ اکتسٰی وَالشمس مشرقة بنور بھاک۔[۱]

ترجمہ: آپ ﷺ وہ نور ہیں کہ چودھویں رات کا چاند بھی آپ ﷺ کے نور سے منور ہے اور آپ ﷺ کے نور ہی سے سورج روشن ہے۔

۲) حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ جو پوری دنیائے اسلام میں اہلسنت و جماعت کے عقائد کے امام ہیں۔ عقائد اشاعرہ تمام اسلامی ممالک کے مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں جو آپؒ کی طرف منسوب عقائد اشاعرہ ہیں۔ حضرت امام محمد یوسف المہدی الفاسی نے حضرت امام ابوالحسن اشعری کا عقیدہ نقل فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی ایسا نور ہے جو کسی نور کی مثل نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کی روح مقدسہ اسی نور کی چمک ہے اور فرشتے اس نور کی چنگاریاں ہیں اور آپ ﷺ کا فرمانِ مقدس ہے کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور پھر میرے نور سے سب چیزوں کو پیدا فرمایا۔[۲]

۳) حضرت شیخ المشائخ عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے

---

[۱] (قصیدۃ النعمان ص ۲۳)، [۲] (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات)

ہمارے سردار حضور ﷺ کا نور پیدا کیا۔ پھر اس سے قلم اور ستر حجابات کو پیدا کیا۔ اگر آپ ﷺ کے تمام نور کو عرش الٰہی پر رکھ دیا جاتا تو وہ پگھل جاتا اور اگر وہ ستر حجابات جو عرش پر ہیں ان پر ڈال دیا جاتا تو وہ مبہوت ہو جاتے۔ اور تمام مخلوقات کو اکٹھا کر کے ان پر اس نور کو ڈال دیا جاتا تو وہ مبہوت ہو کر گر جائیں۔ [۱]

۴) محدث اعظم امام ابو الفرج جمال الدین ابن جوزی فرماتے ہیں کہ بس نبی اکرم ﷺ سراج منیر، ہادی، مہدی، مرتضیٰ، مصطفٰی، مختار، نور مبین، برہان شاہد، مبارک، نور الامم اور اللہ تعالیٰ کے ایسے نور ہیں جو کبھی نہ بجھے گا۔

آپ آگے حدیث نور کو بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور پھر میرے نور سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ [۲]

۵) سید المفسرین حضرت امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ آپ علیہ السلام کی پیشانی میں حضور ﷺ کا نور مبارک تھا۔ [۳]

۶) عارف باللہ حضرت علامہ اسماعیل حقی جو ایک عظیم مفسر قرآن ہیں آپؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل ظاہر اور شہود اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو نور محمدی ﷺ سے پیدا فرمایا۔ [۴]

۷) امام المحدثین و مفسرین حضرت جلال الدین سیوطی نے حضرت امام ابن سبع کا قول اس طرح نقل فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے تھا کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور بے شک آپ ﷺ نور تھے۔ [۵]

[۱] (الابریز)، [۲] (بیان المیلاد النبوی ﷺ)، [۳] (تفسیر کبیر)، [۴] (تفسیر روح البیان)، [۵] (خصائص الکبریٰ)

۸) حضرت مفسر قرآن علامہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ امر کن میں اللہ تعالیٰ کو تسلم کرنے والوں میں سے سب سے پہلا میں ہوں جیسے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میرا نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ [۱]

۹) حضرت امام محمد بن عبد الباقی المعروف علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے یعنی اصل وضع لغوی پر اس پر اس کی تخلیق فرمائی اسی لیے حضور ﷺ کا اسم مبارک نور الانوار اور ابوالارواح ہے۔ [۲]

۱۰) حضرت نور الدین ملا علی قاری حنفی جو کہ ایک اجل محدث ہیں آپؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا قلب اقدس اور جسم اطہر تمام نور ہے۔ اور جملہ نور اسی نور سے روشن ہیں اور دلوں کے راز (اسرار) آپ ﷺ کے نور ہی سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ [۳]

۱۱) سید المحدثین حضرت عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لو کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات و آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذریعہ نور محمد ﷺ ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور تمام ممکنات علوی و سفلی آپ ﷺ کے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ آپؒ مزید لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ذات حق (کے فیض سے) پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی ذات میں ظہور حق بالذات ہے۔ [۴]

۱۲) شہباز لامکانی امام ربانی شیخ السلام حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قیوم زمانی فرماتے ہیں کہ یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی پیدائش دوسرے انسانوں کی طرح نہیں ہوئی بلکہ پوری کائنات میں سے کوئی فرد بھی آپ ﷺ کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتا اس لیے

---

[۱] (تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر)، [۲] (زرقانی علی المواہب)، [۳] (شرح شفاء برحاشیہ نسیم الریاض)، [۴] (مدارج نبوت)

کہ حضور ﷺ جسم عنصری رکھنے کے باوجود اللہ تعالی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے نور سے میں پیدا کیا گیا ہوں اور یہ دولت کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آئی۔ [۱]

۱۳) حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تمام اسماء جو متقابلہ میں سے ہیں کا ظہور ہونا جیسے ہادی، مل، معطی، مانع، معز، مذل، باسط و قابض، رافع، مناقض اور اسماء غیر متقابلہ اور تمام حقائق مختلفہ اور تمام افراد متعدہ اعلی، ادنی، نفیس وجبس، عرش سے فرش تک اور فرشتے علوی اور سفلی جنات تمام اس حقیقت محمدی ﷺ سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔ [۲]

۱۴) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے عقیدہ کو اس طرح نعت میں ظاہر فرماتے ہیں کہ [۳]

وَقَدْ كَانَ نُوْرَ اللّٰه فِيْنَ لمهتد وَصَمْصَامَ تَدْمِيْر عَلٰى كُلِّ نَاكِبٍ

۱۵) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش مقدسہ کے وقت ایک نور چمکا جس کے سبب آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ پر ملک شام کے شہر ظاہر ہو گئے۔ [۴]

ان تمام تشریحات سے آپ ﷺ کے نور کی پیدائش کا ذکر ثابت ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی پر بعض کھڑے ہیں تو وہ صرف حضور ﷺ کے نور ہدایت کو ہی تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ اور نور کی پیدائش اور تخلیق نور کا انکار کرتے ہیں۔ اب اہلسنت کا صدیوں قدیم عقیدہ پیش خدمت ہے جس میں آپ ﷺ کی بشریت و نورانیت کا اعتراف ہے اور حقیقت

[۱] (مکتوبات امام ربانی)، [۲] (انفاس رحیمیہ)، [۳] (اطیب النعم)، [۴] (تفسیر عزیزی)

محمد ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں پر ایمان کامل ہے۔

چنانچہ سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میری رات کو سوئی گر کر اندھیرے میں گم ہوگئی کہ اچانک حضور ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کے انوار سے گھر روشن ہوگیا اور میں نے گری ہوئی سوئی اٹھالی۔

اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ پر حجاب ڈالے ہوئے تھے جیسے کسی شاعر نے کیا خوب کہا کہ:

خدا کی غیرت نے ڈال رکھے ہیں تجھ پر ستر ہزار پردے
دنیا میں لاکھوں ہی طور بنتے جو اک بھی اٹھتا حجاب تیرا

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ پر جب انعکاسی تجلی چمکی تو وہ تاب نہ لا کر بیہوش ہوگئے اور کوہ طور جل گیا۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے چہرہ مبارک پر موٹا نقاب ڈالے ہوئے گھر تشریف لائے تو زوجہ محترمہ نے عرض کیا رخ زیبا پر پردہ کیوں ڈالا ہوا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا حسن ربانی کی ایک تجلی چہرے پر پڑی ہے تو زوجہ نے جب اسرار کیا کہ اس کا نظارہ مجھے بھی کروائیں چنانچہ جب آپ علیہ السلام نے چہرہ مبارک سے حجاب ہٹایا تو زوجہ مبارکہ برداشت نہ کرسکیں اور ان کی آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی۔

مفسر قرآن حضرت اسماعیل المعروف ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس تجلی کے نظارے کے بعد سیدنا موسی علیہ السلام رات کے اندھیرے میں کئی میل دور پتھر پر موجود چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

ان چیزوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سید البشر نور مجسم ﷺ کی عظمتوں اور کمالات کے سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ عقیدہ رسالت کے تقاضے پورے ہوسکیں۔

عالم آفاق اور عالم انفس کا تعلق نور

آیت نور کی تاویل میں مفسر قرآن حضرت علامہ محمد بن حسین القمی نیشاپوری نے بہت اہم تحقیق پیش فرمائی ہے جو مسلمانوں کے لیے باعث فائدہ سمجھتے ہوئے تحریر کی جاتی ہے۔ خاص کر باطنی طالبوں کے لیے امید اور خوشخبری سے عبارت ہے۔

۱) آیت نور کا ربط عالم آفاق سے

آپؒ فرماتے ہیں کہ پس مشکوۃ سے مراد عالم اجسام اور زجاجہ سے مراد عرش ہے جبکہ مصباح سے مراد کرسی ہے اور شجرۃ سے مراد شجر ملکوت ہے اور وہ عالم اجسام کا باطن ہے۔ پس وہ نہ ہی تو شرق ازل ولقدم کی طرف والا ہے اور نہ ہی غرب فنا وعدم والا ہے بلکہ وہ ہمیشہ کے رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جس پر فنا طاری نہیں ہوسکتی۔ قریب کہ اس کا زیت (تیل) جو عالم ارواح ہے، بھڑک یعنی عدم سے عالم صورت کی طرف جو جوڑے سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ذات ظاہر ہو جو غیب وشہادت کو جاننے والی ہے۔ اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ یعنی قدرت خداوندی کا نور۔ کیونکہ طبیعت وجود کے قریب ہے۔ پہلا نور صفت رحمانیت کا نور ہے اور دوسرا نور عرش ہے سو یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے فرمان رب تعالی ہے **الرحمن علی العرش استوٰی.** اللہ تعالی کے فرمان کہ جسے وہ چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عرش سے لیکر تحت الثرا تک اللہ تعالی جس چیز کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو نور رحمانیت کا فیض اس شے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۲) آیت نور کا عالم انفس سے ربط

آپؒ فرماتے ہیں کہ مشکاۃ سے مراد جسد ہے۔ زجاجہ سے مراد قلب ہے۔ مصباح سے مراد راز ہے۔ شجرۃ سے مراد شجر روحانیت ہے جسے باقی رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ زیت سے پراد وہ روح انسانی ہے جو قرب کے اعلی درجہ پر فائز ہو کر نور عرفان حاصل کرتی ہے۔ نار سے مراد نار تجلی اور ازلی ہدایت ہے۔ جب ازلی ہدایت اور نار تجلی نور عقل سے ملتی ہے تو یہ نور پر نور بن جاتی ہے اور جب کسی انسان کے راز کا چراغ ازلی نور سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے حواس کے دریچوں سے نورانی شعاعیں نکلتی ہیں جن سے بشریت کی زمین روشن ہو جاتی ہے (چمکتی ہے) جیسے فرمان خداوندی ہے "اور زمین اپنے رب کے نور سے منور ہوگی" اور یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں اس (بندہ مومن) کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ [۱]

اللہ تعالی آسمانوں اور زمین کا نور ہے

قرآن مجید میں آتا ہے: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط [۲]

قرآن مجید کے لفظی معنی میں اللہ تعالی کے لیے اس آیت میں نور کا لفظ استعمال ہوا۔ اب وضاحت طلب بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالی کے لیے لفظ نور استعمال کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟

اکابرین علماء کا ایک طبقہ اللہ تعالی کی ذات کے لیے نور کے لفظ کا اطلاق ناجائز قرار دیتا ہے۔ ان اکابرین کے دلائل کی بنیاد نور کے لغوی اور حکمی معنی کے اعتبار سے نظر آتی ہے۔ ان اکابرین کے دلائل پیش خدمت ہیں تا کہ عقیدہ توحید کی صاف صاف وضاحت ہو سکے اور ایسی

---

[۱] (غرائب القرآن)، [۲] (سورۃ النور، پ ۱۸، آیت نمبر ۳۵)

کوئی بات عقل وفکر میں نہ آئے جو توحید کے خلاف ہو اور ایمان کو ختم کرنے کا سبب بن جائے۔

۱) اگر نور ایک کیفیت ہے۔ تو محسوس ہو گی یا معقول۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے منزہ اور پاک ہے۔

۲) اگر نور ایک کیفیت ہے جو جسم سے عبارت ہے۔ تو پھر اس اعتبار سے جسم جو ہر شفاف کا نور کہا جائے گا۔ یا پھر وہ کیفیت عرضی سے عبارت ہو گی۔ عقائد توحید کے مطابق اللہ تعالیٰ عرضیت وجسم سب سے پاک ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جسمیت سے بھی پاک ہے اور کیفیت سے بھی۔

۳) کیفیت جسم سے عبارت ہو گی یا امر حال سے۔ تو اگر جسم سے عبارت ہو گی تو فلاسفہ کے نزدیک جسم اجزاء کو مستلزم ہے۔ جسم اور اجزاء لازم وملزوم ہیں۔ تو جب اجزاء پائے گئے تو یہ توحید کے خلاف ہے۔ کیونکہ اجزاء تقسیم ہوتے ہیں تو اس طرح جسم کا منقسم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ تقسیم سے پاک ہے۔

اسی طرح اگر کیفیت کو امر حال تسلیم کریں تو حال بھی جسم کے بغیر نہیں ہوتا تو جب حال جسم کے ساتھ متعلق ہوا تو منقسم ہوا۔ پس منقسم کا حال بھی منقسم ہوتا ہے۔ تو یہ عقیدہ شانِ الوہیت کے خلاف ہے اور توحید کے منافی ہے۔

۴) نور معقول ہو گا یا محسوس ہو گا یا ازلی ہو گا۔ تو اگر محسوس یا معقول دونوں ازلی حسیں ہیں۔ اگر ہم نور کو اسی کیفیت کے ساتھ ازلی لیتے ہیں تو اس طرح لازمی طور پر ساکن ہو گا یا متحرک۔ نور اگر ساکن ہے تو سکون جائز الزوال ہے۔ اس میں تغیر وتبدل جائز ہے۔ اور ازلی ہونے کے اعتبار سے سکون کا ممتنع الزوال ہونا لازم ہوا اور یہ ممکن نہیں۔ اگر نور متحرک ہے تو حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان (جگہ) کو جانے کا نام ہے۔ تو اس طرح حرکت اور انتقال اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے اور عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔

اگر نور ازلی کیفیت کے اعتبار سے ہو اور ہم ایک مکان (جگہ) سے دوسرے مکان تک منتقل ہونے کو حرکت کہیں تو اس صورت میں حرکت مسبوق المکان ہے۔ اس لیے کہ حرکت متلزم ہے اس عمل کو کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال ہو تو وہ جگہ جہاں منتقل ہوا جائے گا پہلے اس کا وجود ہو گا تو پھر حرکت کا وجود پایا جائے گا۔ اس طرح مکان حرکت سے مقدم ہوا ورنہ حرکت کا اعتبار ہی نہیں یعنی وجود حرکت کے لیے پہلے جگہ ثابت کریں گے تو پھر منتقل ہونا ثابت ہو گا۔ جب مکان پہلے ہوا تو سابق الحرکت ہوا اور حرکت مسبوق المکان ہوئی تو پھر ازلی نہ رہی۔

۵) ان علماء کے نزدیک آیت مذکورہ کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں نور ہے مگر اس آیت کے اگلے حصے میں نورہ میں اضافت پائی جاتی ہے۔ اس نحوی قاعدہ کے مطابق یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں نور نہ ہوا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ نور کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

۶) مَثَلُ نُورِہٖ میں اگر اللہ کے نور کی مثال دی گئی ہے تو وہ مثال سے پاک ہے اگر نور سے مراد اس کی ذات ہے تو اس نے اپنی ذات کی مثال دی ہے حالانکہ وہ اپنے افعال کی تمثیل تو دیتا ہے مگر ذات کی تمثیل (مثال) نہیں دیتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ اللہ کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔

۷) اللہ نے ظلمت اور نور کو بنایا (سورۃ انعام)۔ جب نور مخلوق ہے تو اللہ کی ذات نہیں ہو سکتی۔

وہ علماء کرام جو نور اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل اس طرح ہیں:۔

۱) اللہ تعالیٰ نور السمٰوٰت ولارض میں نور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے بطور مرسل

استعمال ہوا ایسے تو یہاں معنی منور ہوگا۔ کیونکہ نور مسبَّب ہے اور مُنوَّر سبب یہاں مسبب بول کر مراد سبب لیا گیا ہے۔ لہذا قرآن وسنت کی روشنی میں یہ استعمال جائز ہے۔

۲) اگر نور کو حقیقی معنی میں لیا جائے تو نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ اس حقیقی معنی کے مطابق اب نہ کیفیت رہی نہ جوہر رہا نہ اس کا محسوس کرنا رہا اور نہ معقول ہونا رہا۔ اب وجود کا منقسم ہونا بھی نہ رہا۔ حرکت وسکون کی بات بھی ختم ہوئی اس کا ثبوت قرآن کی آیت میں اس طرح ہے کہ وہی اول وآخر ہے وہی ظاہر و باطن ہے۔ پس ثابت ہوا وہ اپنی ذات میں ظاہر ہے اور ساری کائنات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

۳) نور بمعنی ھادی۔ حضرت علامہ اسماعیل حقی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی زمین اور آسمانوں والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ [۱]

حضرت قاضی عیاضؒ نے بھی نور کا معنی ھادی لیا ہے کیونکہ ان کے مطابق قرآن کی مختلف آیات میں ہدایت کو نور قرار دیا گیا ہے۔ [۲]

۴) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے اس آیت میں نور کا معنی منور بھی مروی ہے۔ [۳]

اس معنی کو امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام بیہقی، امام حسن بصری، ضحاک اور علامہ السید محمود آلوسیؒ نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں لیا۔ [۴]

۵) نور بمعنی مدبر۔ مفسر قرآن حضرت علامہ سید محمود آلوسی نے ابن جرید کے حوالہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی روایت کے مطابق فرمایا ہے کہ نور مدبر کے اس طرح ہیں کہ اللہ تعالی زمین و آسمانوں میں حکمت بالغہ کے ساتھ تدبیر فرماتا ہے۔ [۵]

[۱] (روح البیان)، [۲] (الشفاء)، [۳] (تفسیر ابن عباس)، [۴] (طبری۔ روح المعانی)، [۵] (تفسیر روح المعانی)

معنی مدبر ہی مروی ہے۔ [۱]

اسی طرح نور معنی ناظم اور آمر یعنی اللہ تعالیٰ کا امر بھی نور ہے۔ [۲]

۶) حضرت علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ نور سے مراد وہ ذات ہے جو ہر قسم کے عیب سے پاک نور بمعنی مبراء من العیوب ہوا۔ [۳]

۷) حضرت مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ نور اسماء حسنٰی میں سے ہے اور نور کا ذات اللہ تعالیٰ پر اطلاق حقیقی ہے۔ مجازی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماہیات معدومہ کو انوارِ وجود سے منور فرمایا اور انہیں عدم سے وجود عطا فرمایا۔ [۴]

اسی طرح حضرت سید محمود آلوسیؒ نے بعض محققین کا قول نقل کیا ہے کہ نور سے مراد موجد ہونا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ [۵]

علماء کرام نے نور کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنے کے لیے تین طرح کی تاویل کی صورتیں بیان کی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مضاف کو محذوف مانا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کو نور عطا کرنے والا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ خود نور ہے۔ مثلاً زید کا بہت زیادہ منصف (انصاف کرنے والا) ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں زیدٌ عادلٌ (Justice Zaid) یا اعلیٰ ترین کریم (کرم کرنے والا) کو کرم کہہ سکتے ہیں۔

---

[۱] (ابن جریر طبری)، [۲] (روح المعانی۔ طبری)، [۳] (روح المعانی)، [۴] (تفسیر روح البیان)، [۵] (روح المعانی)

تیسری صورت یہ ہے کہ مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کو انبیاء، ملائکہ، مومنوں، سورج، چاند اور ستاروں سے روشن کرنے والا ہے۔

نور محمدی ﷺ

نور محمدی ﷺ جو کہ اس کائنات کی خلقت اول ہے اس کی تفصیل بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں آئمہ مفسرین ومحدثین اور متکلمین کے اقوال ونظریات کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔

نور محمدی ﷺ کا تذکرہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اولین و آخرین کو اللہ تعالیٰ رب العزت کی محبت وقربت کی جو سعادتیں نصیب ہوئی ہیں وہ انوارات مصطفویہ ﷺ کی بدولت ہی حاصل ہوئیں۔ کیونکہ انوارات وتجلیات الہیہ تک معنوی و روحانی رسائی بالکل اس وقت ناممکن ہے جب تک انوارِ محمدیہ ﷺ سے فیض یابی اور نور چینی حاصل نہ ہو جیسا کہ امام اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے اور سیدنا حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ رب العزت کی طرف وسیلہ ہیں۔

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ نور نبوت کے بغیر علوم نبوت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہو سکتی۔

نور مصطفوی ﷺ کے تذکرہ سے عقیدہ رسالت کی اصلاح بھی پیش نظر ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط [1]

ترجمہ: اس کے نور کی مثال اس طرح ہے طاق (قندیل) میں چراغ ہو۔

حضرت کعب الاخبارؓ جو اجل تابعی ہیں اور حضرت سعید بن جبیرؓ وہ بھی عظیم تابعی ہیں۔ ان دونوں حضرات نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

[1] (سورۃ النور، پ ۱۸، آیت نمبر ۳۵)

المراد بالنور الثانی ھنا محمد

ترجمہ: آیت کریمہ میں دوسرے نور سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

اس تفسیر میں تحقیق سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) مثل نورہٖ ای محمد ﷺ

اللہ کے نور کی مثال ذات محمدی ﷺ ہے۔ اگر اس کو بغیر اضافت کے تسلیم کیا جائے۔ اس قول کی روشنی میں گویا کہ حضرت کعب الاخبارؓ اور حضرت ابن جبیرؓ اور ضحاک اللہ تعالیٰ کے نور سے رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک لے رہے ہیں۔ ان حضرات کے مطابق اللہ کا نور حضور ﷺ کا وجود اقدس ہے۔ یہاں مرجع ضمیر اللہ کی ذات ہے۔ [1]

۲) مثل نورہٖ ای نورِ محمد ﷺ

اس کے نور کی مثال حضور ﷺ کا نور ہے۔ اس صورت میں نور مضاف اور محمد مضاف الیہ ہے۔ اس صورت میں مرجع قرار پائی حضور ﷺ کی ذات اقدس۔

قرآن مجید سے نور محمدی ﷺ کا ثبوت پیش خدمت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو یہ شان حاصل ہے کہ ان کے لیے نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قرآن کی فہم و سمجھ عطا فرما۔ آپ ﷺ کی اس دعا کی برکت تھی وہ صحابہ کرام میں ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہوئے اور بڑے بڑے اجل صحابہ کرام قرآن کی تفسیر میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب اس عظیم صحابی کی تفسیر اور عقیدہ پیش خدمت ہے۔ یعنی تفسیر ابن عباس کے مطابق آیت قرآن مجید: **قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ** [2]

---

[1] (تفسیر مظہری۔ تفسیر منہاج القرآن)، [2] (سورۃ المائدہ، پ ٦، آیت نمبر ١٥)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کا نور یعنی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ [۱]

اسی طرح امام المفسرین علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر پیش خدمت ہے جن کے بارے میں تمام علماء کرام نے لکھا ہے کہ ان کو ستر (۷۰) مرتبہ نبی کریم ﷺ کا دیدار ہوا جس میں تقریباً ۳۰ مرتبہ حالت بیداری میں یہ نعمت وشرف حاصل ہوا۔ جس کو انور شاہ محدث کشمیری نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: **ھُوَا نُوْرُ النَّبِی** ﷺ۔

ترجمہ: نور سے مراد نور محمدی ﷺ ہے۔ [۲]

حضرت شیخ احمد الصاوی مالکی تفسیر جلالین پر حاشیہ میں اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو نور اس لیے فرمایا کہ آپ بصارتوں (آنکھوں) کو نورانی بناتے ہیں اور کامیابی کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور حضور ﷺ ہر حِسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔ [۳]

اسی آیت قرآنیہ کی تفسیر میں حضرت علامہ امام خازن علاؤ الدین علی بغدادی فرماتے ہیں اس آیت میں نور محمد ﷺ ہیں اور ترجمہ فرماتے ہیں کہ بے شک تمھارے پاس محمد ﷺ تشریف لے آئے۔ [۴]

حضرت مفسر قرآن حضرت امام علامہ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں: **وَ قیل یرید النور محمد** ﷺ۔ [۵]

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں کہ نور سے مراد حضور ﷺ ہیں اس لیے کہ نور سے ہدایت ملتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے آپ کو سراج کا لقب عطا فرمایا ہے۔

[۱] (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس صفحہ ۹۰ مطبوعہ لبنان)، [۲] (تفسیر جلالین ص ۱۱۱)، [۳] (الصاوی علی جلالین)، [۴] (تفسیر خازن)، [۵] (بیضاوی معہ حاشیہ الشہاب)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ اسماعیل حقی نے فرمایا: **و قال المراد بالاول هو الرسول ﷺ** ۔ [1]

مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے نور سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

نور محمدی ﷺ کے ثبوت اور وضاحت کے لیے حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے۔ یہ حدیث محدث امام عبد الرزاق سے روایت ہے جو کہ محدث مدینہ عاشق صادق حضرت امام مالک کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل کے استاد محترم ہیں جبکہ امام بخاری اور امام مسلم کے شیخ الشیوخ ہیں۔ امت مسلمہ کے اکابر آئمہ محدثین اور علماء نے اس حدیث نور کی تخریج کی ہے اور اس کو سب نے قبول کیا ہے۔ لہذا یہ حدیث قوت و شہرت کے اعلی ترین مقام پر فائز ہے۔

حضرت امام عبد الرزاق ابوبکر حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان، مجھے بتائیں اللہ تعالی نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے جابر بے شک اللہ تعالی نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا وہ نور قدرت الہی سے جہاں اللہ نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور انسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے فرمائے پہلے حصے سے قلم دوسرے حصے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا پھر چوتھے حصے کے (مزید) چار حصے فرمائے پہلے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی فرشتے پیدا فرمائے پھر اس چوتھے حصے کے (مزید) چار حصے فرمائے پہلے حصے سے آسمان،

[1] (تفسیر روح البیان)

دوسرے حصے سے زمین، تیسرے حصے سے بہشت (جنت) دوزخ بنائے اور پھر چوتھے حصے کے مزید چار حصے کیے۔ [۱]

یہ حدیث مبارکہ تلقی بالقبول کے درجہ کو پہنچ چکی ہے کیونکہ ہر صدی میں اس کے قبول کرنے والے اکابرین امت موجود ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا کہ اللہ تعالی کے نور سے حضور ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا گیا تو اس کا یہ معنی ہرگز ہرگز اور کسی صورت میں یہ نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالی کا نور حضور ﷺ کے نور کے لیے مادہ ہے اور آپ ﷺ کا نور، اللہ تعالی کے نور کا جزو (حصہ) اور ٹکڑا بھی بالکل نہیں ہے۔ اگر کوئی کم علمی کی وجہ سے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کے نور کا مادہ اللہ تعالی کا نور ہے یہ واضح کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور ﷺ کا نور اللہ تعالی کے نور کا جزو اور ٹکڑا ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔ ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہیے۔

لہذا محدثین کرام نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ اللہ تعالی کے نور کے فیض سے آپ ﷺ کا نور پیدا فرمایا گیا اس طرح لفظ مِنْ کا معنی یہاں جزو (حصہ) اور ٹکڑا کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ لہذا مِن کا مطلب تشریف کے لیے ہے۔ پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نور ذات محمدی ﷺ براہ راست نور ذات الٰہی سے پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں کہ اس مندرجہ ذیل آیات اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اپنی روح اس میں پھونکی مثلاً

۱) وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ [۲]

۲) ونَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ [۳]

---

[۱] (مُصنف عبدالرزاق)، [۲] (سورۃ السجدہ، پ۲۱، آیت نمبر۹)، [۳] (سورۃ الحجر، پ۱۴، آیت نمبر۲۹)

لہذا اس حدیث نور میں مِنْ نورہٖ (اللہ تعالیٰ کے نور کے فیض سے) کا وہی معنی ہے جو قرآن مجید میں مِنْ رُوْحِی کا ہے۔

پس اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف روح اللہ و کمۃ مِن کا جو قرآن میں اشارہ آتا ہے ان مقامات پر جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جزئیت ناممکن ہے اسی طرح اس کی صفات کا جزو بھی نہیں ہوسکتا۔ لہذا ان تمام مقامات قرآنیہ میں اضافت اور من کا لفظ مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوا ہے۔

۱) تشریف کے لیے جیسے روح اللہ، بیت اللہ، نور اللہ

۲) بلاواسطہ معرض تخلیق میں آنے کے لیے[۱]

دوسری حدیث نور حضرت ابوبکر احمد بن حسین المعروف امام بیہقیؒ نے دلائل میں نقل فرمائی ہے۔ امام بیہقیؒ کی شان یہ ہے کہ وہ ایسے عظیم محدث ہیں کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ ایک نورانی صندوق آسمان کی طرف اڑا جارہا ہے جب انہوں نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے تو آواز غیب سے آئی کہ یہ امام بیہقیؒ کی کتابیں ہیں جو نور کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظیم میں شرف قبولیت پانے کے لیے جارہی ہیں اور یہ مقبول ہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ نے نقل کیا کہ حضرت عرباص بن ساریہؓ صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا میں بے شک عبداللہ (اللہ کا بندہ) اور آخری نبی ہوں اور (اس وقت نبی تھا) جب آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گوندھے ہوئے تھے اور میں تمہیں بتاؤں کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ اور میں اپنی ماں کی وہ خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا اور اسی طرح جس طرح دوسرے انبیاء کی مائیں دیکھا کرتی ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی والدہ نے دیکھا کہ انہوں نے

---

[۱] (تفسیر منہاج القرآن)

ایک نور رجنا جس نے ان کے لیے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ [1]

حضرت امام محدث ابوعبداللہ ابن حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ [2]

اس حدیث مبارک کو اکثر اجل مفسرین اور محدثین نے امام بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ مثلا حافظ ابن حجر عقلانی، امام جلال الدین سیوطی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت ابن حبان اور حضرت امام یوسف نبہانی فلسطینی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت محمدی ﷺ

حقیقت محمدی ﷺ اور تعین اول بہت اہم نورانی و روحانی موضوع ہے جس پر اجل عارفین نے مختلف انداز میں بحث فرمائی ہے۔ اس موضوع پر آسان اور قابل فہم تشریح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقیؒ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندی نے پیش فرمائی ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندیؒ آیت مبارکہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کی تحویل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ یعنی اللہ تعالی نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

یعنی سب سے پہلے جس چیز کو اللہ تعالی نے پیدا فرمایا وہ نور محمدی ﷺ تھا علی صاحبہا الصلوۃ والسلام و التحیۃ اور تمام علوی اور سفلی مخلوقات کو اس نور سے پیدا کیا اور اللہ تعالی اس جگہ پر اپنی تعریف اس نور کے ساتھ کرتا ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای ذُوْ نور السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

---

[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی)، [2] (مستدرک الحاکم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمین کے نور کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نور کا مالک ہے کہ جس نور سے سب آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان سب کے درمیان میں ہے وہ سب کچھ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی اس نور کی صفت (مثال) جو کہ اس ذات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور وہ نور گویا تعین اول اور حقیقت محمدی ﷺ سے کنایہ ہے۔ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ، طاقچہ میں رکھے ہوئے ایک چراغ کی مانند ہے اور کاف تشبیہ کا مشکوۃ پر داخل ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ مشکوۃ (طاقچہ) مصباح (چراغ) پر مشتمل ہے۔ لہذا مشکوۃ حضور اکرم ﷺ کے بدن عنصری (جسم مبارک) کو تصور کرنا چاہیے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ، وہ چراغ شیشہ کی قندیل میں روشن ہے اور وہ قندیل گویا اس خلاصہ موجودات حضور اکرم ﷺ کا باطن مبارک ہے۔ کہ اس نور نے حضور ﷺ کے باطن کی راہ (راستہ) سے بدن عنصری (وجود مبارک) کے ساتھ تعلق حاصل کر لیا ہے اور باطن آپ ﷺ کا قلب (دل) مبارک ہے یا آپ ﷺ کی ہیت وحدانی ہے جو کہ عالم خلق اور عالم امر کے دس اجزاء کی ترکیب سے حاصل ہوئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ زجاجہ (قندیل) تعین وجودی سے کنایہ ہے جو کہ تعین ثانی ہے۔ کیونکہ تعین اول جو کہ تعین حُبّی ہے مافوق کی نسبت سے تعین وجودی کے احاطہ میں ہے اور ہو سکتا ہے۔ زجاجہ تعین علمی سے کنایہ ہو کیونکہ علم کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک خصوصیت حاصل ہے جو کہ کسی دوسری صفت کو نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی محبوبیت کے ساتھ اس صفت کے لیے ایک بھید (راز) ہے کہ کوئی دوسرا اس کا محرم نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے حضرت عالی (یعنی مجدد الف ثانیؒ) کے مطابق اس اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب صفت یہی صفت علم ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ زجاجہ تعین وجودی اور مشکوۃ تعین علمی ہو۔ مختصر یہ ہے کہ الزجاجہ یعنی شیشہ کی قندیل

جس معنی میں بھی ہو کمال صفائی و تازگی کے باعث کَـانَّـهُ کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ گویا وہ ایک درخشاں ستارہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ تعین اول اور حقیقت محمدی ﷺ ہمارے حضرت عالی (یعنی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے نزدیک تعین حُبی ہے۔ لہذا پہلے چیز جو کہ مرتبہ اطلاق اور پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں آئی (یعنی ظاہر ہوئی) اور متعین ہوئی وہ حُب ہے جو کہ اعتبار وجود کا مبداء ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے اور یہ اس پر دلالت کرتی ہے:

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفْ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفُ

یعنی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس میں نے چاہا پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔

یہ تعین حُبی جو کہ حضور اکرم ﷺ کی محبوبیت ذاتیہ کا منشا ہے دائرہ کا مرکز ہے اور اس کا محیط خلت ہے۔ حقیقت ابراہیمی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ مرکز کا حسن ملاحت کے حسن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ اور محیط کا حسن صباحت کے حسن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ صباحتِ حسن ایک تفصیل ہے جو بیان ہو سکتی ہے جیسا کہ عالَم مجاز میں اس کو خوش قامتی اور رخساروں کی صباحت اور آنکھ و ابرو کی لطافت وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جبکہ ملاحت ایک معنوی حسن ہے اور ذوقی ادا ہے جو تعبیر کے احاطہ سے باہر ہے۔ اور مذکورہ بالا خوش قامتی اور لطافت سے بھی ماوراء (اعلی) ہے جس سے اس حسنِ (صباحت) کو تعبیر کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

آں دارد آں نگار کہ آنست ہر چہ ست
آنرا طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست

شاعر کہتا ہے کہ وہ معشوق ایسی شان رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے۔ اے دوستو اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے۔

اور یہ ایک تعین کا مرکز و محیط ہے جو کہ اس کے اشرف و اسبق اجزاء کے ساتھ مسمّٰی ہے کہ مرکز یعنی حُب ہے اور دوسرا تعین، تعین وجودی ہے کیونکہ حُب ہی ہے جو کہ وجود اور ایجاد کا سبب بنتی ہے اور تعین علمی، تعین وجودی کے نتیجے سے ہے اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن سب سے زیادہ جامع حصہ ہے۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں کہ وہ روشن چراغ جو کہ شیشہ میں ہے:

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زيتونةٍ۔

یعنی جلایا جاتا ہے اور اسکے نور کو زیادہ کیا جاتا ہے بہت برکت والے اور بہت فائدے والے درخت سے جو کہ زیتون کا درخت ہے جو کہ شام کی مقدس سرزمین میں اُگا ہے۔ یہ مبارک درخت گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خُلَّتُ کی حقیقت سے کنایہ ہے اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شجرہ انبیاء ہیں اور قرآن مجید میں آپ کے حق میں آیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام پر برکت نازل کی ہے اس لیے اسی بناء پر شجرہ مبارکہ کو آپ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح خلت کی حقیقت زمین و آسمان سے بلند ہے اس لیے فرمایا کہ وہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی اور قریب ہے کہ اس درخت کا تیل خود بخود روشنی دے اگرچہ اس کو آگ مس نہ کرے یعنی حقیقت خلت روشنی اور ہدایت دینے میں اس درجہ کی ہے کہ بغیر اس کے محبت کی آگ اس سے مشتعل ہو روشنی دینے والی ہے۔ اس کی صباحت ملاحت کی ملاوٹ کے بغیر مطلوب کی رہنما ہے۔ اور جب ولایت ابراہیمی علیہ السلام ولایت محمدی علیہ السلام کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور محبت کا شعلہ خلت سے روشن کیا جاتا ہے۔ جب اس ولایت کی صباحت اُس ولایت کی ملاحت کے ساتھ مل جاتی ہے اور محیط کے کمالات مرکز میں رونما ہو جاتے ہیں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط تو نور پر نور چڑھ جاتا ہے اور صباحت کا نور ملاحت کے نور کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے۔ اس طرح ابراہیمی نور محمدی نور کے ساتھ

جمع ہو جاتا ہے اور ملاحت صباحت کے ساتھ رنگین ہو جاتی ہے۔

پدر نور پسر نورے ست مشہور
ازیں جا فہم کن نور علی نور

ترجمہ: باپ نور ہے اور بیٹا ایک مشہور نور ہے۔ اس سے نور پر نور کو سمجھ لو۔

یعنی دونوں کے اجتماع سے محبوبیت محمدی ﷺ اعلی درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور معاملہ عبودیت کے دو طوق سے نکل کر ایک طوق تک آ جاتا ہے۔ [۱]

نورانی احوال

روحانی مجتہدین نے باطنی احوال و کیفیات تسلسل کے ساتھ بیان فرمائی وہ طریقت و معرفت میں اسی طرح قابل تقلید ہیں جس طرح مجتہدین عقائد اور مجتہدین فقہ کی تحقیقات امت مسلمہ میں قابل تقلید ہیں۔ دنیائے اسلام میں چودہ صدیوں سے ان تحقیقات باطنیہ پر عرب و عجم کے تمام اسلامی ممالک میں عمل ہوتا رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب حضرت کعب اخبار سے فرمایا کہ آیت نور کے معنی کی تشریح کرو تو کعب اخبار نے کہا اللہ تعالی نے اس آیت میں نبی ﷺ کی حالت بطور مثال بیان کی ہے وہ اس طرح کہ مشکوۃ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ ہے۔ شیشہ سے مراد آپ ﷺ کا دل ہے۔ اور مصباح سے مراد نبوت ہے۔ یعنی اگر رسول اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان نہ کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ ﷺ کا نور جگمگانے لگتا اور لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کا نبی ہونا ظاہر ہو جاتا۔

شمائل مجددیہ میں مذکور ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جس روز سے ہم حضور ﷺ کو گھر لے گئے تو کبھی ہمیں چراغ کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک

---

[۱] (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۱۱۳، دفتر اول)

کے نور کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ ﷺ کو وہاں لے جاتے۔ آپ ﷺ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔ ۱؎

آیت نور مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مشکوۃ سے مراد حضور ﷺ کا مبارک سینہ ہے اور زجاجہ سے مراد آپ ﷺ کا دل مبارک ہے۔ اور مصباح سے مراد وہ نور ہے جو آپ ﷺ کے دل میں چمکتا ہے اور شجرہ سے مراد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام جو کہ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی۔ نور پر نور کا مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور حضور اکرم ﷺ کے دل کا نور ہے۔ اور حضور ﷺ کی ذات کو ہی سراجًا مُنِیرًا فرمایا گیا ہے۔

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی کعب نے آیت نور کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے۔ مومن کی ذات ایک مشکوۃ ہے۔ زجاجہ مومن کا سینہ ہے۔ مصباح مومن کا دل ہے۔ نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے۔ جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت ضحاکؒ آیت نور کی اور تعبیر بیان فرماتے ہیں کہ جس کو مفسر قرآن حضرت امام قرطبی اور دیگر مفسرین نے بھی بیان کیا ہے فرمایا مشکاۃ سے مراد حضرت عبد المطلبؓ ہیں اور زجاجہ سے مراد حضرت عبد اللہؓ اور اس میں مصباح حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ شجرہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور یعنی حضور اکرم ﷺ کی وساطت سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: اِنَّکَ لَتَھْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ ۲؎

ترجمہ: اے محبوب ﷺ آپ بے شک سیدھے راستے کی طرف ہدایت (رہنمائی)

۱؎ (تفسیر مظہری)، ۲؎ (سورۃ الشوریٰ، پ ۲۵، آیت نمبر ۵۲)

فرمانے والے ہیں۔ [1]

شہباز لامکانی قدوۃ العارفین حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے کشف الہامی پر مبنی آیت نور کی تفسیر میں دو تاویلیں پیش فرمائی ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

۱) اَللّٰــهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،یعنی اللہ تعالی آسماں و زمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے۔ اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔ نور سے مراد وجود ہے عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ (یعنی اللہ تعالی کی براہ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے۔ وجود خداوندی ماہیات ممکنات پر سایہ افگن اور پرتو انداز ہے جیسے سورج اور چاند کے سامنے جو زمین آجاتی ہے اس سورج اور چاند کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

چراغ کی روشنی سے مشکوۃ پر نور ہو رہا ہے وہ اس طرح کے اللہ تعالی کی صفات و اسماء کے چراغ عظیم سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔ انبیاء اور اولیاء کے مبادی تعین اللہ تعالی کی صفات ہیں جبکہ باقی تمام ممکنات (مخلوق) کے لیے صفات کا ظل اور پرتو مبداء تعین ہے۔ اسی کی وضاحت اس طرح ہے کہ اللہ تعالی اپنی صفاتِ کمال کو بھی جانتا ہے اور صفات کے نقائض کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالی اپنی صفات ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفاتِ سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے۔ جہالت نقیض علم ہے۔ عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے، تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ تعالی کی صفاتِ ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائض کی تصویریں صفاتِ سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہیں ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہو جاتی ہے اور سلبِ صفات

[1] (تفسیر منہاج القرآن)

ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفات سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظلِ صفات کہتے ہیں انہی کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔

یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادی تعین ہوتے ہیں۔ یہی حقائق امکانیہ کی مُرَبی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں۔ لہذا صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جا سکتی ہے۔ اور ظلال صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں۔ ماہیاتِ امکانیہ کے وجود وظہور (ظاہر ہونا) کو مشکوۃ کہا جا سکتا ہے۔ چراغ کی روشنی سے شیشہ روشن ہوتا ہے۔ مصباح کے نور سے شیشہ جگمگاتا ہے۔ پھر اس شیشہ کی جلوہ گری مشکوۃ پر ہوتی ہے۔ مشکوۃ میں زیادہ نورانیت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح صفات کا نور ظلال صفات کو منور (روشن) کر دیتا ہے۔ جب صفات نور انگیزی (پرتو اندازی) ظلال پر کرتی ہیں تو ظلال روشن ہوتے ہیں۔

جب ظلال صفات کی روشنی کا عکس ماہیات امکانیہ پر پڑتا ہے تو اس طرح ممکنات کو نور وجود حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو موسی اشعری روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نور اللہ تعالی کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس کے چہرہ قدرت کے چمکارے شعاعیں وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک اس کی نظر جائے۔ [1]

قاضی ثناء اللہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ شاید اس حدیث مبارکہ میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوارِ وجہ سے مراد صفات ہیں لہذا آپ فرماتے ہیں کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد ی کمزوری کی وجہ سے براہ راست صفات سے نورِ وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں۔ اگر ظلال صفات کا درمیان میں واسطہ نہ ہو تو عام ممکنات ختم ہو جائیں البتہ انبیاء و اولیاء اپنی استعداد و

[1] (مسلم شریف)

صلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہ راست صفات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس جس طرح ظلال براہ راست صفات سے نور چینی کرتے ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء بھی براہ راست صفات سے نور چینی (نور حاصل کرتے) ہیں ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ان کے اصول میں شر کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا اس لیے وہ پیدائشی طور پر گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے:

اللہ نور السموت و الارض

یعنی اللہ تعالی آسمان و زمین کے رہنے والوں کی اپنی معرفت (پہچان۔ قربت معنوی) کا راستہ بتانے والا ہے۔

پس تمام اہل زمین و آسمان قربت کی محبت رکھنے کی صورت میں اس کے نور کے ذریعہ سے ذات و صفات کی معرفت کا راستہ پاتے ہیں اور مراتب قرب تک ترقی کرنے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالی محسنین (احسان والوں) کے قریب ہے۔ اور اسی طرح فرمایا کہ اللہ تعالی مومنوں کا ولی ہے وہ مومنوں کو اندھیروں سے نکال کر نور میں لے جاتا ہے۔

ان آیات میں در پردہ ایسے نور کا ذکر ہے جو قربت خداوندی کا سبب بنتا ہے۔

ایک اور حدیث قدسی میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے۔

اسی قرب کا نام ولایت خاصہ ہے۔ مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے

جیسے مشکوۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوۃ ہے جس کے اندر صفات الٰہی کی جلوہ پاشی ہورہی ہے اور صفات خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں یعنی زیتون کا بابرکت درخت جو نہ شرقی ہے اور غربی ہے یعنی یہ صفات الہیہ ہیں جو ذات الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لیے سرچشمے ہیں۔

چراغ شیشے کے فانوس میں ایسا چمکتا نظر آتا ہے جیسے موتی جیسا تارا نور بکھیر رہا ہے اس میں اشارہ اس امر کی طرف کہ اولیاء براہ راست صفات الہیہ سے نور حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اولیاء کی نور چینی ظلال سے واسطہ سے ہوتی ہے یعنی صفات کی نور پاشی ظلال پر ہوتی ہے اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے کیونکہ اولیاء کے مبداء تعین یہی ظلالِ صفات ہیں۔

عام اولیاء کا مبداء تعین صفات نہیں ہیں۔ عام اولیاء کی باطنی ترقی (عروج) اپنے اصول تک ہوتا ہے۔ یہ اصول ان کے لیے ظلال ہیں ان ظلال میں ہی اولیاء کی فنا و بقا ہوتی ہے۔ اسی وساطت سے ان کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اس تقرب کا نام ولایت صغرٰی ہے۔

بعض کامل ترین اولیاء کو صاحب شریعت کی خاص نسبت و اتباع سے مقام صفات تک ترقی (عروج) حاصل ہوتی ہے بلکہ بعض خاص الخاص اولیاء عظام کو مرتبہ شیون تک ترقی (عروج) عطا ہوتا ہے یہی مقام ان کو فنا و بقا کی منزل ہوتی ہے۔

مرتبہ صفات کی دو حیثیتیں ہیں۔

ایک حیثیت ظہور یہ ہے کہ صفات ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہور صفات ولایت کبرٰی کا مرتبہ ہے جو ولایت انبیاء ہے۔

دوسری حیثیت بطون یہ ہے کہ اس میں ملائکہ کو ولایت حاصل ہوتی ہے اور اس کا نام ولایت علیا ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقوں کا مرتبہ ہے۔ صحابہ صدیقین ہیں جن کے بارے میں قرآن میں آتا ہے۔ ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْن، قرب والے لوگ صدیقین لوگ آپ ﷺ کے زمانے میں کچھ زیادہ ہیں جبکہ یہ مقام قرب والے صدیقین آخری دور (یعنی قریب قیامت) میں بہت تھوڑے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا گیا وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ یعنی صدیق لوگ مرتبہ صفات وشیون سے ترقی کر کے مرتبہ ذات تک پہنچتے ہیں۔ صفات وشیون کے حجاب کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہوجاتی ہے۔

ایک نور پر دوسرے نور سے مراد اولیاء کے مراتب اور نورانیت کے درجات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ پرتو ڈالا۔ جس شخص نے اس نور کا حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہوگیا۔ [1]

نور پڑنے اور پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذاتِ رحمت عالم ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ان کے سینہ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کشادہ فرمایا اور ان کے دل کے اندر نور حکمت اور ایمان کو خوب بھر دیا اور ان کی طرف متوجہ ہونے اور پیروی کرنے کا حکم دیا تا کہ ان کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا (جھلک) چن لیا جائے۔ اپنے دل کو اسی رحمت عالم ﷺ کے دل مبارک کا آئینہ بنا دیا جائے تا کہ ان کے دل کے نور سے اپنا دل نور حاصل کر کے منور (روشن) ہو سکے۔

لوگ تین طرح کے ہیں ایک گروہ عام مسلمانوں کا ہے جس نے صورت ایمان حاصل کر لی یعنی دنیا میں کفر سے نجات اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی جبکہ دوسرا گروہ حقیقت ایمان پالینے والے لوگوں (اولیاء اللہ) پر مشتمل ہے۔ جن کے لیے اعلیٰ درجات ہیں۔ جبکہ تیسرا گروہ

[1] (احمد۔ ترمذی)

ہے جس نے نورِ ایمان کا بالکل حاصل ہی نہیں کیا۔ یہ گمرائی اور کفر پر کھڑا ہے۔

طبرانی نے حضرت ابوعنبہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ زمین والوں میں اللہ (کے نور) کے کچھ ظروف ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے دل ہیں جو نور سے منور ہو چکے ہیں اور حضور قلب سلیم کا مقام رکھتے ہیں) جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کے قرب کی وضاحت اس طرح سمجھ لیں کہ یہ بے کیف ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہ قرب جسمانی اور مادی بھی ہرگز نہیں ہے۔ یہ بالکل اس طرح نہیں جیسے دنیا میں کوئی جسم والی چیز کسی دوسری چیز کے قریب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان بہت ہی بلند اور عقل کی پہنچ سے بہت بہت آگے ہے۔ لہذا اس قربت کا احساس حواسِ ظاہری اور حواس باطنی سے نہیں ہوسکتا۔ نہ عقل نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے اور علم حصولی و علم حضوری دونوں کا تعلق وہاں نہیں ہوسکتا۔

عقلی اور حسی علم سے قربت کو سمجھنا بالکل ناممکن ہے۔ کاملین کے لیے اللہ تعالیٰ علم وجدان کا راستہ کھولتے ہیں اس کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست فیضان کی شکل میں ہوتی ہے جبکہ دوسری صورت اس طرح ہے کہ عالم مثال میں حقائق امکانی صورتیں دکھائی جاتی ہیں۔

---

[۱] (تفسیر مظہری جلد ۸)

باب نمبر ۸

(فنا و بقا اور سیر باطنی)

جب کوئی بندہ مومن اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ کی محبت میں عملی قدم رکھنا چاہتا ہے تو اسے اس پاکیزہ روحانی منزل کو پانے کے لیے کسی ولی کامل کے دامن سے وابستہ ہو کر رہنمائی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ اس روحانی سفر میں فنا و بقا کا عمل بھی پیش آتا ہے۔ اس فنا و بقا کی اصل حقیقت کو تو صرف وہی خوش نصیب سمجھتے ہیں جو ان مقامات کی لذات و کیفیات سے گزارے جاتے ہیں اور ان کو ایمان حقیقی اور اسلام حقیقی سے مشرف کیا جاتا ہے۔

عام مسلمانوں کی علمی معلومات کے لیے اس کی وضاحت، اجل اولیاء کرام کے اقوال کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔ کیونکہ اکابرین اولیاء علم تصوف میں مجتہدین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح علم شریعت میں مجتہدین قابل تقلید اور دلیل ہیں بعینہ روحانی مجتہدین علم معرفت میں ہمارے لیے دلیل ہیں اور ان کی تقلید نہایت ضروری ہے۔

فنا و بقا کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے کچھ تعریفات پیش خدمت ہیں۔

۱) فنا و بقا

قدوۃ العارفین حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری فرماتے ہیں کہ جب بندہ سالک اللہ تعالی رب العزت کی معرفت کا علم حاصل کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ خود باقی ہو جاتا ہے یعنی اس سے جہالت اور غفلت (باطنی) پر فنا طاری و ساری ہو جاتی ہے۔ اس ذات کو

یاد رکھنے سے خود باقی ہو جاتا ہے۔ تو گویا کہ اہل تصوف خصائل حمیدہ کے وجود میں آ جانے کو اور حاصل کر لینے کو بقاء سے تعبیر کرتے ہیں اور بری خصلتوں کے ختم ہو جانے کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر اہل تصوف کے خواص لوگ فنا و بقا کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیتے جس سے اس پاک ذات کی صفات میں مشارکت کی گنجائش نکلتی ہو۔ اللہ تعالیٰ شرکت وحلول سے پاک ہے۔ [۱]

۲) فنا و بقا

حضرت ابراہیم بن شیبان جو مشائخ طبقات میں سے ہیں یوں فرماتے ہیں کہ فنا و بقا کا علم اخلاص و وحدانیت اور صحت عبودیت کے گرد گھومتا ہے اس کے علاوہ سب مغالطے اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ [۲]

۳) فنا و بقا

امام ربانی شیخ الاسلام حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ فنا و بقا شہودی ہے۔ وجودی نہیں ہے کہ بندہ اس مقام پر لاشے (وجود ختم کرنا) نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے متحد ہوتا ہے بلکہ اس طرح کی حالت ہوتی ہے کہ بندہ ہمیشہ بندہ ہی رہتا ہے اور رب ہمیشہ رب ہی رہتا ہے۔ اگر کوئی ایسا مطلب لے جس سے اللہ تعالیٰ کے مخلوق میں حلول کرنے اور متحد ہونے کا شبہ پیدا ہونا ہو تو یہ واضح کفر والحاد اور بے دینی ہے۔ [۳]

۴) فنا و بقا

شیخ المشائخ امام العارفین حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ تمام لوگ تمھارے اوصاف کے بیان سے عاجز رہیں اور تم سے الگ رہ کر دوسرے کاموں میں مشغول

[۱] (کشف المحجوب)، [۲] (مکتوبات امام ربانی جلد اول)، [۳] (مکتوبات امام ربانی جلد نمبر ۱۔۳)

رہیں یعنی تمھاری ذات سے ان کا کوئی تعلق نہ رہے۔ [1]

شیخ المشائخ حضرت جنید بغدادی کا مزید فرمان یہ ہے کہ بندے کا اپنے اوصاف سے ہمہ تن گنگ ہو جانا اور اپنی ذات کو یکسوئی سے عمل میں لگائے رکھنا فنا ہے۔ [2]

۵) فنا و بقا

حضرت شیخ ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ فنا نام ہے حق کے ساتھ معدوم رہنے کا اور اس طرح حق کے ساتھ موجود رہنا بقا ہے۔ [3]

اور فرمایا فنا یہ ہے کہ بندہ کو اپنی بندگی نظر نہ آئے اور بقا یہ ہے کہ مومن مشاہدہ الٰہی میں مستغرق رہے۔ [4]

٦) فنا و بقا

قدوۃ السالکین شیخ الشیوخ مخدوم حضرت سید خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری فرماتے ہیں کہ جب تک بشریت غالب ہوتی ہے حقیقت اخلاص حاصل نہیں ہوتی۔ فنا وہ راستہ ہے جس کو طے کرنے کے بعد حقیقت اخلاص حاصل ہوتی ہے۔ [5]

۷) فنا و بقا

حضرت شیخ ابو یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ فنا و بقا دو اسم ہیں اور اس موحد بندے (توحید پرست) کی دو صفتیں ہیں جو اپنی توحید کے اندر رہتے ہوئے عام لوگوں کے درجے سے ترقی کرنے کے بعد خاص لوگوں کے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ فنا میں عبدیت بندے کے ساتھ ہوتی ہے اور بقا میں رضا الٰہی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ [6]

---

[1] (عوارف المعارف)، [2] (کتاب اللمع)، [3] (عوارف المعارف)، [4] (کشف المحجوب)، [5] (تاریخ مشائخ نقشبندیہ)، [6] (کتاب اللمع)

۸) فنا و بقا

امام المشائخ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق کے ساتھ ہو کر حق سے فانی ہو جاتا ہے اس کے لیے حق تعالی حق کو قائم رکھتے ہیں وہ شخص ربوبیت سے بھی فانی ہو جاتا ہے عبودیت کا تو ذکر ہی کیا۔ [1]

۹) فنا و بقا

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ فنا کا مطلب یہ ہے کہ لذات کو فنا کر دینا اس طرح کہ بندہ کے لیے کسی چیز میں کوئی حظ (لذت۔ رغبت) باقی نہ رہے صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالی کی ذات میں اس طرح فنا ہونا کہ ہر چیز سے مشغولیت فنا (ختم) ہو جائے جیسا کہ شیخ عامر نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا کسی دیوار کو۔ اسی فنا کے پیچھے پیچھے بقا ہوتی ہے۔ بقا یہ ہے کہ خود کو صرف اللہ تعالی کے لیے باقی رکھے۔ [2]

۱۰) فنا و بقا

فنا طریقت کے راستے میں داخل ہونے والا پہلا قدم ہے یا منازل قرب کا پہلا زینہ ہے۔ جب بندہ کے قلب (دل) سے غیر اللہ کے تعلقات اور محبتیں اٹھ جائی اور بندہ ہر چیز کو مکمل طور پر فراموش کر دے تو ایسی حالی کیفیت فنا کہلاتی ہے۔ صوفیاء عظام اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ فنا بمنزلہ رضوء ہے اور اللہ تعالی رب العزت کا قرب بمنزلہ نماز ہے۔ یعنی روحانی فنا کے بغیر اللہ تعالی کی حقیقی معنوی قربت ناممکن ہے۔

[1] (کتاب اللمع)، [2] (عوارف المعارف)

۱۱) فنا و بقا

حضرت شیخ قطب الدین دمشقی فرماتے ہیں کہ ذاکر (ذکر کرنے والا) کا مذکور (اللہ تعالی) میں اتنا مستغرق ہو جانا کہ ذات حق تعالی میں محویت کے مرتبہ کو حاصل کر لے تو اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ اپنے نفس سے، اپنے اعضاء سے، اپنے حواص سے نیز جملہ اشیاء خارجی سے غائب ہو جائے اور سب کو اللہ تعالی میں فنا کر دے اور جب کبھی ہوش میں آوے اسی رب تعالی کو ہی پاوے۔ فناء الضاء کی کیفیت یہ ہے کہ سالک کو ہمہ تن فنا ہونے کا علم بھی نہ رہے کیونکہ فنا کا علم ہونا بھی کدورت ہے۔ [۱]

۱۲) فنا و بقا

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ فنا کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کو بجائے خود معدوم سمجھے، اپنی ہستی کو اپنی نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ایک عاریت جانے اور ہر چیز میں ہر کمال مادی و علمی میں بلکہ یہاں تک کہ اپنے وجود و ذات کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالی کا محتاج سمجھے۔ [۲]

۱۳) فنا و بقا

عارف کامل حضرت مولانا محمد جلال الدین رومیؒ اپنی مثنوی میں فنا و بقا کے مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا قرب ایک عظیم نعمت ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لیے فنا کے مقام سے گزرنا لازمی ہے۔ اس فنا کے بعد جب بقا کی دولت سے بندہ مومن مشرف ہوتا ہے تو اس وقت نفس امارہ تزکیہ حاصل کر کے نفس مطمئنہ راضیہ مرضیہ بن چکا ہوتا

[۱] (ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک)، [۲] (تفسیر مظہری جلد ۶)

ہے۔ یہی مقام اخلاص ہے۔ جب تم خود کو غلام اور بندہ تسلیم کرلو گے تو اسی بندگی میں سلطانی مضمر ہے چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

چوں بمردم از حواص بوا البشر　　حق مرا شد سمع و ادراک و بصر

جب تم عشق الٰہی کی تڑپ میں کسی مرشد کامل کی صحبت سے اپنے نفس کا تذکیہ (صفائی) کرو گے تو ایسی صورت میں تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ حق تعالی کے نور سے تم سنو گے اور اسی کے عطا کردہ نور سے دیکھو گے اور اسی نورانی فراست سے ادراک کے حواص ظاہرہ اور حواص باطنیہ اپنے افعال سرانجام دیں گے۔ حواص ظاہرہ سے مراد حواص خمسہ ظاہریہ آنکھ، ہاتھ، زبان، ناک اور کان ہیں جو کہ عقل کی سرپرستی میں کام کرتے ہیں جبکہ حواص باطنیہ لطائف روحانیہ قلب، روح، سر، خفی، اخفی، نفس اور قالب ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان پر جن مسلط ہو جاتا ہے تو آدمی کے اوصاف اس سے گم ہو جاتے ہیں انسان کی اس وقت کی حرکات جن کی طرف سے متصور ہوتی ہیں حالانکہ سامنے آدمی ہی ہوتا ہے اس طرح جب عارف صادق پر اللہ تعالی رب العزت کی محبت و عشق غالب ہو جاتی ہے تو اس کے لطائف باطنیہ اور حواص ظاہریہ بلکہ جسم کے ذرہ ذرہ میں انوار سرایت کر جاتے ہیں تو اس حالت میں وہ مومن کامل اللہ تعالی کے عطا کردہ نور سے ہی دیکھتا ہے اور اسی سے دوہ سنتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ بندہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ تعالی کے نور سے دیکھتا ہے جب کہ دوسرے حدیث قدسی میں ارشاد ربانی ہے کہ میں بندہ مومن (صاحب قرب) کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اللہ تعالی کی ذات کی طرف ہاتھ آنکھ اور کان کی نسبت صرف انسان کو سمجھانے کے لیے کی گئی ہے ورنہ وہ ان سے بلند و بالا ہے۔ اس پاک ذات کی طرف جسم اور اعضاء کا خیال کرنا توحید کے منافی ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ ذات واجب الوجود ہے اور موجود ہے اور اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں ہے۔

ستارے دن میں مغلوب النور ہیں مفقود النور نہیں۔ اگر ان کی روشنی کا وجود ختم ہو جاتا تو رات کو کیوں ان کی روشنی تم کو نظر آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وجود ہے لیکن آفتاب کے نور سے ان کی روشنی مغلوب کالعدم ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ والوں کی فنائیت کو سمجھ لیا جاوے کہ حق تعالی کی عظمت کے مشاہدے سے اپنے وجود اور اس کی صفات سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے　　وہ ہم کو بھر بزم میں تنہا نظر آئے

یہی مفہوم وحدۃ الوجود کا ہے جسے جہلاء صوفیہ نے کچھ غلط رنگ دے دیا ہے۔ جس سے عقیدہ میں خرابی کا خدشہ ہے۔ کیونکہ وہ پاک ذات کسی چیز میں حلول نہیں کرتی۔

۱۴) فنا و بقا

حضرت علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالی کے قیام اور غلبہ کے سبب اپنے افعال کو نہ دیکھے اور بقا یہ ہے کہ بندہ ہر چیز پر اللہ تعالی کا قیام اور غلبہ مشاہدہ کرے۔ [۱]

۱۵) فنا و بقا

راقم الحروف ناچیز کے نزدیک قرب خداوندی کے وقت نزول کرنے والے انوارات کے سبب وجود انسانی سے اوصاف مذمومہ کا سقوط فنا کہلاتا ہے اور اوصاف محمودہ کا وجود و عروج بقا کہلاتا ہے۔ فنا و بقا عطیہ خداوندی ہے جو بندہ کو مقبول مومن بنا دیتا ہے۔

[۱] (کتاف التعریفات)

احوال فنا و بقا

اولیاء عظام کا فرمان ہے کہ ممکنات کا وجود اور وجود کے تمام لوازمات ذاتی نہیں ہیں۔ اور نہ انسان کے کمالات ذاتی ہیں۔ انسان کا وجود اور اس کے تمام کمالات اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ جب ہر انسان اپنی ذات اور کمالات کو اللہ تعالی سے مستعار کیے ہوئے ہے تو انسان کی شان وعظمت بھی استفادہ شدہ ہے اور ودیعت ربانی ہے۔

لہذا قرآن مجید کی آیت مبارکہ جس میں آتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے سپرد کردو۔ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے جس میں کعبہ کی کنجی عثمانؓ بن طلحہ کو دینے کا حکم ہے۔ مگر اس کا حکم عام ہے کہ جو حق بھی کسی کا کسی پر ہو وہ امانت ہے اور اسے ادا کرنا واجب ہے۔ لہذا ہر حکم صرف مال و دولت سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہر انسان کمالات کو امانت کے طور پر اٹھائے ہوئے ہے تو یہ بھی واجب ہوا کہ انسان اپنی ہستی و کمالات کا مالک نہ بن بیٹھے مثلاً اگر کوئی بادشاہ کسی غریب آدمی کو لباس امیرانہ پہنا دے تو اس غریب آدمی کی عقلمندی یہی ہوگی کہ وہ خود کو ویسا ہی خیال کرے جیسے پہلے تھا کیونکہ بادشاہ کسی وقت بھی عطا کردہ لباس کو واپس کرسکتا ہے۔ غریب آدمی کی خلعت فاخرہ ذاتی نہیں ہے بلکہ ادھاری اور مستعار ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ لہذا روحانی سفر میں جب بندہ مومن پر اس حالت کا غلبہ ہو جاتا ہے جس میں وہ اپنے آپ کو اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم جانتا ہے اور اس پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ تمام کمالات سے خالی ہے اور اس میں تمام مفاسد و شرور جمع ہیں۔ جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے کہ وہ تمام خرابیوں اور برائیوں کا مبداء و منبع ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہے اور صرف بارگاہ الٰہی کی محتاجی ہے تو بندہ مومن کے لیے یہ مرتبہ فنا ہوتا ہے۔ یہ کیفیت عقل وسوچ سے طاری شدہ نہیں ہوتی بلکہ انسان کے باطن کی پکار ہوتی ہے۔ جس میں بندہ مومن ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اس لمحے اس کو اپنا کچھ بھی نظر

نہیں آتا۔ اگر اللہ تعالی کا فضل و کرم مزید برسے تو اس باران رحمت سے اس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اس کا علم اس طرح اٹھ جاتا ہے کہ اسے اپنی ذاتی فنا اور کمالات سے خالی ہونے کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ عظیم نعمت فناء الفنا کا مرتبہ ہوتی ہے۔ اس بندہ مومن کو کمال اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ اس حال میں ہوتا ہے کہ میرا وجود ہے اور میں موجود ہوں مگر اللہ تعالی کی عطا سے مجھے عاریت کے طور پر یہ حاصل ہوا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی ہستی اور کمالات کو بھی اللہ تعالی کی عطا سمجھتا ہے یہ بندہ مومن کا شہودی درجہ فنا ہوتا ہے۔

اسی طرح بندہ مومن ذات خداوندی اور صفات الٰہیہ کی وجہ سے اپنی ہستی کی بقا محسوس کرتا ہے۔ اس کو بقا کا مقام کہا جاتا ہے۔ لہذا بقا باللہ کے مرتبہ میں وہ منظر ہوتا ہے جسے حدیث قدسی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ فرمان خداوندی ہے کہ میں مومن کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس فنا و بقا کے روحانی سفر کے نتیجہ میں بندہ مومن بندہ اور مخلوق ہی رہتا ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ تعلق مخلوق اور بندگی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے نفسوں کو پاک نہ قرار دو کیونکہ تمہارا کوئی کمال ذاتی نہیں ہے۔ اللہ تعالی جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اسے تذکیہ عطا فرماتا ہے۔ اس کے نور کی ایک کرن اور اس کے سمندر رحمت کی ایک چھینٹ انسان کو انسان کامل کے درجے میں پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ کمینہ انسان کہاں اور اللہ تعالی رب العزت کی عظمت و کبریائی کہاں۔ اس کے فضل و کرم کے علاوہ کوئی راستہ نہیں جس سے انسان ذلت و پستی کی گہرائیوں سے اٹھ کر اللہ تعالی کی محبت کا دم بھرنا شروع کر دے۔ لہذا اس مقام فنا و بقا سے مشرف لوگ ریا اور تکبر سے خالی ہو چکے ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں وہ کسی انعام اور کمال کا ذکر کرتے ہیں تو وہ حکمت و مصلحت کے طور پر کرتے ہیں۔ کہ اہل دنیا پر انعام الٰہی

کا شکر مقصد ہوتا ہے۔

مگر عام جاہل لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ پر اعتراض ازلی بدبختی کی علامت ہے کیونکہ وہ جاہل لوگ اللہ تعالی کے ولیوں سے دشمنی کر کے اللہ تعالی کے ساتھ اعلان جنگ کر رہے ہوتے ہیں جس میں ان کو تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا اور اللہ تعالی کے غضب کا شکار ہو کر دوزخی بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالی ہمارے ایمان و اسلام کو محفوظ فرمائے اور شرف قبولیت سے نوازے آمین بجاہ نبی الکریم ﷺ۔

اللہ تعالی کی طرف رخ کرنے اور ذوق رکھنے والوں کے لیے کتنی سعادت مندی کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ اس شخص سے اچھا دین کس کا ہوسکتا ہے جو رُخ (چہرہ) اللہ تعالی کی طرف جھکا دے اور وہ صاحب احسان ہو۔[1]

ایسا بندہ مومن فنا و بقا کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنی ذات کو اللہ تعالی کے لیے خالص کر چکا ہوتا ہے۔ اس کے قلب کی کوئی علمی یا میلانی وابستگی غیر خدا سے نہیں رہتی۔ ایسے خوش نصیب کا دل اور سارا بدن اللہ تعالی کے احکامات کا فطرتی پابند ہو جاتا ہے۔ اس کا نفس بغاوت چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ اس صورت میں احکامات الٰہیہ کی پابندی رضا الٰہی کے لیے ذوق و محبت سے کرتا ہے۔ اس میں نفس کی گرفتاری ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ فنا و بقا کے بعد تو بندہ مومن کو اپنا یا کسی اور کا کوئی وجود عالم امکان میں اصلی حقیقی نظر ہی نہیں آتا۔ کسی کے مستقل وجود یا کسی کو معبود و محبوب ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسا بندہ مومن درجہ احسان پر فائز ہوتا ہے اور محسن کہلاتا ہے۔

احسان والا شخص ہمیشہ حضور رکھتا ہے اور صاحب اخلاص یعنی مخلص بن چکا ہوتا ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ احسان یعنی اعمال کی خوبی کیا

[1] (المحصنات)

ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ تعالی کی اس طرح عبادت کر جیسے تو اللہ تعالی کو دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھ پاتا تو وہ تو بے شک تم کو دیکھتا ہے۔ [1]

تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا مقصد حقیقی درجہ احسان تک عبادات لے جانا ہے تاکہ عبادت نور اخلاص سے منور ہو کر خالص اللہ تعالی کے لیے ہوں اور شرف قبولیت حاصل کر سکیں۔ روحانی سلوک کی بنیاد یہ حدیث مبارکہ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور سلوک کی انتہا درجہ احسان کو مذکورہ حدیث کے مطابق پانا ہے۔

قدوۃ السالکین امام المشائخ حضرت سید خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاریؒ فرماتے ہیں کہ تیرا حجاب تیرا وجود ہے اپنا وجود چھوڑ اور آ جا۔ [2]

لہذا وجود کو فنا اور بقا کے راستوں سے گزارنا لازمی قرار پاتا ہے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ تمام اولیاء کرام نے تذکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے مشائخ کے مختلف روحانی سلاسل سے وابسطہ ہوئے اور اپنی منزل مقصود تک پہنچے۔

یعنی ان مومنوں پر ذات حق تعالی کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ استغراق فی الربوبیت کی لذت سے لطف اندوز ہو کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور ماسوٰی اللہ (غیر اللہ) سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور حقیقی بندگی میں آ جاتے ہیں۔

اقسام فنا بلحاظ لطائف

انسان ایک کامل و مکمل مخلوق ہے کیونکہ یہ عالم صغیر کا درجہ رکھتا ہے یعنی انسان عالم امر اور عالم خلق کا مجموعہ ہے۔ تمام مخلوقات میں سے کوئی مخلوق بھی اتنی جامع نہیں اسی لیے انسانوں میں سے معصوم یعنی انبیاء اور محفوظ یعنی اولیاء کو دنیا میں اللہ تعالی کی خلافت کا اعزاز حاصل ہوا۔

[1] (راوی حضرت عمرؓ متفق علیہ)، [2] (تاریخ مشائخ نقشبندیہ)

انسانی تکمیل کا سفر تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس سے وابستہ ہے۔ لہذا انسان کی باطنی فنا کی دو قسمیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) فنائے قلب ۲) فنائے نفس

۱) فنائے قلب

جب انسان ذکر قلبی کسی ولی کامل کی تربیت میں رہ کر کرتا ہے اور اپنے مرشد کے قلب سے نورانی توجہات حاصل کرتا ہے تو ذکر اور توجہ شیخ سے اس کا قلب ذاکر اور منور ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب قلب کو ذکر اور حضوری کی دولت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قلب سلیم بن جاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی قلب سلیم کی طرف اشارہ ہے کہ :اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ط [۱]

یعنی اس قیامت کے دن مال اور بیٹے انسان کو نفع نہیں دے سکیں گے مگر نفع اور کامیابی اسے حاصل ہوگی جو اللہ تعالی کے پاس دل سلیم کے ساتھ حاضر ہوگا۔

دل سلیم اللہ تعالی کی محبت سے سرشار دل ہوتا ہے۔ اللہ تعالی سے دوری پیدا کرنے والی اندرونی اور بیرونی تمام چیزوں سے نجات حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ یہ دل غیر اللہ میں گرفتاری سے محفوظ ہوتا ہے۔ یہ دل سلیم عرفان اور معرفت کے نزول کے لیے بالکل صاف وشفاف اور خالی ہوتا ہے تا کہ انوار واسرار کا انجذاب کر سکے جیسا کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شان کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ: اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۔ [۲]

---

[۱] (سورۃ الشعراء، پ۱۹، آیت نمبر ۸۹)، [۲] (سورۃ الصّٰفّٰت، پ۲۳، آیت نمبر ۸۴)

ترجمہ: جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے پاس سلامت دل (قلب سلیم) کے ساتھ۔

جب دل اللہ تعالیٰ کے علاوہ کو اس حد تک بھول جاتا ہے کہ جب وہ تکلف سے بھی ما سوا (غیر اللہ) کو یاد کرے تو وہ یاد نہ آئے۔ جب ذاکر (ذکر کرنے والا) کا علمی اور حبی تعلق بھی ما سوا سے بالکل ختم ہو جائے اور ذاکر کو (مذکور) اللہ تعالیٰ کے ساتھ محویت اور استغراق نصیب ہو جائے تو اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔

قلب کا تعلق عالم امر کے پانچ لطیفوں سے ہے اور یہ عالم امر کا پہلا لطیفہ ہے۔ عالم امر کا ہر لطیفہ ایک عالم ہے جو کہ عالم خلق سے کئی گناہ بڑا ہے۔ عالم خلق جس میں ہم رہتے ہیں عالم امر کے ہر لطیفے سے تنگ اور چھوٹا ہے۔ طالب نابینا کا حکم رکھتا ہے۔ اس کا کسی ولی کامل کی خدمت میں پہنچنا محض عطائے الٰہی ہے ولی کامل اپنے نور قرب سے طالب کو فنا و بقا کی منزلوں تک لے جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ عالم امر کے پانچوں لطائف کے ظہور کا محل عرش کے اوپر ہے جو کہ لامکانیت کے ساتھ موصوف ہے۔ عالم امر کی لامکانیت و بے چونی عالم خلق کی نسبت سے ہے جو کہ مکانیت اور چندیں و چونی کے ساتھ داغدار ہے لیکن بے چونِ حقیقی (اللہ تعالیٰ رب العزت) کی عظمت کی نسبت سے عین چوں ہے اور اس کی لامکانیت عین مکانیت ہے۔ پس یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عالم امر مکانی و لامکانی اور چوں و بے چوں کے درمیان گویا برزخ ہے اور عالم امر دونوں طرف سے خصوصیت رکھتا ہے اور دونوں طرف سے بہرہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنی حکمت کاملہ سے عالم امر کو عالم خلق کے ساتھ عشق و محبت دیا ہے لہذا اسی محبت کی وجہ سے عالم امر کو انسانی جسم (بدن عنصری) کے ساتھ ایک خاص تعلق نصیب ہوا ہے۔ عالم امر لامکاں ہونے کے باوجود برزخ ہونے کے باعث ایک مکان یعنی جسم انسانی (بدن عنصری) میں آرام لیا ہے اور قیام پکڑا ہے۔ اس طرح لطیفہ قلب انسانی جسم کے سینہ کی بائیں جانب جو مضغہ قلب یعنی

گوشت کے ٹکڑے والے قلب کا مقام ہے وہاں تعلق قیام پکڑ لیا ہے۔ قلب کی فنا کا عمل اس طرح شروع ہوتا ہے کہ جب قلب پر مرشد کامل کی توجہات سے فیوضات و انوارات کی انکاسی بارش ہوتی ہے تو اس کی کثافتوں اور تاریکیوں کو صاف کرتی ہے تا کہ قلب اپنی اصلی اور فطرتی حالت میں آ جائے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ قلب پر تاریکی اور غفلت نفس امارہ کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے گویا قلب کی بیماری ذاتی نہیں ہے جیسے کہ نفس کی بغاوت پر مبنی صفات ذاتی ہیں۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے قلب فنا کے سفر پر روانہ ہوتا ہے اور لطیفہ قلب عرش سے اوپر کی طرف اپنے اصل کی طرف عروج کرتا ہے جہاں سے اس کو نیچے اتار کر جسم انسانی میں رکھا گیا تھا۔ اگر اللہ تعالی کا فضل و کرم مزید باران رحمت کی صورت میں برسے تو پھر قلب اپنے اصول سے بھی آگے کی طرف بڑھتا ہے یعنی لطائف کے اصول سے ان کے مبداء فیض یعنی اصولِ اصول کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنے اور فنا حاصل کرنے سے قلب کو صفات فعلیہ اور اضافیہ سے وصول ہوتا ہے اور ان سے نور چینی اور فیض یابی حاصل ہوتی ہے اس وقت ذکر حالی اور حضوری کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں پر عنوان میں فنا قلب ہی کو موضوع بنایا گیا ہے حالانکہ وہ عالم امر کے پانچ لطائف (یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفی) میں سے جزو اول ہے اور اہم جزو ہے۔ ان پانچ لطائف کو فنا کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ ہر لطیفہ کے کمالات کو حاصل کرنا اس کی فنا و بقا سے مشروط ہے اور ان پانچ عالم امر کے لطائف کے عروج و نزول سے ولایت کے پانچ درجات مشروط ہیں۔ اگر چہ بعض لطائف کی فنا و بقا سے بھی ولایت حاصل ہوتی ہے مگر ولایت کا کمال لطیفہ اخفی کی فنا و بقا پر منحصر ہے۔ ان تمام لطائف کی فنا و بقا نعمت عظمٰی کا درجہ رکھتی ہے۔ لہذا اگر کسی کو تمام لطائف کی فنا و بقا حاصل نہ ہوئی تو وہ اس کمال سے محروم رہے گا جس لطیفہ کی فنا نہیں ہوئی اور اسی طرح آخرت میں

بھی اس لطیفہ کے فوائد و ثمرات سے محروم رہے گا کیونکہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ لہذا فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا۔

عالم امر کو کمالات ولایت کے ساتھ مناسبت ہے جبکہ لطائف عالم خلق کو کمالات نبوت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ اسی طرح عالم امر کی ولایت ظلی حیثیت رکھتی ہے جبکہ عالم خلق کی ولایت حقیقی ولایت کا درجہ رکھتی ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا (یعنی غفلت اختیار نہیں کرتا بلکہ ذاکر و منور رہتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے)۔

یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی نیند آپ ﷺ کے وضو کو توڑتی نہ تھی۔ لہذا جب اولیاء اللہ کے دل قلب مصطفےٰ ﷺ سے روحانی طور پر منسلک ہو جاتے ہیں (جیسے آج کے دور میں موبائل فون، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ) تو پھر ان کو آپ ﷺ کے قلب سے فیضان اور نور کی شعاعیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس باطنی کرنٹ اور نور سے اولیاء کے دل بھی دائمی ذکر کی نعمت جسے قرآن نے کثرت ذکر سے بیان کیا ہے، حاصل کر لیتے ہیں۔

تمام اکابرین مفسرین نے لطائف باطنی کے ذکر کو ہی ذکر کثیر قرار دیا ہے کیونکہ زبان سے ذکر کثیر ممکن نہیں ہو سکتا۔

اس مقام پر اللہ تعالی کے ذکر کی موجیں دل میں ٹھاٹھیں مارتی ہیں۔ اور بندہ ذاکر اپنے رب تعالی (مذکور) میں ایسا مستغرق اور گم ہو جاتا ہے کہ ذکر کرنے کے تکلف سے بھی نجات پا چکا ہوتا ہے۔ اس وقت قلب کو حضوری کی نعمت مل چکی ہوتی ہے اور حضوری دل کی صفت راسخہ اور فطرت بن جاتی ہے جیسے دیکھنا آنکھ کی صفت ہے۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے بندہ مومن کے دل سے اللہ تعالی کے علاوہ ہر چیز اپنا سامان اٹھا کر رخصت ہو جاتی ہے اور میدانِ دل اللہ تعالی رب

العزت اور حضور ﷺ کے لیے خالی ہو جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی اور حضور ﷺ کی محبت و اطاعت حکمی طور پر ایک درجہ رکھتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: **مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔** [۱]

ترجمہ: جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی پس بے شک اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فیصلہ اور حکم نبی پاک ﷺ کا فیصلہ اور حکم ہی کہلاتا ہے۔

چنانچہ فرمایا: **اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَمْرًا۔** [۲]

ترجمہ: جب اللہ اور رسول ﷺ کسی کام میں فیصلہ کر دیں۔

حالانکہ فیصلہ حضرت زینب کا نکاح حضرت زید کے ساتھ حضور ﷺ نے کیا تھا۔

اسی طرح معنوی اور روحانی قربت بھی ایک حکم میں آتی ہے۔ اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ کی رضا بھی ایک ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ۔** [۳]

ترجمہ: اللہ تعالی اور رسول ﷺ زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی رضا حاصل کی جائے۔

اللہ تعالی نے اپنی رضا اور نبی کریم ﷺ کی رضا کو ایک قرار دیا ہے اور یُرْضُوْھُمَا، دو (تثنیہ) کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا۔

شیخ المشائخ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت ولی کامل کے دل کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں غیر اللہ کا گزر نہیں رہتا اور اللہ تعالی کے ماسوا سے علمی اور حبی تعلق زائل ہو جاتا ہے اور قلب کو ماسوا سے فراموشی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ غیر کی دید و دانش سے

---

[۱] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر ۸۰)، [۲] (سورۃ الاحزاب، پ۲۲، آیت نمبر ۳۶)، [۳] (سورۃ التوبۃ، پ۱۰، آیت نمبر ۶۲)

فارغ ہو جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے مطلوب (رب تعالی) میں فانی اور مستغرق رہتا ہے۔[۱]

فنا اور بقا لازم وملزوم ہیں۔ بندہ مومن کو فنا باطنی کے بعد ہی بقا کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔[۲]

جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ مَنْ قَتَلُه‘ فَاَنَا دِیَّتُه‘ ۔

ترجمہ: جسے میں قتل کرتا ہوں تو اس کا خون بہا (بدلہ) میں خود ہوتا ہوں۔[۳]

اللہ تعالی کے عشق ومحبت سے سرشار لوگ اپنے محبوب حقیقی کے قرب کو پانے کے لیے اپنی جان کو مجاہدہ نفس اور عبادات میں قربان کرتے ہیں اور خواہشات نفسانیہ کی قربانی پیش کرتے ہیں تو ان کو عشق الہی کی تلوار شہید کرتی ہے یعنی فنا و بقا کی منزلِ عظیمہ گزرتے ہیں۔ وہ محبوب حقیقی کی تلوار عشق کے شہید ہوتے ہیں جبکہ کفار کی تلوار سے شہید ہونے والوں کو قرآن حیات دائمی کی بشارت دیتا ہے تو وہی بشارت ان تلوار عشق سے شہید ہونے والوں کے لیے ہے کہ ان کو بھی مردہ نہ کہو وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ لہذا صدیقین، شہداء اور صالحین ان مومنین کاملین کے درجات کے مطابق اعزازات ہیں۔

فنائے قلبی کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:۔

1) فنائے مطلق

اس فنائے قلبی میں بندہ مومن کے دل سے کچھ غیر اللہ چیزیں فراموش ہو جاتی ہیں اور کچھ باقی رہتی ہیں۔ اس کو فنائے ناقص بھی کہا جاتا ہے۔

---

[۱] (مکتوبات امام ربانی جلد دوم)، [۲] (مکتوبات معصومیہ)، [۳] (تلوار عشق۔ فنا و بقا)

2) فنائے تام

اس فنائے قلبی میں بندہ مومن کے دل سے تمام ماسوٰی فراموش (یعنی بھول۔ ختم) ہو جاتا ہے۔ یہ اعلی درجے کی فنا ہے۔

اگر کوئی شخص نفس پرستی اور خودفریبی کا شکار ہو کر فنائے قلبی کا غلط دعوی کرتا ہے حالانکہ اس بدبخت کو فنائے قلب کے احوال و کیفیات کی نعمت حاصل نہیں تو ایسے کسی بھی شخص کو اللہ تعالی رب العزت کے سامنے حاضری کے دن کا خوف کرنا ہوگا کہ وہ اپنے جھوٹ اور دھوکہ کا کیا جواب دے گا۔ ابھی خودفریبی سے نجات اور توبہ و استغفار کا وقت باقی ہے۔

فنائے قلبی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکرادا کرنا لازمی ہے۔ یہ ایسا فضل ربانی ہے جس سے بندہ مومن کے لیے حضوری اور مشاہدہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالی کی قربت ولایت کا پہلا قدم ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کے فضل و رحمت کی جب مزید بارش ہوتی ہے تو بندہ مومن کو الہام اور نور فراست کی دولت عطا کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالی کی رحمت و فضل کو کوئی روکنے والا نہیں ہے یہ سب عطائی اور وہبی نوازشات ہوتی ہیں۔ اس نعمت عظمی کے حصول کے بعد بندہ مومن کا ایمان درجہ غیبی سے ترقی کر کے درجہ شہودی میں پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت صورت ایمان کو حقیقت ایمان نصیب ہو جاتی ہے۔ گویا ایمان مجازی (عام آدمی کا ایمان) عروج کر کے ایمان حقیقی (کاملین کا ایمان) بن گیا۔

ایمان مجازی میں نقصان اور کمی و بیشی کا خطرہ ہوتا ہے۔ جبکہ ایمان حقیقی نور اخلاص سے منور ہونے کے سبب مقبول و محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایمان کی اصلی صورت نور ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ابھی ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا حقیقی نور تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

صورت اور حقیقت کا فرق الفاظ سے سمجھنا مشکل ہے۔ مگر جب اللہ تعالی کا فضل و کرم برستا ہے تو پھر بندہ مومن کو صورت ایمان اور حقیقت ایمان میں فرق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پھر صورت عبادات (ذکر، نماز، روزہ، حج اور ذکوۃ وغیرہ) اور حقیقت عبادات کا فرق دکھایا جاتا ہے۔

اسی طرح عقیدہ توحید ورسالت کی صورت اور حقیقت کا فرق واضح ہوتا ہے۔ یہ صرف الفاظ و خیالات کا کھیل نہیں بلکہ اس کے آگے عظیم حقائق واسرار اور انوارات و معارف ہیں۔ جو بندہ مومن کی میراث ہیں۔ لہذا ان کا حاصل کرنا بندہ مومن پر واجب ہے۔

جب اللہ تعالی کی صفات اور اسماء کا جلوہ صوفی (ولی کامل) کے دل پر پڑتا ہے تو اسے قلبی بصیرت کے ذریعے مشاہدات کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔ جب ظلال وصفات کے انوارات عکس ریزی کرتے ہیں تو ولی کے دل کے احوال وکیفیات بدل جاتے ہیں۔ اس نور انگیزی سے قلب میں عظیم تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جن کے نتیجے میں ولی پر ایسا انکشاف ہوتا ہے جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ عالم امکان وجود ظل سایہ اور پرتو کی مانند ہے اور اصلی صورت میں معدوم (درجہ وھم میں) ہے۔

جبکہ تجلیات و مشاہدات سے پہلے ولی یہ خیال کرتا تھا کہ عالم امکان یعنی مخلوقات کا اپنا خود وجود ہے مگر جب ولی اللہ پر باطنی نور پاشی ہوجاتی ہے تو وہ اس خیال سے باہر آجاتا ہے تو اس کو مخلوق کا غیر حقیقی اور ظلی وجود سامنے نظر آجاتا ہے اور مخلوق معدوم اور درجہ وھم میں نظر آتی ہے۔

جبکہ تمام اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی واجب الوجود ذات ہے اس کا وجود حقیقی ہے اور وہ موجود ہے۔

فنائے قلب کے بعد استدلالی عقیدہ دولت مشاہدو یقین کی وجہ سے کشفی عقیدہ بن جاتا ہے۔

عمدۃ المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی نقشبندی آیت مبارکہ: **وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ**۔ [1]

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالی کے ساتھ دوسرے معبودوں کو نہیں پکارتے۔

کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت قرآن میں فنائے قلب یعنی دل کی فنا کی طرف اشارہ ہے۔ [2]

بندہ مومن فنا و بقا کے بعد ظاہری معبودوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ فناء قلب کے بعد بندہ مومن اللہ تعالی کے علاوہ کسی چیز کی طرف قصد نہیں کرتا اور نہ ہی متوجہ ہوتا ہے۔ حقیقت ان چیزوں سے وہ کٹ چکا ہوتا ہے اگرچہ وہ دنیا کے معاملات میں مشغول نظر آتا ہے لیکن قلبی طور پر دنیا کی محبتوں سے آزاد ہو چکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ دوران حج میں نے ایک مومن کو دیکھا کہ کاروباری تجارت میں بہت مصروف نظر آیا مگر اس کے دل کو نور فراست سے دیکھا تو اس کا دل اللہ تعالی کی طرف مکمل طور پر متوجہ تھا اور اس کی محبت میں مستغرق اور محو تھا۔ اس تجارتی مصروفیت کے باوجود وہ ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت اور دوری کا شکار نہ ہوا جبکہ ایک شخص کو دیکھا جو باطنی اور قلبی طور پر اللہ تعالی کی محبت و قربت سے بہت ہی دور تھا اگرچہ اس کا جسم کعبہ شریف کے نزدیک تھا۔

ایسے بندگان حق کی شان میں قرآن نے فرمایا: **لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ**۔ [3]

ترجمہ: کہ ان کو بیع و تجارت اللہ تعالی کے ذکر سے روک نہیں سکتی۔

لہذا قرآن و حدیث سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی

---

[1] (سورۃ الفرقان، پ۱۹، آیت نمبر ۶۸)، [2] (تفسیر مظہری)، [3] (سورۃ النور، پ۱۸، آیت نمبر ۳۷)

لازمی نہیں ہے۔ اصل چیز دنیاوی معاملات سے باطنی ہجرت کرنا ہوتی ہے۔ اسی لیے اولیاء کرام کی دنیا میں مشغولیت سے ظاہری آنکھ والے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کیونکہ وہ خود دنیا کی محبت میں حقیقی گرفتار ہوتے ہیں۔

فنائے قلب کے بعد بندہ مومن یعنی کامل کو وہ شان حاصل ہو جاتی ہے جس کے بارے میں حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ: **لَا یَسۡعُنِیۡ اَرۡضِیۡ وَلَا سَمَائِیۡ وَلٰکِنۡ یَسۡعُنِیۡ قَلۡبَ عَبۡدِیَ الۡمُئۡومِنۡ۔**

ترجمہ: (اس حدیث قدسی میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ) میری زمین اور میرا آسمان مجھے سما نہیں سکتے بلکہ میں بندہ مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں۔

اس حدیث میں اللہ تعالی کی قربتوں کی انتہا کی طرف اشارہ ہے۔ عام آدمی اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب تمام لطائف عالم امر اور عالم خلق کو عروج نصیب ہوتا ہے اور وہ فنا و بقا سے مشرف ہو جاتے ہیں تو عالم خلق و عالم امر کے باہمی ملاپ سے قلب کو ایک اعلی ترین شان عطا ہوتی ہے جسے ہیت وحدانی کہتے ہیں۔ یہاں حدیث مبارکہ میں ہیت وحدانی کا حامل قلب مراد ہے۔ جو لامکانی اور لامحدود کیفیت والا ہوتا ہے (اس کی مزید وضاحت جلد اول باب قلب میں موجود ہے)۔

ایسا خوش نصیب دل جلوہ گاہ رب العزت بن جاتا ہے اور عرش الٰہی کی سی حیثیت کا حامل بن جاتا ہے۔

فنائے قلب کے روحانی عمل کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔ باقی اسرار و معارف ناقابل بیان ہوتے ہیں۔

حضرت امام العارفین قیوم زمانی خواجہ محمد معصومؒ فاروقی سرہندی فرماتے ہیں کہ ایک

مرید میر محمد زمان نے اس طرح عرض کیا کہ میں ایک روز مراقبہ میں لطیفہ قلب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ایسا حال ظاہر ہوا کہ دل کے اندر ایک اور دل ہے۔ پھر اس دل کے اندر مزید کوئی دل ہے اس طرح کرتے کرتے پانچ، چھ دل آئینہ کے عکس کی مانند جو کہ دوسرے آئینہ میں نظر آتا ہے نمودار (ظاہر) ہوئے اور چھٹے قلب کے اندر ایسی بے انتہا وسعت پائی کہ اگر زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اس میں ڈال دیں تو ہرگز اس میں کوئی تنگی نہ ہوگی اور خاص الخاص تجلی بھی مشہود (ظاہر ہوئی) اور اس طرح ایک ایسی فنا عطا ہوئی کہ جس سے اوپر کوئی فنا متصور نہیں ہے۔

اس فنا کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت خواجہ محمد معصوم مجددیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دید بہت اعلیٰ ہے اور اس تجلی خاص الخاص میں کیا کلام ہے یہ تو قلب ہے:

وَلٰکِنۡ یَّسۡعُنِیۡ عَبۡدِیَ الۡمُؤمن۔

اور لیکن میں بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

کے شرف کے ساتھ مشرف ہونا ہے اور فنا تجلی کے موافق ہے جس قدر تجلی خاص ہوگی اتنی ہی فنا میں خصوصیت و شان ہوگی۔ [1]

قدوۃ العاشقین حضرت خواجہ معصوم فاروقی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ توحید خالص کی امید فنائے قلبی سے مشروط ہے جو کہ دل پر اللہ تعالیٰ رب العزت کی تجلی فعل کے ظہور سے (ظاہر ہونا۔ اترنے سے) حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ فنا و بقا لازم و ملزوم ہیں۔ جب تجلی فعل کے ظہور سے قلب فانی ہو جاتا ہے تو اس فنا میں ولی کے فعل کی نفی ہو جاتی ہے اور ولی اپنے آپ کو مسلوب الفعل پاتا ہے۔ اس کے بعد بقا اس طرح ہوتی ہے کہ ولی اللہ تعالیٰ رب العزت کے فعل کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اپنے فعل کو اللہ تعالیٰ کے فعل (کام) کی طرف منسوب پاتا ہے۔ [2]

[1] (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۱۰۷، دفتر دوم)، [2] (مکتوبات معصومیہ)

۲) فنائے نفس

نفس اس بخار لطیف کو کہا جاتا ہے جو ان چار عناصر ہوا، آگ، پانی، مٹی (قالب انسانی) سے پیدا ہوتا ہے جن سے جسم انسانی کی ساخت بنتی ہے۔ نفس کو روح سفلی بھی کہتے ہیں۔ مزید یہ کہ جسم کو نفس نہیں کہا جاتا۔

عارف حقانی قیوم زمانی حضرت شیخ خواجہ محمد معصوم فاروقی نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ فنائے نفس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ حاضر (ذاتِ سالک) کی پوری طرح نفی ہو جائے اور عدم محض کے ساتھ اس درجہ تک مل جائے کہ خود کو انا (میں) سے تعبیر نہ کر سکے۔ اس فنا سے مقصود اللہ تعالیٰ کے ماسوا (غیر۔ علاوہ) کے ساتھ گرفتاری کا زائل ہونا ہے۔ خواہ وہ غیر آفاق ہو یا انفس ہو، جو بھی ہو زہر قاتل ہے اور مرض مہلک ہے۔ اس فنا کا فائدہ ایمان کا روشن و نمایاں ہونا ہے اور احکام شرعیہ کا کامل طور پر مطیع ہونا۔ اس کا بڑا فائدہ طاعات میں خود پسندی اور ریا کا قدرتی طور پر ختم ہونا ہے اور اخلاص کا آنا ہے اور نفس امارہ کی فطرتی بغاوت کو ختم کر کے اسے نفسِ مطمئنہ کے مقام پر فائز کرنا ہے۔ [1]

عام طور پر نفس امارہ کی موجودگی میں انسان کو اپنے عیب اور برائیاں نظر نہیں آتیں جبکہ وہ اپنے اندر خوبیاں اور کمالات محسوس کرتا ہے اور ایسے شخص کی بندگی بھی نفس کی رضا کے لیے ہوتی ہے اور باقی نیکی کے معاملات بھی نفسانی خواہشات کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔ فنائے نفس اس لیے ضروری ہے کہ ذاتی مراد اور رضا ختم ہو جائے اور اسکی جگہ اللہ تعالیٰ رب العزت کی رضا اور مراد آجائے۔

انسان جو کمالات اور خوبیاں اپنی طرف منسوب کرتا ہے ان سب کو حقیقی مالک اللہ تعالیٰ

---

[1] (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۱۷۷، جلد نمبر ۱)

رب العزت کی ملکیت تعلیم کرنے والا بن جائے خود کو تمام خوبیوں سے عاری اور عاجز و ننگا سمجھنے والا بن جائے۔ ادھار اور مستعار لیے ہوئے کمالات کا اپنی ذات کے لیے دعوی کرنا باطل اور فاسد خیال ہے۔ جب نفس پر فیضان رحمت کی کرنیں برستی ہیں تو اس وقت اپنے نفس کو خالی سمجھتا ہے کہ (ممکن) انسان کی حقیقت عدم ہے اور انسان اپنے وجود اور حیات اور دیگر کمالات میں اللہ تعالی کا محتاج ہے۔ انسان اپنے دعوی خودی کے ساتھ اپنے رب سے دشمنی کرنے والا اور اس کے کمالات میں شرک کرنے والا بن جاتا ہے۔

اسی لیے حدیث مبارکہ میں حکم آتا ہے کہ تو اپنے نفس کو دشمن سمجھ کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے۔

جب انسان فنا و بقا کے روحانی مقام کو حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت وہ شرکِ خفی اور مرض باطنی کی گرداب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو کمالات سے خالی اور خود کو عدم کے ساتھ ملا ہوا دیکھتا ہے اور اس کو وجود عطائی کے موجود ہونے کا یقین حاصل ہو چکا ہوتا ہے اس طرح اس کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور وہ اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے بالفاظِ دیگر فنا و بقا کا مقصد حقیقی بندگی اور نیستی کا حاصل کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ بندہ بندگی و اطاعت سے قدم باہر رکھے اور بزرگی و کمالات کے دعوے پیش کرے۔ حسی اور غیبی صورتوں سے آگے نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ چیزیں مخلوق کا درجہ رکھتی ہیں دنیا میں فنا و بقا سے حاصل ہونے والا بہترین سرمایہ یقین ہے۔ مشاہدات واحوال کے نظارے کروانے کا مقصد بھی یقین ہی ہوتا ہے اگر ان کے بغیر ہی اللہ تعالی دولت یقین سے نواز دیں تو یہ اس پاک ذات کا احسانِ عظیم ہے۔

سالکین طریقت میں سے کچھ کو تفصیلی مشاہدات عطا ہوتے ہیں اور بعض کو تیزی سے اجمالی طور پر گزار دیا جاتا ہے۔ جو معاملہ بھی انسان کے لیے شکر گزاری اور بندگی سب سے بڑا

زیور ہے۔ جب محض فضل خداوندی سے فنائے حقیقی سے انسان کو شرف کیا جاتا ہے۔ تو بندہ مومن پر اللہ تعالیٰ رب العزت کی ہستی غالب آ جاتی ہے اس صورت میں بندہ عارف اپنے اخلاق، اوصاف و کمالات اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں پوری طرح پیش کر دیتا ہے۔ اور ہر قسم کے انتسابات سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس کا مقدر اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ کے پرتو اور فیضان سے جگمگا جاتا ہے اور وہ فضل رحمانی سے اوصاف حمیدہ کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اگر چہ وہ خود ہر کمال کی نفی کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے مگر اس سے خیر و برکت کی خوشبوئیں ہر طرف پھیلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ خصوصی اوصاف و کمالات سے فیضیابی پا چکا ہوتا ہے۔ اس بندہ مومن کا وجود اہل زمین کے لیے نمونہ رحمت ہوتا ہے۔

ان ہستیوں کے بارے میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان کے پاس بیٹھنے والا کوئی بھی محروم نہیں رہتا اور ان کے صدقے ہی اہل زمین کو بارشیں اور رزق عطا کیا جاتا ہے۔

اولیاء عظام کے نزدیک فنا و بقا سے متعلق اہم ترین آیت قرآن یہ ہے:

مَا عِنْدَ کُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ط [۱]

ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

بندہ مومن اپنے وجود اور تمام کمالات کو خداداد سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ رب العزت کی امانت اور عاریت سمجھتا ہے اس لیے کمالات پر غرور نہیں کرتا۔ فنا کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے وجود کو معدوم سمجھے اور اپنی ہستی کو اپنا نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ عاریت جانے۔

[۱] (سورۃ النحل، پ۱۴، آیت نمبر ۹۶)

فنا و بقا کا سارا عمل جہاد اکبر کرنا ہے۔ جو ایک شیخ کامل کی نگرانی کے بغیر بالکل ناممکن ہے۔ اللہ تعالی رب العزت نے اپنی کمال حکمت کے تحت نور کو ظلمت پر عاشق کر دیا۔ وجود انسانی میں نور کا ظلمت کے ساتھ تعلق قائم کر دیا تا کہ اس نور کی چمک دھمک اور جلاء میں مزید نورانیت و لطافت پیدا ہو جائے۔ نور کی مزید صفائی اور کمال کے لیے ظلمت کا پڑوسی ہونا ضروری تھا۔ اس نور کو جسم انسانی کے ساتھ تعلق سے پہلے ایک شہود قدسی حاصل ہوتا ہے مگر خاص حکمت کے تحت جب نور کا اپنے معشوق ظلمانی یعنی انسان کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ یہ تعلق جب زیادہ بڑھ کر استغراق کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس وقت یہ نور اپنی ذات اور توابع وجود کو بھی فراموش کر جاتا ہے۔ یعنی یہ نور نفس انسانی کی صحبت اور ہم نشینی کے باعث اصحاب مشئمہ سے ہو جاتا ہے۔ یعنی ابتداء میں بری ہمنشینی اس کو بد اور گمراہ بنا دیتی ہے۔ اب اس نور نے پستی سے عروج کی طرف راستہ نکالنا ہوتا ہے اور نفس انسانی کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی منازل طے کرنی ہیں۔ اصحاب مشئمہ (نافرمان یعنی بائیں ہاتھ والے لوگ) سے اصحاب میمنہ (صالح۔ دائیں ہاتھ والے لوگ) میں ترقی کر کے جانا ہے اور پھر فضل الہی سے مقربون (یعنی سابقون بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والے محبوب لوگ) میں جانا ہے۔

جب انسان فنا نفس کی ضرورت کا احساس اور اپنی گم شدہ عظمت کو پانے کا شوق حاصل کر لیتا ہے تو پھر جلد اپنی اصل منزل کی طرف رخ کرتا ہے۔ اللہ تعالی کی محبت کی تڑپ بڑھتی ہے اور عارف کامل کی سرپرستی کی محافظت کرتی ہے تو طالب حق (سالک) فنائے نفس کے مراحل طے کرتا ہوا اپنے محبوب حقیقی اللہ تعالی رب العزت کے مشاہدہ میں دوبارہ استغراق حاصل کرتا ہے۔ اور اس اپنی اصل کی طرف بڑی مستعدی اور قوت سے بڑھنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ اب اس کی نورانی صلاحیتوں نے نفس کے گھوڑے میں بیٹھ کر سفر کیا ہے اب اس کی

باطنی صلاحیتوں کی منزل قربت خداوندی ہوتی ہے اوراب انسان کامل کی ظلمت مجبوراً نور کے تابع ہو چکی ہوتی ہے اور ظلمت نور کے غالب انوار میں مغلوب اور گم ہو جاتی ہے اور نفس کو اطمینان حاصل ہو چکا ہوتا ہے اور نفس کا یہ اطمینان حقیقی اور حالی ہوتا ہے۔ اس حالت میں نفس کے تمام خطرات مکمل طور پر ختم ہو چکے ہوتے ہیں ایسا خوش نصیب انسان نورالانوار کے مشاہدہ میں ہلاک ہو کر شہادت حقیقی حاصل کر لیتا ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کی دیت وبدلہ میں خود ہوں۔

یہ خوش نصیب نفس عشق ربانی کی تلوار سے شہید ہونے والا ہوتا ہے۔ ان سعادت مندوں کو فنا جسمانی (نفس) اور فنا روحانی سے مشرف کر دیا جاتا ہے۔ اس نفس مطمئنہ کو یہ شان حاصل ہوتی ہے کہ جس کی خوشخبری قرآن کے اندر اس طرح آتی ہے کہ: اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ اس حال میں کہ رب تجھ سے راضی اور تو رب سے راضی ہو چکا ہے۔

قرآن کی نص سے ایک اہم ترین نقطہ ظاہر ہوتا ہے کہ نفس مطمئنہ کی اتنی ناقابل بیان شان بن چکی ہے کہ اللہ تعالی رب العزت کی طرف اس کو مہمان بنا آنے کی دعوت دی جارہی ہے کیونکہ ایسے خواص مقربون کو یہ نعمت سرور کائنات سید المرسلین، محبوب رب العالین کی کی محبوبیت کے دائرہ اور حرم خاص میں طفیلی کے طور داخل ہونے کے سبب حاصل ہوتی ہے ورنہ محبوبیت قطعی طور سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کے لیے خاص ہے۔ اس لیے اللہ تعالی نے اپنے عاشقوں (محبین) کو فرمایا ہے کہ میرے محبوب کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑے ہوتے جاؤ اور دائرہ محبوبیت میں داخل ہو کر ہی تم میری قربت ومحبت کو پا سکتے ہو ورنہ بغیر واسطہ مصطفے ﷺ تم میری محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود میری قربت پا نہیں سکتے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہِ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُم اللّٰہ۔

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالی کے محبّ ہو تو پھر تم میری اتباع (نگرانی۔ قیادت۔ پیروی) میں آ ؤ پس تمہیں اللہ تعالی اپنا محبوب بنالے گا۔

اس آیت سے صاف صاف ثابت ہے کہ محبّ کے لیے لازمی ہے کہ محبوب کی واللّیل کی زلفوں کی مستی میں مدہوش ہو جائے اور چہرہ والضحی کے نور میں اپنی صبح کرے تب جا کر اللہ تعالی کے محبوب کے لیے قبول ہو گا اور پھر اس دائرہ محبوبیت میں پہنچنے کے بعد اس کو اللہ تعالی اپنا محبوب ظلی بنائیں گے اور اس اللہ تعالی کی بے انتہا عظمتوں والی بارگاہ کی طرف راہ ملے گی ورنہ اس کے علاوہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ کسی محبّ کی محبت کو اللہ تعالی قبول نہیں فرما رہے تا وقتیکہ وہ بارگاہ رسالت ﷺ میں اپنے آپ کو قابل قبول بنائے۔ قرآن کے الفاظ کا نور یہ سب حقیقتوں سے پردے چاک کر رہا ہے۔ بشرطیکہ قرآن فہمی کسی کو نصیب ہو جائے۔

فنا کے بعد اگر بندہ مومن کو اللہ تعالی رب العزت کے ساتھ بقا کی نعمت نصیب ہو جائے ایسی کامل شخصیت پر ہر ولایت کا اطلاق درست ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندہ مومن کو فنا و بقا کی دو جہتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بعض مومنوں کو مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے مشہود میں استغراق و استہلاک کی دولت مل جاتی ہے۔ یہ اولیاء کرام کا گروہ ارباب سکر میں ہو جاتا ہے۔ بعض مومنوں کو دعوت و ارشاد کے لیے مخلوق کی طرف لٹا کر مصروف کر دیا جاتا ہے۔ یہ گروہ اصحاب سہو کہلاتا ہے۔

اگر کسی شخص کو شبہ (شک) آئے کہ اولیاء مستہلکین (اللہ تعالی کی ذات میں مستغرق) کو اس دنیا کا شعور حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی کسی حد تک لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں تو اس طرح ان کے استغراق کی نفی ہوتی ہے۔ تو پھر اولیاء مستہلکین اور صاحبان دعوت و ارشاد کے درمیان فرق کس طرح ہو گا؟

روح کا لامکانی نور جب نفس کی ظلمت مقیدہ سے مل جاتا ہے تو پھر یہ ظلمت اس نور کے

زیر اثر مقام عبادت واطاعت حقیقی کے مقام پر اثر آتی ہے اور ظلمت اپنی اصل کھوچکی ہوتی ہے۔ لہذا جب نفس کے انوار روح میں درج ہونے کے بعد نفس اور روح کی توجہ دوطرف نظر آتی ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا کی چیزوں کا شعور تو حواس، قوٰی اور جوارح سے ہوتا ہے جو کہ نفس کے بمنزلہ تفصیل ہیں جبکہ ان اولیاء مستہلکین کا مجمل اور خلاصی یافتہ باطنی حصہ تو مشہود (اللہ تعالی رب العزت) کے مشاہدہ میں گم ہو جاتا ہے اور ان کی تفصیل شعور سابق پر ہی باقی رہتی ہے اور اس میں کوئی فتور لاحق نہیں ہوتا یعنی ان اولیاء مستہلکین کا نفس مطمئنہ انوار روح سے باہر نہیں آتا۔

اولیاء کرام کا وہ گروہ جس کو دعوت وارشاد کے لیے مخلوق کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے ان بزرگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کا نفس مطمئنہ ہونے کے بعد انوار روح سے نکل آتا ہے تا کہ دعوت کے لیے دنیا سے مناسبت پیدا کر سکے۔ اس مناسبت کے سبب اس کی دعوت مقام اجابت میں آجاتی ہے۔

لیکن نفس کا درجہ اجمال میں ہونا اور حواس و جوارح کا درجہ تفصیل میں ہونا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ نفس کا تعلق قلب صنوبری سے ہوتا ہے اور حقیقت جامعہ قلبیہ کے واسطے سے روح کا تعلق اس (نفس) سے ہوتا ہے۔ لہذا روح کی طرف سے وارد ہونے والے فیوضات پہلے نفس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر اس سے تفصیل کے ساتھ حواس، قوی اور جوارح تک پہنچتے ہیں۔ ان حواس و قوی کا اجمالی طور پر خلاصہ نفس میں موجود ہوتا ہے۔

اقسام فنا بلحاظ قرب خداوندی

اللہ تعالی جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں پر کرم وفضل کی بارش فرماتا ہے۔ بلحاظ قربت خداوندی فناء کی قسمیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) فنائے صوری

اس فنا کی بدولت سالک (بندہ مومن) کے قلب سے ہر ماسوا فراموش ہو جاتی ہے۔ اس فنا کے دوران بندہ مومن کو ظلال صفات تک عروج حاصل ہوتا ہے۔ اہم نقطہ قابل غور یہ ہے کہ ظلال صفات برزخ کا درجہ رکھتے ہیں۔ وجوب اور امکان کے درمیان، جب بندہ مومن کو ظلال صفات تک رسائی عطا کی جاتی ہے تو پھر اسے ولایت صغری پر فائز کیا جاتا ہے۔

ولایت صغری ظلی ولایت ہوتی ہے کیونکہ یہ صرف عالم امر تک ہی موقوف ہوتی ہے۔ اس ولایت کا حامل ولی دائرہ حفاظت میں داخل نہیں کیا جاتا لہذا وہ محفوظ ولی نہیں ہوتا ہے۔ **محفوظ** ولی وہ ہوتا ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری قدرت خداوندی سے ہوتی ہے اور وہ ہر شر اور ناپسندیدہ حرکت سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۲) فنائے حقیقی

اس دولت عظمی سے جن مومنوں کو سرفراز کیا جاتا ہے ان کو صفات و شیونات اور اعتبارات تک رسائی نصیب ہوتی ہے۔ اس سیر میں عالم خلق یعنی نفس و قالب کی فنا ہوتی ہے۔ اس فنا میں عالم امر اور عالم خلق دونوں کی فنا شامل ہے اس لیے اس فنا میں جامعیت ہے۔ انوارات صفات و شیونات اور اعتبارات کو صرف عالم خلق ہی برداشت کر سکتا ہے۔ لہذا صفات تک نفس کو ہی رسائی اور عروج حاصل ہوتا ہے۔ اس فنا سے گزارے جانے والے اولیاء کرام محفوظ ولی ہوتے ہیں۔ جو درجہ مقبولیت پر جائز ہو جاتے ہیں۔ ولایت کبریٰ اس چیز سے عبارت ہے۔ یہ ولایت صفات کے ساتھ مربوط ہے۔ اسے ولایت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ اور اسے ولایت انبیاء بھی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالی کے شیونات سے متعلق جو ولایت ہوتی ہے اسے ولایت ملاء اعلی کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ صفات وشیونات سے آگے ذات بحت کی قربت کمالات نبوت سے متعلق ہوتی ہے۔ ذات بحت سے مراد اللہ تعالی کی ذات ہے جس میں خصوصی قربت ہوتی ہے کہ صفات وشیونات کا دخل اور شمولیت نہیں ہوتی۔ یہ نا قابل فہم اور نا قابل بیان قرب خداوندی ہے جو انبیاء کرام کے لیے خاص ہے۔ کمالات نبوت کا احاطہ اس لیے ناممکن ہوتا ہے۔ مگر قابل افسوس بات ہے کہ بعض خشک علماء شانِ نبوت ورسالت کو سمجھنے کی بالکل استطاعت نہیں رکھتے اور بارگاہ رسالت میں بے ادبی اور گستاخی کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اپنا ایمان وعمل ضائع (حبط) کر بیٹھتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا گیا: **اَنۡ تَحۡبَطَ اَعمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ۔** [1]

ترجمہ: کہیں تمہارے عمل اکارت نہ چلے جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اقسام فناء بلحاظ اثرات

حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ جب طواف میں مشغول تھے تو اس وقت ایک شخص نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس شخص نے حضرت عبداللہؓ کے کسی دوست سے شکایت کی آپؓ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب حضرت عبداللہؓ کو یہ بات پہنچی تو آپؓ نے فرمایا کہ ہم وہاں اللہ تعالی کا باطنی مشاہدہ کر رہے تھے۔ ہم کس طرح اس شخص کو دیکھتے اور جواب دیتے۔

اسی طرح قدوۃ السالکین حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ تمام اشیاء کا نظروں سے غائب ہو جانا فنا ہے جیسا کہ سیدنا حضرت موسی کلیم اللہ علیہ السلام کوہ طور پر دیدار الٰہی کے وقت فناء ہو گئے تھے۔ [2]

---

[1] (سورۃ الحجرات، پ۲۶، آیت نمبر۲)، [2] (عوارف المعارف)

بعض عارفوں کا فرمان ہے کہ اللہ تعالی رب العزت کی مخالفات کو فنا کرنا اور موافقات کو باقی رکھنا ہی فنا و بقا ہے۔ انسانی جسم پر فنا کے اثرات و نتائج کے اعتبار سے فناء کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

۱) فنائے کسبی و علمی
۲) فنائے مطلق
۳) فناء الفنا (گمشدگی)

۱) فنائے کسبی و علمی

عوامی سطح سوچ کے مطابق فنا کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ دنیا کی رغبت و حرص اور امید ختم ہو جائے۔ لہذا بعض لوگ محنت شاقہ کے ذریعے ایسی جدو جہد کرتے ہیں جس سے وہ صفات رزیلہ کو دور کرتے ہیں۔ اس مجاہدہ میں بعض چیزیں ان کے تعلق علمی سے خارج ہو جاتی ہیں حالانکہ وہ واقع میں فانی و معدوم نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر اسلم کا خیال ہم کو نہ آئے تو اسلم حقیقت میں ختم نہیں ہوتا۔ اس میں کسب و محنت سے کسی چیز کو طاری کیا جاتا ہے اور کسی چیز کو غائب کیا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں وہ صفاتِ نفس باقی رہتی ہیں۔ اس میں غیر اللہ کو دل سے نکالنے کی جب کوشش کی جائے گی تو غیر اللہ اس کے دل سے مرتبہ علم میں نکل گیا یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا۔ انسان کا رجحان اور دھیان پہلے سے غیر اللہ کی طرف کم ہو گیا۔ اس کو صوفیاء نے فنائے حسی اور فنائے جسمی کا نام بھی دیا ہے۔ یہ قسم فنا عام فنا کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ فنا حقیقی نہیں ہوتی بلکہ کسبی اور بناوٹی (خود پر طاری کی ہوئی) ہوتی ہے۔ اس میں کسی صفت کو جزوی حد تک کنٹرول کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ لہذا یہ جزوی فناء بھی کہلاتی ہے۔

۲) فنائے مطلق

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ فنائے مطلق وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر مسلط ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا وجود بندے کے وجود پر غالب آ جائے۔ [۱]

حقیقت میں فنا اسی فنائے مطلق کا نام ہے کیونکہ اس فنا ہونے والے شخص نے اپنے نفس کو اور اپنے سب غیر کو فنا کر دیا ہے۔ ایسے بندہ مومن کی نظریں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فعل و مرضی پر مرکوز رہتی ہیں اور غیر کے تمام افعال اس کی نظر میں فنا ہو جاتے ہیں۔

اولیاء کرام کا ظرف باطنی فنا کی بدولت اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے افعال و اقوال کی خبر رکھتے ہیں ایسی صورت بھی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ولی اللہ کے تمام افعال و اقوال کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے اور وہ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ تا کہ کاموں کا ذمہ دار وہ نہ بنے بلکہ اللہ تعالیٰ ہو۔

ایسا شخص بھی فانی ہوتا ہے جو اپنے اختیار کو چھوڑ کر کے فعل خداوندی کا منتظر ہوتا ہے۔ اپنے ظاہر اور باطن کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ مومن کے اختیارات کو فنا کے بعد بحال فرما دے اور اس کو امور متعلقہ کی انجام دہی میں تصرف عطا فرماوے اور اسے مختار بنا دے تو وہ بندہ باقی یعنی صاحب بقا ہو جاتا ہے۔

[۱] (عوارف المعارف)

فنائے مطلق کی درج ذیل قسمیں ہیں۔

1) فنائے ظاہری

جب بندہ مومن کے افعال (کاموں) سے اللہ تعالی کی تجلیات کی جھلکیں نمودار ہوں تو اس حالت میں مومن سے اس کے ارادوں اور اختیارات کو سلب کر لیا جاتا ہے اور وہ حق کے سوا نہ کوئی اپنا فعل دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی غیر کا فعل۔ ایسے صاحب فناء کے معاملات اللہ تعالی رب العزت کے سپرد ہوتے ہیں۔ ایسی فناء کا نام فنائے ظاہری ہوتا ہے۔ فنائے ظاہری ارباب قلوب اور ارباب حال کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔

2) فنائے باطنی

باطنی فناء یہ ہے کہ بندہ مومن کو کبھی صفات کے ذریعہ مکاشفات حاصل ہوں اور کبھی عظمت ذات کے آثار و اسرار کا اس کو مشاہدہ ہو اور اس کے باطن پر امر حق اس طرح مستولی ہو جائے کہ کوئی وسوسہ اور کوئی تصور باقی نہ رہے۔ اس فنا میں بعض دفعہ بندہ مومن کے احساس غائب ہو جاتے ہیں۔ مگر ہر مومن کے لیے ایسا ہونا لازمی نہیں ہوتا بلکہ احساس باقی بھی رہ سکتے ہیں جیسے حضرت شیخ مسلم بن یسارؒ جامع مسجد میں مصروف نماز تھے کہ مسجد میں ستون گرنے سے شور مچا اور لوگ جمع ہو گئے مگر حضرت شیخ مسلم کو محسوس نہ ہوا اور انہوں نے نماز جاری رکھی یعنی وہ استغراق کی حالت میں تھے۔

فنائے باطنی اس ولی کامل کے لیے ہے جو احوال کی بیڑیوں سے رہائی پا کر اللہ تعالی کی معنوی قربت میں پہنچ جاتا ہے۔ یعنی ایسا مرد کامل قلب کے دائرہ عمل سے نکل کر اس ذات تک پہنچ چکا ہے جو مقلب ہے۔ ایسی شخصیت کا معاملہ قلب سے نکل کر مقلب سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ پس

ثابت ہوا کہ فنائے باطنی قلب اور حال کی قید و پابندی سے آگے بڑھنے والوں کی زیست ہے۔

۳) فناء الفناء (گمشدگی)

جب بندہ مومن کو اس قدر فناء حقیقی نصیب ہو جائے وہ فناء کے علم و احساس کو بھی ختم کر بیٹھے تو اس کو فناء الفناء کہتے ہیں۔ بعض عارفین کے نزدیک فناء الفناء کو بقا کہتے ہیں۔ وہ بے خودی جو فناء کہلاتی تھی جب جاتی رہی تو بندہ مومن افاقہ میں آ گیا۔ اس قسم کی فناء کو گمشدگی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت امام العارفین علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ فنا و بقا کا تعلق علم اور جہل سے نہیں بلکہ اس سے اولیاء کرام کے کمالات اور بلند روحانی مقامات مراد ہیں۔ یعنی ان حضرات کے کمالات جو مجاہدات کی تکلیف سے آزاد اور تغیر احوال سے بالاتر ہو جاتے ہیں اور وہ مطلب سے گزر کر مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں۔ خواہشات کے مٹ جانے سے ہی فنا فنا ہوتی ہے۔ لہذا جب سالک اپنی ہستی سے فانی ہو جاتا ہے تو بقا باللہ میں مکمل ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت قرب و بعد، وحشت و انس، صحو سکر (شوشیاری و مستی)، ہجر و وصال، اطراف و جوانب اس کے لیے یکساں ہو جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میری فناء فناء کی بھی فناء ہے۔ اور میں نے اپنی فناء میں تجھے پایا میں نے اپنے نام و جسم کو مٹا دیا تو نے مجھ سے میرے متعلق پوچھا تو میں نہ کہہ دیا تو ہی تو ہے۔

بقا کی اقسام

اگر لفظ بقا کی علمی، لغوی اور ساختی تشریح کی جائے تو اس طرح بقا کی تین قسمیں سامنے

آتی ہیں جیسا کہ امام العارفین حضرت سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش لاہوریؒ نے مندرجہ ذیل تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

۱) دائمی بقا

یہ بقا وجود خارجی کے لیے ثابت ہے۔ جو واجب الوجود ذات ہے۔ دائمی بقا وہ ہوتی ہے جس کا اول بھی باقی ہو اور آخر بھی بقا پر ہو۔ جیسے اللہ تعالی رب العزت کی ذات اور صفات جلیلہ کی بقا ہے۔ اس کی ذات پاک بھی ازلی ابدی اور قدیم ہے اور اس طرح اس کی صفات جلیلہ بھی ازلی ابدی اور قدیم ہیں۔

لہذا اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ کسی کے لیے اس کی ذات پاک اور صفات جلیلہ میں شرکت کی قطعی کوئی گنجائش نہیں لہذا ذات وصفات میں شرکت کا دعوی واضح کفر وشرک ہے۔

۲) جزوی بقا

وہ بقا جس کی ابتداء فانی ہے مگر انتہا غیر فانی ہے یعنی آخر بقا ہے یعنی چیزیں جو عدم سے وجود میں آئی ہیں اور اب ان پر کبھی فنا طاری نہ ہوگی۔ اس میں نفس امری کا وجود ہے جس میں حضرات انبیاء کرام کے اجسام، عرش، لوح، کرسی، جنت کی نعمتیں یعنی حوریں، نہریں اور کھانے، ملائکہ اور اولیاء عظام کے سینے شامل ہیں۔

۳) عارضی بقا

اس میں وہ بقا شامل ہے جس کا اول بھی فناء ہے اور آخر بھی فانی ہے جیسے یہ جہاں دنیا اور اس میں موجود چیزیں مثلا عام انسان، حیوانات، پرندے، زمین و آسمان وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چیزیں اس وقت موجود اور باقی ہیں مگر ان کا اول اور آخر فانی ہے۔ یہ چیزیں عدم اور درجہ وہم میں

ہیں جن کی کوئی پائیداری حقیقت نہیں ہے۔

متعلقات فنا و بقا

باطنی احوال کی گفتگو سمجھنے کے لیے اولیاء کرام کی روحانی اصطلاحات کو سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے تا کہ زیر بحث موضوع کی درست تشریح کی جا سکے۔ اس لیے یہاں عدم اور وجود عدم کی تشریح کے بعد فنا و بقا پر مزید آگے لکھنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

عدم سے مراد یہ ہے کہ جو اسم الٰہی جل جلالہٗ، ولی کا مبداء تعین ہے اس اسم الٰہی کی ہستی کا پردوں کے پیچھے سے ولی کی قوت مدرکہ پر جذب و محبت کی راہ سے اس طرح وارد ہونا کہ ولی کی ہستی اس (اسم الٰہی کے انوارات کی لپیٹ میں آ جائے) کے پہلو میں چھپ جائے اور ولی اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو گم کر دے اور نہ پائے۔ یعنی ولی کا اسم الٰہی کے انوارات میں ایسا گم ہو جانا عدم کی حجابات کی آڑ موجود رہے عدم کہلاتا ہے۔

وجود عدم سے مراد اسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحقق ہونا ہے۔ یعنی وجود عدم سے مراد وہ وجود اور بقا ہے جو عدم پر مترتب ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ وجود عدم سے مراد حالت عدمیہ کے ساتھ متحقق ہونا ہے۔ یعنی ولی میں صفت عدم کا پیدا ہونا مراد ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ فنا صوری میں عدم اور وجود عدم جو جذبہ کی جہت میں فنا و بقا ہے اس ظہور کو دوام نہیں ہے لہذا یہ فنا دائمی نہیں ہوگی۔ پس اس انداز سے جو فنا و بقاء مترتب ہوگی حقیقی اور واقعی نہیں ہوگی بلکہ صوری ہوگی اور وجود بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ نہ ہوگی۔ جب تک وہ ظہور کائن (جاری ہو رہا ہے اور جڑا ہوا) ہے تو ولی کی ہستی پوشیدہ ہے اور جب وہ ظہور پوشیدہ ہو جائے گا یعنی ختم ہو جائے گا تو پھر بشریت کا وجود لوٹ آئے گا۔ فنائے حقیقی کی وضاحت اس طرح ہے کہ فنائے حقیقی میں ولی کی ہستی پر اللہ تعالیٰ رب العزت کی ہستی کا غالب آنا ہے کہ

ولی اپنے اخلاق واوصاف کو اللہ تعالی کے اخلاق واوصاف کا پرتو پائے یہاں تک کہ اپنے تمام خلاق واوصاف کو اللہ تعالی رب العزت کی پاک بارگاہ میں پوری طرح سپرد کر دے اور خود ہر قسم کے انتسابات سے خالی ہو جائے اور کوئی نسبت بھی اس کی طرف راہ نہ پائے۔ وجود فنا اس بقا سے عبارت ہے جو اس فنا پر مرتب ہوتی ہے۔ اور ولی ولادت ثانیہ کے وہی (عطائی) وجود سے موجود ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی فنا و بقاء کے لیے دوام لازم ہے۔ اور وجود بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ ہے۔ یعنی فناء و بقاء حقیقی ہوتی ہے۔ پہلی فنا صوری میں ولی کا پوشیدہ ہو جانا ہے اور دوسری فنا حقیقی میں ولی کا نفی ہونا ہے۔ چھپی ہوئی چیز کسی وقت ظاہر ہو جاتی ہے جبکہ جو چیز زائل ہو جاتی ہے وہ عود نہیں کرتی ہے۔ یہی قسم کی صوری فنا سے ولایت وابستی نہیں ہے اور دوسری فنا حقیقی اصل ولایت ہے بعض سالکین غلط فہمی سے صوری فنا کو حقیقی فنا سمجھ لیتے ہیں ایسے حالات مرشد کامل کی نگرانی ہی درست رہنمائی کر سکتی ہے۔ جو جذبہ و سلوک دونوں طریقوں سے تربیت پا کر قرب کی انتہا تک پہنچا ہو۔ پہلی قسم فنا میں ولی جذبہ سلوک میں ضم نہیں ہوا اور ولی نے مقام قلب سے ترقی نہیں کی وہ قلب کے مقلب (اللہ تعالی) کے ساتھ واصل نہیں ہوا اس لیے وہ درمیان میں حجابات رکھتا ہے اور اس کا معاملہ صرف ظل اور نمونہ تک پہنچا ہے جبکہ فنا حقیقی میں ولی اللہ تعالی سے واصل ہوتا ہے اور اس میں اصل کے ظہور کے وقت ظل کو محو ہونا پڑتا ہے اس لیے ولی حقیقت میں تمام انتسابات سے خالی ہو کر صحرائے عدم کی طرف اپنا سامان لے جائے گا اور حقیقی فنا و بقاء سے مشرف ہو گا۔ یہ عاریتی دید کو اصل کے سپرد کرنا تجلی صفات سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی کمال وانتہا تجلی ذات سے وابستہ ہے جو اعلیٰ ترین ولایت ہے جو اللہ تعالی رب العزت کی بارگاہ میں مقبول ہے اور ایسا ولی محفوظ ہے۔ اللہ تعالی کے ماسوا کو بھول جانا اور علم کا زائل ہونا فنا کہلاتا ہے۔

مگر فنا کے بعد ولی کو خاص علم عطا ہوتا ہے جیسے ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے اللہ

تعالیٰ کے ساتھ پہچانا اور اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے نور سے پہچانا۔ لہذا اشیاء کی یہ پہچان نسیان کی نہیں ولی فنا کے بعد بیوی بچوں اور دوستوں کو سابقہ طریقہ پر پہچانتا ہے قلب فانی ہوتا ہے مگر ظاہر سے دانش ممکن ہے اور یہ ظاہر سے جاننا ہے۔

سیر باطنی

سالکین طریقت کے لطائف جب اپنی اصل (عالم امر) کی طرف عروج کرتے کرتے اللہ تعالیٰ رب العزت کی صفات جلیلہ کے ظلال کی طرف مزید عروج کرتے ہیں اور بالا آخر صفات وشیونات اور ذات پاک کی طرف انتہائی عروج کر کے درجہ کمال تک پہنچتے ہیں اور پھر فضل خداوندی سے وہاں سے نور چینی اور فیض یابی کے بعد جب نزول (واپس نیچے آنا) آتے ہیں تو اس سارے عمل کو سیر باطنی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ اسی عظیم الشان سفر باطنی کا اجمالی ذکر ہے جو مشاہدات، اسرار و معارف، حقائق وانوارات اور معرفت و یقین پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیر باطنی علمی اور حالی ہوتی ہے نہ کہ جسمی۔

البتہ لطائف عالم امر اور لطائف عالم خلق (یعنی نفس، قالب) کا عروج و نزول ہوتا ہے۔ نفس جسم کا نام نہیں ہے اگرچہ نفس جسم کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح اجزائے قالب یعنی مٹی، ہوا، آگ اور پانی جسم انسانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ سیر سالک کے ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل ہونے، ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچنے اور ایک تجلی سے دوسری تجلی میں جانے کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں یعنی سیر آفاقی اور سیر انفسی۔

جیسے قرآن مجید میں آتا ہے کہ ہم انہیں دکھاتے ہیں اپنی نشانیاں آفاق و انفس میں۔

سیر باطنی کی دو قسمیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) سیر عروجی ۲) سیر نزولی

ا) سیر عروجی

بندہ مومن کی سیر عروجی اس کے مبداء تعین تک ہوتی ہے۔ اس بندہ مومن کا باطن بلندیوں کی طرف پرواز کرتا ہے اور صرف اللہ تعالی رب العزت کے فضل و کرم سے اپنے مقدر و تقدیر کے مطابق آگے بڑھتا ہے۔

سیر عروجی کو سمجھنے کے لیے اس کو مزید دو اقسام میں بیان کیا جاتا ہے۔

1) عروجِ حقیقی

عالم امکان میں عروج کا اطلاق حقیقی معنی میں ہے کیونکہ عالم امکان کے درجات ایک دوسرے پر بلندی اور فوقیت رکھتے ہیں۔ عالم امکان کی خاص بات یہ ہے کہ بندہ مومن عروج کے وقت عاشق مزاج ہوتا ہے یہی جذبہ عشق اس کی باطنی پرواز کا سبب بنتا ہے وہ معشوق حقیقی پر قربان ہونا چاہتا ہے۔ تب جا کر اس کے جذبہ قربانی کے پیش نظر اس کے روحانی سیر کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اگر عشق سچا نہ ہو تو مالک حقیقی کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ دنیا کا بھی اصول ہے اس کے لیے باعزت زندہ رہنا آسان ہو جاتا ہے جو مرنا چاہتا ہو۔ لہذا معشوق حقیقی کے سامنے جو تلوار عشق سے گلہ کٹوانے کے لیے تیار ہوتے ہیں تو پھر ان پر ہی حسن و جمال کے ایسے زندگی بخش انوارات و مشاہدات کے بحر بیکراں کھولے جاتے ہیں جس میں عاشقین غوطہ زن ہو کر حیات ابدی سے سرفراز ہو کر منزل بقا پا لیتے ہیں۔ ایسے عشقاق شہداء باطنی کہلاتے ہیں۔

2) عروج مجازی

سالکین کے لیے عالم وجوب میں عروج کا اطلاق مجازی معنی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ عالم وجوب میں دنیا کی طرح درجات کا اوپر نیچے ہونا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ عالم وجوب کے درجات

میں لامکانیت کے سبب فوق، تحت، یمین وشمال نہیں ہے۔ یعنی وہاں پر اطراف واکناف اوراوپر و نیچے کا تصور نہیں ہے۔ جب اللہ تعالی کے فضل وکرم کی بارش برستی ہے وہ باران رحمت عاشق کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اب یہ عاشق جو محبّ تک اس کو معشوق یعنی محبوب کے درجہ میں بیٹھا دیا جاتا ہے۔ عالم وجوب کے فیضان اب اس محبوب پر کھلتے ہیں۔ محبّ کو کشکول بھرنے کے لیے حبیب خدا ﷺ کے دائرہ محبوبیت میں پناہ لینا لازمی ہوگی کیونکہ اللہ تعالی رب العزت کے خزانے اپنے محبوب سرور کائنات احمد مصطفےٰ ﷺ پر نچھاور ہوتے ہیں۔ جس کسی نے بھی کچھ پانا ہے اس کے لیے در مصطفےٰ ﷺ کا بھکاری اور طفیلی بننا ضروری ہے ورنہ دائرہ محبوبیت کے باہر محرومی ہی محرومی ہے۔

۲) سیر نزولی

سیر عروجی سے واپسی کے سفر کو سیر نزولی کا نام دیا جاتا ہے۔ عروج جتنا کامل ہوگا نزول بھی اتنا ہی اعلی درجے کا ہوگا۔

نزول جتنا زیادہ ہوگا وہ مخلوق کے زیادہ نفع بخش ہوگا۔ عروج ونزول کی کاملیت کا دارومدار ذات مصطفےٰ ﷺ سے عشق ومحبت اور اتباع سنت وشریعت پر ہوتا ہے۔

سیر باطنی کا اجمالی تذکرہ

شیخ حضرت ابو اسمعیل انصاری محدث مدنی کا فرمان ہے کہ جب تک تو اللہ تعالی کو نہیں پائے گا رہائی نہیں پائے گا اور جب تک رہائی نہیں پائے گا اللہ تعالی کو نہیں پائے گا۔ یعنی تجلی کے ظہور کے بعد فنا ہوگی یا فنا کے بعد تجلی کا ظہور ہوگا۔

اس بارے میں قدوۃ السالکین حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں

لازم وملزوم ہیں۔ لہذا قرب الٰہی کے لیے باطنی سیر وسلوک ضروری ہیں۔ اس باطنی سیر کا حال مختصر طور پر قلب کی فنا سے شروع ہوتا ہے۔ قلب کی فنا تجلی فعل کے ظہور سے ہوتی ہے اور سالک کے فعل کی نفی ہو جاتی ہے اور سالک (ولی) اپنے آپ کو مسلوب الفعل پاتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ رب العزت کے فعل کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اپنے فعل کو اللہ تعالیٰ کا فعل پاتا ہے۔ اس کے بعد سیر روح ہوتی ہے جس میں روح کو فنا حاصل ہوتی ہے۔ فنائے روح اللہ تعالیٰ کی تجلی صفات کے ظہور سے حاصل ہوتی ہے اور روح کی بقا بھی تجلی صفات کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد لطیفہ سر کی سیر شروع ہوتی ہے۔ سر کی فنا شیونات واعتبارات صفات کے ظاہر ہونے سے ہوتی ہے۔ سر کی بقا بھی شیونات واعتبارات صفات میں ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد لطیفہ خفی کی سیر ہے۔ خفی کو فنا کی دولت عطا کرنے والی صفات سلبیہ تنزیہیہ ہیں اور خفی کی بقا بھی صفات سلبیہ تنزیہیہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ ترین لطیفہ اخفی کی سیر ہوتی ہے۔ اخفی کو فنا عطا کرنے والا وہ مرتبہ ہے جو مرتبہ تنزیہی اور مرتبہ احدیت مجردہ کے درمیان برزخ (حدِ فاصل۔ واسطہ) کی مانند ہے۔ اور اخفی کو بقا اسی مرتبہ مقدسہ میں فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ان پانچ سیروں کے بعد عالم امر کی ولایت کے درجات اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم مزید باران رحمت برسائے تو پھر عالم خلق کے لطائف خمسہ (پانچ) کے کمالات میں سیر شروع ہوتی ہے ان پانچ لطائف میں نفس، ہوا، پانی، آگ اور مٹی شامل ہے۔ اہم قابل غور بات یہ ہے کہ عالم خلق کے یہ پانچ لطائف عالم امر کے پانچ لطائف کی اصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم امر کی ولایت ظلی ہے اگر وہ عالم خلق کے ساتھ شامل نہ ہو۔ کیونکہ عالم خلق کی ولایت اصلی ہے۔ پس معاملہ اس طرح ہوتا ہے کہ قلب کے معاملہ کی اصل لطیفہ نفس ہے اور لطیفہ روح کے معاملہ کی اصل ہوا (باد) ہے۔ لطیفہ سر کے معاملہ کی اصل لطیفہ آب (پانی) کا

معاملہ ہے۔ لطیفہ خفی کے معاملہ کی اصل لطیفہ نار (آگ) کا معاملہ ہے۔ اسی طرح لطیفہ اخفی کے معاملہ کی اصل لطیفہ خاک (مٹی) ہے۔

سیر باطنی اور فنا کا بڑا فائدہ صفات رزیلہ بشریہ کا زائل ہونا اور شرکِ خفی کا خاتمہ ہے اگر چہ لطائف باطنیہ شرعی احکام کے مکلّف (پابند) نہیں ہیں لیکن ولایت خاصہ حاصل کرنے کے لیے شرک خفی کو ختم کرنا بھی انتہائی لازمی ہے۔ بعض لطائف کی فنا حاصل کرنے والا شخص اولیاء میں شامل تو ہو جاتا ہے مگر کل قیامت کے دن جب ہر لطیفہ کے حقائق و انعامات جلوہ گر ہوں گے وہ لطائف ان انعامات خداوندی کو سمیٹنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ فنا و بقا سے محروم لطائف ثمرات کی دولت سے محروم ہوں گے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا۔

عالم امر کے لطائف جو کہ انسان کے اجزاء ہیں عرش سے اوپر اپنے اصول تک سیر کر کے پہنچتے ہیں۔ اور پھر اصول لطائف امر مزید اپنے اصول کی طرف عروج کرتے ہیں جو کہ ظلال اسماء وصفات کے دائرے ہیں۔ اس مقام تک ولایت اولیاء ہے مگر ولایت انبیاء اس سے آگے منزل ہے۔ لہذا انبیاء کے لطائف مزید آگے یعنی اسماء وصفات کے اصول تک عروج (ترقی) کرتے ہیں۔ یہ اسماء وصفات کے اصول ولایت کبرٰی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا لطائف عالم امر کے عروج کی انتہا اصول اسماء وصفات کے دائرہ تک ہے۔ اس کے آگے عالم امر کا گزر نہیں ہوسکتا۔

ذات مقدسہ کی طرف عروج اور فیض یابی نفس مطمئنہ اور عنصر خاک سے وابستہ ہے۔ جو کہ عالم خلق سے ہیں۔ عالم خلق کا معاملہ ولایت علیاء اور کمالات نبوت سے ہے۔ تجلی ذات اصالت کے طور پر محبوب خدا ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن آپ ﷺ کے طفیل وتبعیت کے طور پر تمام انبیاء علیہ السلام اور آپ ﷺ کے کامل عاشقین ومتبعین کو نصیب ہوتی ہے۔ جو کہ پس خوردہ

کے امیدوار ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی نقشبندیؒ فرماتے ہیں جو پرواز اعضاء کے وسیلہ کے بغیر ہوتی ہے وہ روحانی پرواز ہے۔ یہ پرواز اعضاء کے ذریعہ ہونے والی پرواز سے زیادہ تیز رفتار ہے۔[۱]

سیرِ باطنی کی اقسام

اولیاء عظام نے باطنی سیر کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ چاروں سیر میں علمی ہیں نہ کہ اَینی۔ سیر حرکتِ علمی کا نام ہے نہ حرکت اَینی و جسمی کا۔

۱)سیر اِلَی اللّٰہ
۲)سیر فی اللّٰہ
۳)سیر عَنِ اللّٰہ باللّٰہ
۴)سیر فِی الْا شْیَآ ء بِااللّٰہ

مذکورہ چار سیروں میں سے پہلی دو سیریں عروجی ہیں جبکہ دوسری دو سیریں نزولی ہیں۔ پہلی دو سیریں ولایت اور قربت خداوندی کا حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ یعنی ان کا تعلق فنا و بقاء کے معاملات سے ہوتا ہے۔ جبکہ آخری دو سیریں انبیاء السلام کے لیے مخصوص ہیں اور ان میں مقام دعوتِ وارشاد سے متعلق امور شامل ہوتے ہیں تا کہ ان بے مثل ہستیوں سے مخلوق نسبت پا

---

[۱] (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۳۵ جلد دوم)

کر فیض حاصل کرے۔

۱) سیر اِلَی اللہ

اولیاءعظام دائرہ ظلال کی سیر کو سیر اِلَی اللہ کہتے ہیں اور یہی اولیاء کرام کی ولایت کا دائرہ ہوتا ہے جسے دائرہ ولایت صغریٰ بھی کہتے ہیں اس دائرہ ولایت کی سیر کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہوتی ہر ولی کو اس کی قسمت کے مطابق سیر کا حق دیا جاتا ہے لامحدود اور بے انتہا منازل کو کون طے کر سکتا ہے۔ جو ولی اس سیر کا حصہ پاتا ہے اس کو فنا کلی عطا ہو جاتی ہے۔ اس بے انتہا سفر کی طرف عاشق حق حضرت مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں اس طرح اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے سات سوستر قالب یعنی ظلال کے پردے مشاہدے کیے ہیں اور ان میں سیر کرتے ہوئے فنا ہو کر سبزے کی طرح بار ہا اگا ہوں۔

سیر اِلَی اللہ میں سالک علم اسفل سے علم اعلی یعنی اسماء صفات الٰہی کی طرف سیر کرتا ہے اور اپنی اصل میں پہنچ کر اپنے آپ کو اس میں فانی کر دے اور سالک اپنا کوئی اثر اور اصلیت نہیں پاتا بلکہ عطائے ربانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سیر الی اللہ میں سیر آفاقی اور سیر نفسی داخل ہے۔

۲) سیر فِی اللہ

جب اللہ تعالی رب العزت کی رحمتوں کی بارش ولی (سالک) پر برستی ہے تو ولی کو اسماء و صفات کے دائرہ میں داخل کر دیا جاتا ہے تو پھر ولی کو اللہ تعالی کی صفات اور اسماء و شیونات و اعتبارات و تقدیسات و تنزیہات میں سیر کی نعمت عطا ہوتی ہے۔ وجوب کے مرتبوں (یعنی اسماء و صفات، شیونات و اعتبارات) میں جو سیر علمی عطا ہوتی ہے اسے سیر فی اللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہ سیر ولایت کبریٰ میں حاصل ہوتی ہے۔ جو انبیاء علیھم السلام کی ولایت ہے۔ عالم امر کے پانچ

لطیفے اس دائرہ کی انتہا ہیں اس سیر کی خبروں کو الفاظ میں یا اشارہ سے بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سیر کے معاملات عقل و دانش سے وراء الوراء ہیں۔ اس سیر کے نتائج میں نفس مکمل طور پر مطمئنہ ہوتا ہے اور ولی کو شرح صدر کے کمالات نصیب ہوتے ہیں اور ولی کو مقام رضا عطا کیا جاتا ہے۔ سیر فی اللہ سے گزارے جانے والے اولیاء کرام کے دو گروہ بن جاتے ہیں۔

۱) مستہلکین

۲) مرجوعین

مستہلکین اولیاء کرام وہ لوگ ہوتے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے عشق و محبت میں فنا ہو گئے اور جمال الٰہی کے مشاہدے میں ہی استغراق حاصل کر لیا یعنی محبوب حقیقی کے حسن و جمال کے جلوؤں میں مستغرق ہو گئے اور مخلوق سے کٹ گئے اور دنیاوی معاملات سے لاتعلق ہو گئے۔

دوسرا گروہ راجعین الی الدعوۃ اولیاء کا ہوتا ہے جن کو قدرت نے بندوں کی درست رہنمائی کے لیے مخلوق کی طرف واپس کیا ہوتا ہے تاکہ صراط مستقیم پر لوگوں کو لا سکیں ان اولیاء کرام کو مرجوعین بھی کہتے ہیں۔

۳) سیر عن اللہ باللہ

جب اللہ تعالیٰ راجعین اولیاء کو مخلوق کی ھدایت کے لیے واپس فرماتا ہے تاکہ جس راستہ سے انہوں نے قرب خداوندی حاصل کیا ہے دوسرے عاشقوں کو بھی محبوب کی دہلیز تک رہنمائی کریں تو ایسے لوگوں پر خصوصی عطا ہوتی ہے وہ مخلوق میں رہیں اور ساتھ مشاہدات کی لذتوں سے بھی لطف اندوز ہوتے رہیں۔ پہلے عاشق کی سیر معشوق کی طرف تھی یعنی اللہ تعالیٰ کے محبین اس کے جلوؤں کے متلاشی تھے اب یعنی اَنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْن کا منظر تھا اب معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔ یعنی سیر عن اللہ باللہ میں معشوق کی سیر عاشق کی طرف ہو جاتی ہے۔ یعنی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ کا

منظر ہوتا ہے۔ عاشق کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتے ہیں اور جب ولی مرشد کی حیثیت سے مریدوں کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہا ہوتا ہے اور دعوت وتبلیغ اور باطنی رہنمائی پر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مشاہدات والہامات کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور اپنے مالک حقیقی سے مکمل رابطے میں ہوتا ہے۔ اگرچہ مخلوق کو ولی عوام کے ساتھ جڑا ہوا نظر آتا ہے۔

ولی مخلوق میں اپنے ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ باطنی ربط میں ہوتا ہے۔ ایسے دعوت ارشاد پر فائز اولیاء کی عظمتیں مخلوق سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن مخلوق کے ساتھ کسی گرفتاری میں وہ مبتلا نہیں ہوتے۔ عام دعوت دینے والے علماء اور منتہی دعوت دینے والے باطنی علماء میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے کیونکہ باطنی علماء کی دعوت حقیقت میں رضا الٰہی پر مبنی ہوتی ہے۔ پس اس سیر میں ولی علم اعلیٰ سے علم الفل کی طرف رجوع کرتا یعنی واپس ممکنات کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا ایسا ولی خالق کائنات اور مخلوق کے درمیان حقیقی تعلق بندگی قائم کروانے کے بہترین وسیلہ اور ذریعہ بن جاتا ہے۔

۴) سیر فی الْاَشْیَاءِ بِاللّٰہ

اللہ تعالیٰ کے ولی کی یہ سیر ان اشیاء میں ہوتی ہے جو سیر عروجی کے وقت اس نے اشیاء کے علوم مٹا دیئے تھے۔ یعنی وہ علوم جو غلبہ عشق ربانی کے تحت ولی سے غائب ہوگئے تھے وہ دوبارہ اسے عطا کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ مخلوق کی بہتری کے لیے مخلوق کے علوم اور روابط مقام دعوت کے لیے لازمی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ولی بظاہر کلی طور پر مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور دیکھنے والے اسے مکمل طور پر دنیا میں عوام کے معاملات میں مشغول پاتے ہیں مگر درحقیقت وہ مکمل طور پر واصل بحق ہوتا ہے۔ ان اولیاء کرام کی شان قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوتی ہے:

یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے

غافل نہیں کرسکی۔

ان ہی لوگوں کے بارے میں کسی بزرگ کا قول ہے کہ اپنے باطن سے ذات حق سے جڑا رہ اور ظاہر میں بیگانوں کی طرح رہ ایسے طریق والے اولیاء کم اور نایاب ہوتے ہیں۔

درج بالا سیروں کے ساتھ ساتھ صوفیہ کرام نے چند اور سیروں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

سیرِ اسماء وصفات

صوفیاء کرام کے مطابق سیر اسماء وصفات کا مفہوم اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے جس میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ **وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَا ءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا**[1]

ترجمہ: اور اللہ تعالی کے لیے ہیں تمام اسماء حسنی پس انہی ناموں سے اس کو یاد کرو۔

اللہ تعالی کے اسماء وصفات تو لا متناہی ہیں لیکن ان سب کا مرجع ننانوے اصولِ متناہیہ کی طرف ہے کہ انہیں اسمائے حسنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسمائے حسنٰی کا مرجع آٹھ اصولوں کی جانب ہے جنہیں امہات اسماء کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین نتیجتاً ان تمام اسماء کا مرجع ایک اصل کی جانب ہے اور وہ اسم اللہ ہے جو جامع ہے جمیع اسماء الھیہ کا اور شامل ہے جمیع صفات الھیہ کو۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ننانوے اسماء ہیں جس نے ان کا احصاء کرلیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

یہاں احصائے اسماء سے مراد اسمائے حق تعالی سے متحقق اور متخلق ہونا ہے صرف اسماء کا وظیفہ کرنا اور ان کا تلفظ یا تکرار یا شمار مراد نہیں۔

[1] (سورۃ الاعراف ۱۸۰)

دو دائرۂ محبت میں پہلا دائرہ اسماء کا ہے۔ سالک مبتدی جب مسمیٰ تک نہیں پہنچ سکتا تو اسم سے ہی اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہے۔ اس دائرے میں سالک کو معرفتِ ذات بواسطہ اسماء کی تعلیم دی جاتی ہے۔

دوسرا دائرہ صفات کا ہے۔ اس دائرے میں سالک صفات کے پرتو سے فیض یاب ہوتا ہے اور کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صنعت کے نمونے اس کی صفات کے مظہر نظر آتے ہیں۔ اس دائرے میں معرفتِ ذات بواسطہ صفات کی تربیت دی جاتی ہے۔

تیسرا دائرہ ذات کا ہے۔ اس دائرے کی وسعت لامحدود ہے۔ اس میں نہ اسماء پیش نظر ہوتے ہیں نہ صفات بلکہ اس میں معرفتِ ذات بلاواسطہ اسماء وصفات کا سبق دیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ اسم الظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ اس کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے اور یہ اسماء ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت ذات کے حجابات ہیں۔ مثلاً صفتِ علم میں صفات ملحوظ نہیں لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے پس علم میں سیر اسم الظاہر کی سیر ہے اور علیم میں سیر اسمِ الباطن کی سیر ہے باقی تمام اسماء وصفات کا حال اسی قیاس پر ہے۔

سیر آفاقی اور سیر انفسی

سالک کے ایک حال سے دوسرے حال ایک تجلی سے دوسری تجلی ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونے کا نام سیر ہے۔ سیر آفاقی اور سیر انفسی کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ط[1]

---

[1] (سورۃ حم السجدۃ ۵۳)

ترجمہ: یعنی ہم انہیں دکھاتے ہیں اپنی نشانیاں آفاق اور انفس میں۔

آفاق سے مراد کائنات ہے اور انفس سے مراد اپنی ذات ہے۔ آفاق اور انفس کے درمیان اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ دونوں اللہ تعالی کی نشانیوں کے محل و منظر ہیں جن سے حق تعالی کا پتہ چلتا ہے۔

سیر آفاقی میں تجلیات اسماء وصفات کا ظہور ہوتا ہے اور سیر انفسی میں تجلیات ذات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیر آفاقی میں اسم الظاہر کے معارف وتجلیات سالک کی تعبیر وادراک میں سما سکتے ہیں لیکن سیر انفسی میں اسم باطن کے معارف وتجلیات سالک کے احاطہ ادراک سے وراء ہوتے ہیں۔ کیونکہ ذات کے معارف وتجلیات، بے رنگی اور بے کیفی کے سبب سالک کے فہم سے بلند ہوتے ہیں اسی لیے عارفین نے اسم ظاہر کے معارف کے متعلق فرمایا یعنی جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان دراز ہوگئی۔

اور اسم باطن کے معارف کے بارے میں فرمایا جس نے اللہ تعالی کی معرفت حاصل کر لی اس کی زبان گنگ ہوگئی۔

سیر اجمالی و سیر تفصیلی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ وصول کے مراتب کبھی ختم نہیں ہوتے لہذا شوق اور طلب ہمیشہ رہتے ہیں۔ قرین قیاس نہیں کیونکہ آپؒ کے نزدیک یہ معرفت دو سیروں پر مشتمل ہے۔ اول سیر تفصیلی، دوم سیر اجمالی۔

وصول کے مرتبوں کا کبھی ختم نہ ہونا سیر تفصیلی میں ہے جب کہ عارف تفصیل کے ساتھ تمام اسماء وصفات وتعلقات صفات اور شیون واعتبارات کی سیر کرتا ہے۔ ایسا عارف ہمیشہ شوق و طلب میں رہتا ہے کیونکہ تعلقات اسماء وصفات اور تفصیلات شیون واعتبارات غیر متناہی ہیں۔

لیکن آپؒ جس عارف کی نسبت گفتگو فرماتے ہیں اس سے مراد وہ عارف ہے جو سیر اجمالی سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی سیر کسی لفظ اور عبارت سے تعبیر نہیں ہو سکتی اسی قسم کے عارف ولایت خاصہ سے ممتاز اور مرتبہ محبوبیت سے سرفراز ہوتے ہیں کیونکہ اس عظیم مرتبے تک ان کا وصول سیر اجمالی کے بغیر متصور نہیں ہے۔

پس واضح ہوا کہ جو عرفاء سیر تفصیلی میں مصروف رہتے ہیں ان کے مراتب وصول کبھی ختم نہیں ہوتے اور وہ صرف تجلیات صفاتیہ تک ہی محبوس رہتے ہیں اور جو عرفاء سیر اجمالی سے شادکام ہیں وہ تجلیات ذاتیہ سے حصہ پاتے رہتے ہیں۔

باب نمبر ۹

(اصطلاحات و متفرقات)

اولیاء کرام نے تصوف و احسان کے سارے روحانی سفر کے بیان میں مختلف اصطلاحات بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کی جاتی ہیں تا کہ طالبین سفر تصوف و احسان کی رہنمائی ہو اور سالکین جمیع شیوخ تصوف کی بیان کردہ اصطلاحات کی رہنمائی میں اپنا سفر خوش اسلوبی سے طے کر سکیں۔

۱) سفر در وطن

سفر در وطن سیر انفسی سے عبارت ہے کہ اس کو جذبہ بھی کہتے ہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ابتداء اسی سیر سے ہے اور سیر آفاقی کہ سلوک اسی سے عبارت ہے اس سیر کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے اور دوسرے سلسلوں میں کام کی ابتداء سیرِ آفاقی سے کرتے ہیں اور (ان کی) انتہا سیر انفسی پر ہے اور کام کی ابتداء سیر انفسی سے کرنا اس طریقہ کی خصوصیت ہے اور اندراجِ نہایت در بدایت (ابتداء میں انتہا کا درج ہونا) اسی معنی میں ہے۔ سیر آفاقی مطلوب کو اپنے سے باہر ڈھونڈنا ہے (جیسے جسمانی سفر جس میں طالب خدا، خدا کی زمین میں اس کی نشانیاں اور عجائبات دیکھے۔ حج و زیارات کے لیے سفر کرے یا اولیاء اللہ کے لیے سفر کرے) اور سیر انفسی اپنے آپ میں آنا اور اپنے دل کے گرد گھومنا ہے (یعنی روحانی سفر کہ طالب اپنی صفاتِ بشریہ حسیسہ سے صفات ملکیہ فاضلہ کی طرف سفر کرے۔ یعنی خبائث کو چھوڑ کر ملکوتی صفات کو اپنائے۔ محبت دنیا،

محبت شہوت، بغض، کینہ عداوت و دشمنی الغرض غیر اللہ کی محبتوں سے اپنے دل کو پاک کرے اور حب خدا وحب رسول اللہ ﷺ اور محبت اولیاء وصالحین کو جگہ دے۔

۲) خلوت در انجمن

یعنی انجمن (مجلس) میں جو کہ تفرقہ (جدائی) کی جگہ ہے باطن کی راہ سے مطلوب کے ساتھ خلوت رکھتا ہو اور باہر کا تفرقہ اندرونی حجرہ (باطن) میں راہ نہ پائے۔ یعنی بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغول ہو اور باطن میں خالق کے ساتھ مشغول ہو۔

۳) نظر بر قدم

نظر بر قدم اس چیز سے عبارت ہے کہ راستہ چلنے میں نظر قدم پر جمالی جائے اور طرح طرح کے محسوسات کے ساتھ نظر کو پراگندہ نہ کرے تا کہ جمیعت کے زیادہ قریب ہو جائے کیونکہ ابتداء میں دل نظر کے تابع ہے اور نظر کی پراگندگی دل میں اثر کرتی ہے۔

۴) ہوش در دم

اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے سانس کا واقف رہے تا کہ وہ غفلت سے باہر نہ آئے۔ تیسرا کلمہ اس تفرقہ کو دور کرنے کے لیے ہے جو کہ آفاق سے اٹھتا ہے اور چوتھا کلمہ انفسی تفرقہ کو دور کرنے کے لیے ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو دم غافل وہ دم کافر۔

۵) یادکرد و یادداشت

سالک جب تک طریقت (تکلف) وتصنع میں ہے اور حقیقت وملکہ حضور کے ساتھ نہیں ملا ہے (اس وقت تک) یادکرد کے مقام میں ہے۔ اور جب حضور دائمی ہو جاتا اور یادکرد کے تکلف سے رہائی پا لیتا ہے اور ایسا ملکہ ہو جاتا ہے کہ نفی کرنے سے بھی نفی نہیں ہوتا تو (یہ حالت) یادداشت

ہوتی ہے۔

۶)وقوف قلبی

وقوف قلبی یہ ہے کہ دل کا نگہبان و واقف رہے اور ایک توجہ ونظر اس پر رکھتا رہے اور ذکر کو ترک کرے تا کہ تفرقہ اس میں راہ نہ پائے اور وہ ماسوا کے نقوش کے ساتھ منقش نہ ہو جائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دل بیکار نہیں ہے یا ماسوی کے ساتھ ملا ہوا ہے یا مطلوب کے ساتھ اٹکا ہوا ہے۔ آدمی جب تک بیدار ظاہری حواس جو کہ جاسوس ہیں عالم (دنیا) کی خبریں دل کو پہنچاتے ہیں اور تفرقہ میں رکھتے ہیں اور جب سو جاتا ہے تو باطنی حواس یہ کام کرتے ہیں اور دل کو پریشان رکھتے ہیں اور جب صاحب دل شخص اپنے دل کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو گویا اس توجہ سے ایک قلعہ اس کے دل کے گرد پیدا ہو جاتا ہے اور عالم (دنیا) کی خبروں کو دل تک پہنچنے نہیں دیتا، اس وقت میں دل انتہائی مقصد کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے کیونکہ بیکاری اس کے حق میں ناپید ہے جب اس طرف سے روک دیا گیا تو اس طرف توجہ کئے بغیر چارہ نہیں رکھتا، مذکور کے ذکر وتوجہ کا محتاج نہیں ہے، دل کو دشمن سے باز رکھ، دوست کو طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آئینہ سے زنگ دور کر، نور کے ظہور کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۷)وقوف عددی

وقوف عددی سے مراد یہ ہے کہ نفی اثبات کے عدد پر اس طرح پر جو کہ اس طریقہ میں مقرر ہے واقف رہے تا کہ ہر سانس میں طاق عدد کہے جفت نہ کہے۔

۸)مراقبہ

مراقبہ ترقب سے مشتق ہے، ترقب انتظار کو کہتے ہیں، پس مطلوب کے انتظار میں

ظاہری و باطنی حواس کو جمع کرنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ کے ایک دوسرے معنی حق سبحانہٗ کی دائمی اطلاع کے ساتھ بندہ کا آگاہ و باخبر ہونا اور اور اس کو اس تعالی شانہٗ کا حضور ہے۔ مراقبہ کا طریق (راستہ) نفی و اثبات کے طریق سے اعلی ہے اور جذبہ کے زیادہ قریب ہے۔ مراقبہ کے طریق سے وزارت اور ملک وملکوت میں تصرف کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اور خواطر (دل کی باتوں) پر آگاہی اور موہبت (بخشش) کی نظر سے دیکھنا اور باطن کو منور کرنا مراقبہ کی ہمیشگی سے (حاصل ہوتا) ہے۔ مراقبہ کے ملکہ (مشق) سے دلوں کی دائمی جمیعت (سکون) اور دلوں کی دائمی قبولیت حاصل ہوتی ہے اور اس معنی کو جمع وقبول کہتے ہیں۔

۹) سلطان ذکر

ایسا ذکر جو تمام بدن کو محیط ہو جاتا ہے اور ہر عضو دل کی طرح ذاکر اور مطلوب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

۱۰) رابطہ

رابطہ سے مراد دل میں پیر کی صورت کی حفاظت ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے رابطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رہبر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے۔

۱۱) نگہداشت

نگہداشت کہتے ہیں خطرات اور خواہشات نفس کو ہانکنے اور دور کرنے کو۔ نگہداشت ایک طریقہ ہے جس سے خطروں اور وسوسوں اور غیر خیالوں سے دل کو پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ سالک کو چاہیے کہ بیدار اور ہوشیار رہے۔ کسی غیر خیال اور خطرے کو اپنے دل میں نہ رہنے دے۔

۱۲) بازگشت

جب ذاکر حبسِ دَم کر کے دل سے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلا اللہ کو نو یا پندرہ یا اکیس مرتبہ کہے تو سانس چھوڑنے کے بعد بڑی عاجزی سے یہ مناجات کرے: اِلٰھِیْ اَنْتَ مَقْصُودِیْ وَرِضَاکَ مَطْلُوبِی اَعْطِنِیْ مَحَبَّتَ ذَاتِکَ وَ مَعْرِفَتَ صِفَاتِکَ۔

ترجمہ: الٰہی میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا مجھے مطلوب ہے۔ تو مجھے اپنی ذات کی محبت اور صفات کی معرفت عطا فرما۔

یہ کلمہ بازگشت ہر خطرہ بد کو دور کرنے والا ہے۔

۱۳) وقوف زمانی

حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ وقوف زمانی سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت اپنے حال کا واقف رہے۔ اگر ذوق وشوق کے ساتھ حالت بسط ہو تو شکر کرے۔ اگر بے ذوقی اور قبض ہو تو توبہ کرے۔ وقوف زمانی حقیقت میں محاسبہ نفس کا نام ہے۔

۱۴) تجرید وتفرید

تجرید سے مراد یہ ہے کہ بندہ حق اپنے افعال میں اغراض سے بے نیاز ہو جائے اس کے کسی فعل کی کوئی غرض نہ ہو، نہ دنیاوی نہ اخروی، بلکہ اس کو عظمت الٰہی سے جو کشف حاصل ہو اس کی اپنی امکانی قوت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بندگی، عبودیت اور اطاعت میں کام میں لائے۔

تفرید کا مطلب ہے کہ اپنے اعمال کو نفسانی تحریک کا نتیجہ نہ سمجھے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے۔ تفرید میں تو غیر کی نفی ہوتی ہے لیکن تجرید میں اپنے نفس کی نفی کی جاتی ہے اور صاحب تجرید اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور کسب سے اس کو غیبت حاصل ہو

جاتی ہے۔ ذاتی ارادہ اور اختیار فنا ہو جاتا ہے۔

۱۴) وجد، تواجد اور وجود

وجد ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باطن انسانی پر وارد ہو خواہ اس کا نتیجہ فرحت ہو یا حزن ہو۔ اس جذبہ کے وارد ہونے سے باطن کی ہیت تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کے اندر رجوع الی اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

تواجد یہ ہے کہ ذکر اور فکر سے وجد کو حاصل کرنا۔ اور وجود یہ ہے کہ وجدان کی فضا میں نکل کر وجد کے دائرے کو وسیع کرنا کہ وجد وجدان کے ساتھ باقی نہیں رہتا یعنی جب مشاہدہ کا عالم ہو تو خبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وجد ایک زوال پزیر حال ہے اور وجود پہاڑ کی طرح اٹل اور ثابت ہے۔

۱۵) غلبہ

وجد متواتر کا نام غلبہ ہے۔ وجد برق کی طرح ظاہر ہر کر فنا ہو جاتا ہے لیکن غلبہ کی صورت میں برق تجلی متواتر نمودار ہوتی ہے اور اس وقت سالک کی قوت تمیز باقی نہیں رہتی۔ وجد تو بہت جلد زائل ہو جاتا ہے لیکن غلبہ باقی رہتا ہے اور وہ اسرار کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط قلعہ بن جاتا ہے۔

۱۶) مسامرہ

مسامرہ کا مطلب ہے کہ ارواح سرالسر میں پوشیدہ طور پر مناجات (حمد سرائی) میں مصروف رہیں اور قلب کو اس کا صرف ایک لطیف ادراک ہو کیونکہ یہ پوشیدہ مناجات ایسی ہوتی ہیں کہ روح اس سے بغیر قلب کے لذت یاب ہوتی ہے۔

۱۷)سکر وصحو

روحانی حال کے غلبہ کا نام سکر ہے اور تہذیب اقوال وترتیب افعال کی جانب سکر سے واپس آجانے کا نام صحو ہے۔

۱۸) علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

علم الیقین اس علم کو کہتے ہیں کہ جو غور وفکر کے طریقے سے استدلال سے حاصل کیا جائے اور عین الیقین وہ علم ہے جو بطریق کشف اور بفیض خداوندی سے بندے کو حاصل ہو اور حق الیقین وہ علم ہے جو کھنکھناتی مٹی کی لوث سے آزاد ہونے کے بعد (جسم کے لوث سے آزادی کے بعد) وصال کے قاصد کی آمد پر بندہ حق کو حاصل ہو۔

۱۹)وقت

وقت سے مراد کیفیت ہے جو بندے پر غالب ہے اور انسان پر سب سے زیادہ وقت ہی غالب ہوتا ہے جو اس کے حکم سے تلوار کی طرح رواں ہو کر اس کو کاٹتا ہے۔ اسی طرح وقت سے مراد وہ چیز بھی لی گئی ہے کہ جو انسان بغیر اس کے ارادے کے یکبارگی طاری ہو جائے اور پھر انسان اس کا تابع ہو جاتا ہے اور وقت اس کی ہر چیز پر متصرف ہو جاتا ہے۔

۲۰)غیبت وشہود

شہود کا مفہوم یہ ہے کہ خداوند تعالی کے حضور میں مراقبہ کے ساتھ رہے۔ کسی وقت مراقبہ کے وصف کے ساتھ اور کبھی وصف مشاہدہ کے ساتھ رہے۔ یعنی جب بندہ مومن پر شہود غالب رہتا ہے وہ حاضر رہتا ہے اور جب یہ حالت مراقبہ مشاہدہ ختم ہو جاتی ہے تو وہ دائرہ حضوری سے نکل کر غائب ہو جاتا ہے یہی غیبت ہے۔ اور اسی طرح غیبت سے مراد یہ بھی ہے کہ انسان

دنیاوی اشیاء سے غائب ہو کر حق میں مشغول ہو جائے۔

۲۱) ذوق وشرب

ارباب تصوف ذوق سے مراد ایمان لیتے ہیں اور شرب سے مراد علم ہے اور زی سے مخصوص روحانی مراد ہے ذوق کا تعلق ارباب الہوارہ (ارباب ہدایت) سے ہے اور شرب کا واسطہ ارباب طوالع ولوائح سے ہے۔

۲۲) محاضرہ، مکاشفہ اور مشاہدہ

محاضرہ ارباب تلوین کے لیے مخصوص ہے اور مشاہدہ ارباب تمکین اور مکاشفہ ان دونوں فریقوں میں مشترک ہے۔ یہ تمام الفاظ کے معنی میں زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ مشاہدہ اور محاضرہ اہل علم کے لیے ہے اور یہ مکاشفہ عین الیقین والوں کے لیے ہے۔ اور مشاہدہ اہل حق کے لیے یعنی ارباب حق الیقین کے لیے مخصوص ہے۔

۲۳) طوارق وبوادی

طوارق البوادی کے علاوہ بادہ، واقع، قادح، طوالع، لوامع ولوائح یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں۔ یہ تمام حال کا پیش خیمہ ہیں، حال جب صحیح ہوتا ہے تو وہ ان تمام الفاظ کے مفہوم کو احاطہ کر لیتا ہے اور ان کے معانی کا بھی۔

۲۴) تلوین وتمکین

تلوین ارباب قلوب کے لیے ہے کیونکہ وہ دلوں کے پردوں کے تحت ہوتے ہیں اور قلوب صفات کی طرف بھاگتے ہیں اور صفات میں متعدد جہات پائی جاتی ہیں پس ارباب قلوب کے لیے صفات کے تعدد کے لحاظ سے تلوینات ہوتی ہیں کیونکہ قلوب اور ارباب قلوب عالم صفات

کے دائرے سے باہر نہیں ہیں (اس لیے یہ صفات تلوینات بن کر ان پر نمودار ہوتی ہیں)۔

ارباب تمکین ارباب تلوین کی طرح نہیں بلکہ وہ روحانی احوال کے پردوں سے نکل چکے ہیں اور انہوں نے حجابات قلوب کو چاک کر ڈالا اور ان کی ارواح میں انوار ذات کی تجلیات سما چکی ہیں اس لیے تلوین کی کیفیت ان سے زائل ہو چکی ہے۔

۲۵) الحق

حق سے صوفیہ کرام کی مراد اللہ تعالی کی ذات مقدسہ ہے۔

۲۶) الحقیقہ

اس سے صوفیہ کی مراد بندے کا وصل اللہ تعالی کے محل میں اقامت پذیر ہونا اور اس کے باطن کا حق تعالی کے مقام تنزہیہ میں ٹھہرنا ہے۔

۲۷) الخطر ات

احکام متفرقہ میں سے جو کچھ دل میں گزرے۔

۲۸) الوطنات

معارفہ الہیہ میں سے جو کچھ باطن میں جاگزیں ہو۔

۲۹) الطمس

اپنی ذات کی اس طرح نفی کرنا کہ اس کا باقی اثر نہ رہے۔

۳۰) الرمس

کسی چیز کی اصل کا دل سے نفی کرنا۔

۳۱)العلائق

وہ اسباب جن کے ساتھ طالبان حق کا تعلق پیدا ہوا اور اپنے مقصود سے قاصر ہو جائیں۔

۳۲)الوسائط

وہ اسباب جن سے تعلق پیدا کر کے طالبان حق مراد کو پہنچتے ہیں۔

۳۳)الزوائد

دل میں انوار خداوندی کی کثرت۔

۳۴)الفوائد

باطن کا اپنے لیے ضروری چیزوں کا ادراک کر لینا۔

۳۵)الملجاء

دل کا اپنی مراد کو حاصل کر لیتے کا اعتماد۔

۳۶)المنجا

دل کا محل آفت سے خلاصی پانا۔

۳۷)الکلیۃ

اوصاف بشریت کو مکمل طور پر پالینا

۳۸)اللوائح

اوصاف بشریت کو مکمل طور پر پالینا۔

۳۹)اللوامع

دل پر نور کا اپنے فوائد کو باقی رکھتے ہوئے ظاہر کرنا۔

۴۰)الطّوائع

دل پر معارف الہیہ کے نور کا طلوع ہونا ہے۔

۴۱)الطّوارق

رات کی مناجات میں دل پر بشارت یا زجر کے ساتھ کیفیت کا وارد ہونا۔

۴۲)اللطائف

حال کی باریکیوں سے دل میں لطیف اشارہ پیدا ہونا۔

۴۳)السر

محبت کے احوال کو مخفی رکھنا۔

۴۴)النجویٰ

غیر کی اطلاع سے آفات کو مخفی رکھنا۔

۴۵)الاشارہ

زبانی عبادت کے بغیر غیر کو مراد کی خبر دینا۔

۴۶)الایما

عبارت اور اشارہ کے علاوہ تقریباً خطاف فرمانا۔

۴۷)الوارد

معانی کا دل میں وارد ہونا۔

۴۸)الانتباہ

دل سے غفلت کا زائل ہونا۔

۴۹)الاشتباہ

حق اور باطل کے درمیان حال کا اشتباء ہونا۔

۵۰)القرار

حقیقت حال سے تردد کا زائل ہو جانا۔

۵۱)الانزعاج

وحدانیت کے حال میں دل کا حرکت کرنا ہے۔

۵۲)العالم

یہ اصطلاح حق تعالیٰ کی مخلوقات سے عبارت ہے اور صوفیہ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ پچاس ہزار عالم ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ دو عالم ہیں ایک علوی اور دوسرا عالم سفلی۔ اہل طریقت عالم ارواح اور عالم نفوس میں عالم کو تقسیم کرتے ہیں۔

۵۳)المحدث

وہ وجود میں متاخر ہو یعنی پہلے نہ تھا کہ بعد میں پیدا ہوا۔

۵۴) القدیم

جو اپنے وجود میں ہمیشہ سے ہے اور جس کی ذات تمام موجودات سے پہلے تھی اور یہ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

۵۵) الازل

وہ جس کی ابتداء نہ ہو۔

۵۶) الابد

وہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

۵۷) الذات

کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت۔

۵۸) الصفۃ

جو موصوف نہ بن سکے کیوں کہ وہ خود قائم نہیں بلکہ دوسرے کی صفت کرتا ہے۔

۵۹) الاسم

جو مسمی نہ ہو۔

۶۰) التسمیہ

جو مسمیٰ کی خبر تام ہو۔

۶۱) النفی

جو ہر غیر موجود اور قابل نفی چیز کے عدم کا تقاضہ کرے۔

٦٢)الاثبات

جو ہر موجود اور قابل وجود چیز کا اثبات کرے۔

٦٣)الشیان

وہ دو چیزیں ایک کے ہوتے ہوئے دوسری کا وجود جائز ہو۔

٦٤)الضدان

وہ وہ چیزیں ہیں جن میں ایک کے ہوتے ہوئے دوسری کا حال درست نہ ہو۔

٦٥)الغیر ان

وہ دو چیزیں جن میں سے ایک کا وجود دوسرے کے فنا کے ساتھ جائز ہو۔

٦٦)الجوہر

کسی چیز کا اصل بذات خود موجود ہو۔

٦٧)العرض

جو ہر کسی کے ساتھ قائم ہو۔

٦٨)الجسم

جو پر گندا اجزاء سے مرکب ہو۔

٦٩)السوال

کسی چیز کی حقیقت کا پتا کرنا ہے۔

۷۰)الجواب

کسی مضمون سوال کی خبر دیتا ہے۔

۷۱)الحسن

جو حکم کے مطابق ہو۔

۷۲)القبیح

جو حکم کے مخالف ہو۔

۷۳)السفہ

حکم کا پورا نہ کرنا۔

۷۴)الظلم

کسی چیز کو اس کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا۔

۷۵)العدل

ہر چیز کو اس کے محل اور اپنی جگہ پر رکھنا ہے۔

۷۶)الملک

وہ جس کے کسی کام پر اعتراض نہ کر سکیں۔

۷۷)الخاطر

خاطر کے ظاہر لفظ سے اس کے معنی کا حصول مراد دیتے ہیں جو دل میں تیزی سے پیدا ہوتا ہے پھر دوسرے خیال کے آتے ہی ختم ہو جاتا ہے اور صاحب خیال کو دل سے اسے ختم کرنے

کی صلاحیت ہوتی ہے تاہم اہل خاطر امور میں پہلے خیال کا ہی اتباع کرتے ہیں۔

۷۸)الواقع

واقع سے وہی معنی مراد لیتے ہیں جو دل میں پیدا اور دل میں باقی رہے بخلاف خاطر کے۔ اور طالب کو کسی حالت میں بھی اس کو دور کرنے کی طاقت حاصل نہ ہو۔

۷۹)الاختیار

اختیار سے مراد ہے کہ انسان اپنے اختیار پر اللہ تعالی کے اختیار کو ترجیح دے۔

۸۰)الامتحان

صوفیہ کرام اللہ تعالی کے پیارے بندوں کا امتحان لیتے ہیں۔ جو ان کے دل میں اللہ تعالی کی طرف سے دل پر خوف وغم اور ہیبت جیسی طرح طرح کی مصیبتیں اور آزمائشوں سے ہوتا ہے۔

۸۱)البلاء

بلاء سے اولیاء اللہ کے جسموں کی تکلیف، بیماری اور غم وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

۸۲)التحلی

کسی قابل جماعت کے ساتھ عمل کے بغیر قوی مشابہت اختیار کرنے کو تحلی کہا جاتا ہے۔

۸۳)التجلی

اللہ تعالی کی طرف دل و جان سے متوجہ ہونے کے سبب بارگاہ ایزدی کے مقبول حضرات کے قلوب پر انوار حق کی جو تاثیر پیدا ہوتی ہے اسے تجلی کہا جاتا ہے۔

۸۴)التخلی

جو انتقال انسان کو قرب حق کے حصول سے مانع ہوتے ہیں ان سے روگردانی کرنے کا نام تخلی ہے۔

۸۵)الشرود

طلب حق میں جملہ آفات اور حجابات سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اس سے بے قراری محسوس کرنے کا نام شرود ہے۔

۸۶)القصود

صوفیاء کرام کے نزدیک قصور سے مراد حقیقی کی جستجو میں صحیح ارادہ مقصود ہوتا ہے اور ان حضرات کا قصور حرکت اور سکون سے وابستہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے کہ دوست اپنی محبت میں اگر چہ بظاہر ساکن ہی ہوں مگر وہ حقیقت میں قاصد ہوتے ہیں۔ اور یہ شی عام عادت کے برعکس ہے یا تو ارادہ کرنے والوں کے ظاہر پر اس ارادے کا اثر ہوا کرتا ہے یا ان کے باطن پر کوئی علامت ضرور ہوا کرتی ہے سوائے دوستان حق کے وہ بغیر علت کے اللہ تعالی کی طلب کرتے ہیں اور اپنی حرکات کے بغیر بھی قاصد ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کے تمام اوصاف بذات خود قاصد ہوتے ہیں کہ اس لیے کہ وہ انتہائی مدارج کا قصد کرتے ہیں جو محبت اس سے حاصل ہوتی ہے گویا کہ وہ ساری کی ساری قصد ہوا کرتی ہے۔

۸۷)الاصطناع

اس اصطلاح سے صوفیہ وہ کیفیت مراد لیا کرتے ہیں کہ حق تعالی کسی آدمی کو اس کے تمام فیصلوں کو فنا کر کے اس کے جملہ نفسانی لذات کو ختم کر کے مہذب کر دیں اور اس کے نفس کے جملہ

اوصاف اس میں سے اس طریقہ سے بدل دیں کہ وہ لذات کے زوال اور نفسانی اوصاف کی تبدیلی سے اپنے آپ سے بے خود ہو جائے۔ اور یہ درجہ پیغمبروں کے لیے خاص ہے اولیاء کرام کو حاصل نہیں ہوتا۔ تاہم مشائخ کا ایک طبقہ اولیاء کے لیے بھی اس کے جواز کا قائل ہے۔

۸۸)الاصطفاء

الاصطفاء سے مراد اللہ تعالیٰ آدمی کے قلب کو اپنی معرفت کی خاطر دیگر تمام اشیاء سے فارغ کرلیں تاکہ اپنی صفائی کی معرفت اس کے قلب میں پیدا فرمادیں۔

۸۹)الاصطلام

الاصطلام ان تجلیات ربانی کا نام ہے جو آدمی کے ارادے کو نفی کر کے اور نرم آزمائش کے ذریعے اس کو مکمل طور پر مغلوب کردیں۔

۹۰)الرین

رین دل پر وارد ہونے والے اس حجاب کا نام ہے جس کا کشف ایمان کے علاوہ ناممکن ہے۔ اور یہ کفر اور گمراہی کا حجاب ہوا کرتا ہے۔

۹۱)الغین

غین اس پردے کا نام ہے جو اگر دل پر پڑ جائے تو استغفار کے بغیر دور نہیں ہوتا۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے خفیف اور غلیظ۔ خفیف پردہ ہر کسی کے لیے ہوا کرتا ہے جبکہ غلیظ کبائر کے مرتکبین اور غافلین کے قلوب پر پڑتا ہے۔

۹۲)التلبیس

کسی شی کو لوگوں کے سامنے خلاف حقیقت ظاہر کرنے کا نام تلبیس ہے۔

۹۳)الشرب

بندگی وعبادت کی مٹھاس اور بندگی کی لذت ومحبت کے سکون کو بھی شرب کہتے ہیں۔

۹۴)الذوق

ذوق بھی شرب کی مثل ہوا کرتا ہے۔ شرب صرف راحات میں استعمال کیا جاتا ہے جب کہ ذوق راحات اور تکالیف دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

حقائق سبعہ

لغت میں لفظِ حقیقت سے مراد ذات شی یا کسی لفظ یا عبارت کا بنیادی مفہوم ہے۔ اصطلاح میں کسی شی کی اصلیت، کنہ، جوہر اور باطنی پہلو مراد ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک حقیقے سے مراد کسی شی کا مبداء تعین ہے جہاں سے وہ شی فیض و تربیت پاتی ہے۔

حقائق کے سات مراتب ہیں۔ ان کو حقائق سبعہ کہا جاتا ہے۔ اور وہ درج ذیل ہیں۔[1]

۱) حقیقت محمدی ﷺ
۲) حقیقت احمدی ﷺ
۳) حقیقت ابراہیمی علیہ السلام
۴) حقیقت موسوی علیہ السلام
۵) حقیقت کعبہ
۶) حقیقت قرآن
۷) حقیقت صلوۃ

پہلے چار حقائق کو حقائق کونیہ اور آخری تین حقائق کو حقائق الہیہ کہا جاتا ہے۔ حقیقت کعبہ، حقائق کونیہ سے افضل ہے کیونکہ حقیقت کعبہ ظہور تنزیہیہ صرف ذات حق تعالی ہے اور یہ مرتبہ وجوب ہے اور حقائق کونیہ ظہورات مراتبِ وجوب ہیں نہ کہ خود مراتبِ وجوب۔

[1] (للبینات شرح مکتوبات)

اسی طرح حقیقت قرآن باعتبار مبدا وسعت اور حقیقت صلوۃ باعتبار وسعت ذات ہونے کے حقیقت کعبہ سے بھی افضل ہیں۔

ختم شریف سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ

درود تنجینا شریف ۳۱۳ بار

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَ تَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَ تَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَ تُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِیْ الْحَیٰوۃِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ ط یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ .

ترجمہ: اے اللہ درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر ایسا درود کہ اس کے وسیلہ سے تو ہمیں تمام خطرات و آفات سے بچا اور اس کے وسیلہ سے تو ہماری جملہ حاجتیں پوری کردے اور ہمیں تمام گناہوں سے پاک کردے۔ اور اس کے ذریعہ سے اپنی جناب میں بلند درجات سے سرفراز فرما اور اس کے سبب سے ہماری انتہائی خواہشات زندگی اور موت کے بعد کی ہر قسم کی بھلائیوں تک پہنچادے۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے۔

ختم شریف حضرت خضر علیہ السلام

اول و آخر سات مرتبہ درود شریف پڑھ کر سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ م بِالْعِبَادِ .

ترجمہ: اور میں سونپتا ہوں اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نگاہ رکھنے والا ہے۔

ختم شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم .

ترجمہ: پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر عیب سے) اور تعریف اسی کے لیے ہے۔ وہ پاک اور بزرگی والا ہے۔

ختم شریف اصحاب ثلاثہ یعنی حضرت عمر، عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین

اول و آخر سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ .

ترجمہ: پاک ہے اللہ تعالیٰ اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

ختم شریف حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف درمیان میں سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ نِعمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمُوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۔

ترجمہ: کافی ہے ہم کو اللہ۔ کیا ہی خوب کارساز ہے۔ کیا ہی خوب آقا اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔

ختم شریف حضراتِ خواجگانِ نقشبندیہ رحمت اللہ تعالی علیہ

(خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ تا خواجہ نقشبندؒ)

۱) سورۃ فاتحہ شریف مع بسم اللہ شریف سات مرتبہ

۲) استغفار سو مرتبہ

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ .

ترجمہ: میں معافی مانگتا ہوں اللہ تعالی سے جو میرا رب ہے اور میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔

۳) درود شریف سو بار

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ.

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر درود، برکتیں اور سلام بھیج۔

۴) سورۃ الم نشرح بمعہ بسم اللہ شریف ۷۹ (نواسی) مرتبہ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ہ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ہ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ہ وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ ہ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ہ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ہ

ترجمہ: کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کشادہ نہ کیا؟ اور آپ ﷺ سے وہ بوجھ اتار لیا جس نے آپ ﷺ (کے صحابہؓ) کی کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کا ذکر بلند کر دیا۔ تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ تو جب تم

نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں خوب عاجزی کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

۵) سورۃ اخلاص بمعہ بسم اللہ شریف ایک ہزار مرتبہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ اَللّٰه الصَّمَدُ ٥ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ٥ وَ لَمْ يَكُنْ لَّه كُفُوًا اَحَدٌ ٥ ا اللہ اکبر

ترجمہ: اے محبوب فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ تعالی بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور کوئی بھی نہیں ہے اس کی برابری کرنے والا۔

۶) سورۃ فاتحہ بمعہ بسم اللہ شریف ۷ (سات) مرتبہ

۷) درود شریف سو مرتبہ

ختم شریف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمت اللہ تعالی علیہ

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ٥

ترجمہ: کافی ہے ہم کو اللہ تعالی اور وہ کیا ہی خوب کارساز ہے۔

ختم شریف حضرت خواجہ بہاؤ الدین شاہ نقشبند رحمت اللہ تعالی علیہ

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ يَا خَفِيَّ الْلُّطْفِ اَدْرِكْنَا بِلُطْفِكَ الْخَفِيِّ ٥

ترجمہ: اے اللہ اے مخفی لطف و کرم فرمانے والے۔ ہمیں اپنے مخفی لطف و کرم سے نواز۔

ختم شریف حضرت خواجہ باقی باللہ رحمت اللہ تعالی علیہ

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ یَا بَاقِیُ اَنْتَ الْبَاقِیُ۔

ترجمہ: اے اللہ، اے ہمیشہ سے ہمیشہ تک باقی رہنے والے بیشک تو ہی باقی رہنے والا ہے۔

ختم شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی طاقت اور کوئی قوت سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

ختم شریف حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ

اول و آخر سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہ

ترجمہ: (اے اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں ہی ظلم کرنے والوں سے ہوں۔

ختم شریف حضرت مولانا محمد ہاشم سمنگانی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ یَااَخْفَی اللُّطْفِ اَدْرِکْنَا بِلُطْفِکَ الْاَخْفٰی.

ترجمہ: اے اللہ! اے بہت ہی زیادہ مخفی عنایات کرنے والے ہمیں بہت زیادہ مخفی عنایات سے نواز۔

ختم شریف حضرت خواجہ محمد لعل قندوزی مدظلہ العالی

(المعروف حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ العالی)

اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ہ

ترجمہ: اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

ختم شریف شیخ محمد اجمل خان حنفی مجددی

اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰه وَسَلَّمَکَ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰهِ.

درمیان میں پانچ سو مرتبہ یہ پڑھیں۔

یَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ نَرْجُوْ رَحْمَتَکَ.

شجرہ مبارک نقشبندیہ مجددیہ (بسم اللہِ الرحمن الرحیم)

اے نقشبندِ عالم نقشِ مُرا بِہ بند
نقشِ چُناں بِہ بند کہ گویند نقشبند

اے خداوندا کرم کر مصطفےٰ ﷺ کے واسطے
اور پیارے یارِ غارِ مجتبیٰ کے واسطے

حضرت سلمان فارسؓ حضرتِ قاسمؒ امام
جعفرِ صادقؒ رئیسِ اصفیاء کے واسطے

بایزیدؒ، بوالحسنؒ اور بوعلیؒ فارمدی
یوسفِ ہمدانویؒ مردِ خدا کے واسطے

شاہ عبدالخالقؒ وشاہ عارفِؒ ریوگری
خواجہ محمودؒ غنی پُر ضیاء کے واسطے

حضرتِ خواجہ علیؒ رامیتنی روشن ضمیر
حضرتِ بابا سماسیؒ بے ریا کے واسطے

خواجہ محمد میرِ کلالؒ وشہنشاہ نقشبند
شاہ بہاؤالدین سراپا اتقاء کے واسطے

خواجگاں عطارؒ ویعقوب وعبداللہؒ ولی
زاہدؒ ودرویش محمدؒ اولیاء کے واسطے

خواجہ امکنگیؒ وخواجہ باقی باللہؒ مردِ حق
احمدِ سرہند مجددؒ باخدا کے واسطے

خواجہ معصومؒ وحضرت صبغۃ اللہؒ باوفا
خواجہ اسمٰعیل امام الاولیاء کے واسطے

حضرتِ معصوم ثانیؒ اور غلام محمدؒ ولی
حضرتِ خواجہ صفیؒ اللہ شاہ کے واسطے

حضرتِ خواجہ ضیاء الحقؒ وحضرت شاہ ضیاءؒ
خواجہ شمس الحقؒ امام الاتقیاء کے واسطے

شاہ رسولِ طالقانیؒ صاحبِ خلقِ عظیم
حاملِ حکم شریعت مقتداء کے واسطے

شیخ کامل سمنگانی خواجہ ہاشمؒ پارسا
جانثارِ ہادیِ دینِ ہدٰی کے واسطے

قطبِ حق حضرت محمد لعل مدظلہ عطائے کردگار
دین ودنیا میں ہمارے رہنما کے واسطے

اجمل مدظلہ ناتواں طلب گار سلامتی ایمان
مرمٹا جو خاکپاء پہ تیرے اے شاہ خوباں ﷺ

یاالٰہی قبول فرما فریاد واسطہ ان نوروں کا
درحقیقت ہیں یہ مظاہر نور یزداں

باب نمبر ۱۰

(اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیان)

لفظ محبت لفظ حِبہ سے ماخذ ہے۔ جس کا مطلب وہ تخم (بیج) ہے جو زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ پس حِبہ کو حب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح تخم زمین میں ڈالا جاتا ہے پھر اس پر بارش ہوتی ہے اور آفتاب کی روشنی اور موسم کی سردی اور گرمی سے اس تخم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور پھول اور پھل لاتا ہے اسی طرح محبت دل کے اندر جگہ پکڑتی ہے اور رنج و راحت اور بلا و مصیبت سے اثر پزیر نہیں ہوتی اور بالآخر برگ و بار لاتی ہے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کو اس لیے محبت کہا جاتا ہے کہ وہ دل سے محبوب کے سوا سب کو مٹا دیتی ہے۔

اسی طرح بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ لفظ محبت لفظ حب سے ماخوذ ہے۔ جو دل کی صفت ہے اور دل کا قیام اسی کی بدولت ہے۔ پس محبت بھی دل ہی میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض حضرات محبت کو حباب سے مشتق قرار دیتے ہیں جو غلبہءِ آب سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ محبت دیدار دوست کے لیے ایک غلبہ ہے۔

حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کے متعدد وجوہ ہیں اور انسان میں یہ محرکات گوناگوں اور رنگارنگ ہیں، مثلاً روح کی محبت، قلب کی محبت، نفس کی محبت اور عقل کی محبت وغیرہ۔ چنانچہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ذریعہ ہر قسم کی محبت کے ریشے دل سے نکل جائیں تا کہ اللہ کی محبت سب پر غالب آجائے اور دل جان

کے ساتھ خدا سے محبت کر کے از سر تا پا بندہ حق محبت بن جائے۔ [۱]

محبت کے معانی

علماء کرام نے لفظ محبت کو کئی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ محبت کے ایک معنی محبوب کے لیے دل میں بے سکونی، خواہش، طلب، تمنا اور انس کا ہونا ہے۔ لیکن ان تمام قسم کی بے چینیوں کا اطلاق ذاتِ قدیم پر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام چیزیں ہم جنس مخلوق کے ساتھ روا ہو سکتی ہیں۔ خالق کے ساتھ نہیں۔ اللہ رب العزت کی ذات جنسیت سے بلند و بالاتر ہے۔

محبت کا ایک اور مفہوم حق تعالی کا احسان ہے۔ یعنی اللہ تعالی رب العزت مہربانی فرما کر اپنے بندے پر رحمت کرتا ہے اور اس کو قرب و ولایت کے گونا گوں مراتب سے نوازتا ہے۔

اسی طرح محبت بندہ کی طرف سے حق تعالی کی حمد و ثناء کے مفہوم میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ متکلمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جس محبت کا ذکر اللہ تعالی نے فرمایا ہے اس سے مراد ایک رسمی تعلق ہے جیسے کہ اللہ تعالی نے قرآن میں اپنے لیے ہاتھ اور پاؤں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالی رب العزت کی ذات اعضاء سے پاک ہے۔ اس لیے ہم محبت کا لفظ رسمی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن عملاً اس سے گریز کرتے ہیں۔

قرآن مجید اور محبت کا بیان

قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے فرمایا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ لا۔** [۲]

ترجمہ: اے ایمان والوں تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب

[۱] (عوارف المعارف)، [۲] (سورۃ المآئدہ، پ٦، آیت نمبر ۵۴)

اللہ تعالی ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ تعالی کے پیارے اور اللہ تعالی ان کا پیارا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا: **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ، ط وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط**[1]

ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالی سے کرنی چاہیے لیکن جو ایمان والے ہیں وہ شدت سے اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق تعالی نے اپنی دوستی کی خلعت عطا فرمائی تو آپ علیہ السلام ساری کائنات سے علیحدہ ہو کر حق تعالی کے ساتھ پیوست ہو گئے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: **فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ**[2]

ترجمہ: میرے لیے حق تعالی کے سوا سب کچھ دشمن ہے۔

حدیث مبارکہ میں محبت کا بیان

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے سنا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی کی اہانت کی وہ میرے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے اور مجھے کسی چیز سے اتنا فکر نہیں ہوتا جتنا کہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایک مومن کی روح قبض کرتا ہوں اور وہ اس کو ناپسند کرتا ہے اس کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ موت ضروری ہے اور جب میرا بندہ میرے مقرر کردہ فرائض پر عمل کرتا ہے تو اس کو میرا قرب حاصل ہوتا ہے اور جب نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کو محبوب رکھتا ہوں اور اس سے اس قدر قریب ہو

[1] (سورۃ البقرۃ، پ۲، آیت نمبر۱۶۴)، [2] (سورۃ الشعراء، پ۱۹، آیت نمبر۷۷)

جاتا ہوں کہ میں اس کی آنکھیں، کان، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، سنا ہے، کام کرتا ہے اور چلتا ہے اور وہ مجھ سے جو کچھ طلب کرتا ہے دیتا ہوں اور جب مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اسی طرح ایک اور جگہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کا لقاء چاہا اللہ تعالی اس کا لقاء چاہتا ہے جس نے نفرت کی اللہ تعالی اس کے لقا سے نفرت کرتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں پس تو بھی اس کو دوست رکھ۔ تو جبرائیل علیہ السلام اس کو دوست رکھتا ہے اور پھر جبرائیل علیہ السلام تمام فرشتوں کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے۔ پس تم بھی اس سے محبت کرو پس تمام فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی اس بندہ کو اہل زمین میں بھی مقبول کر دیتا ہے اور اہل زمین اس سے محبت کرتے ہیں۔

دین اسلام میں اللہ تعالی کی بندہ کے ساتھ اور بندہ کی اللہ تعالی کے ساتھ محبت قرآن و حدیث مبارکہ سے ثابت ہے اور اس سے ساری امت متفق ہے۔ بے شک اللہ تعالی ایسی صفات سے متصف ہے کہ خلق کا بجا طور پر محبوب ہے اور اپنے چاہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو النجیب سہروردیؒ نے باسناد مشائخ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی حدیث مبارکہ بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی میں ہوں تو وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے ایک اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ اس کو اوروں سے زیادہ محبوب ہو، دوسری یہ کہ وہ کسی سے محض اللہ کے لیے محبت کرتا ہو اور تیسری یہ کہ جب اللہ نے اس کو کفر سے نجات عطا کر دی تو پھر وہ کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی برا سمجھے جتنا اپنا

آگ میں ڈالا جانا۔[1]

اسی طرح حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی مزید فرماتے ہیں کہ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے خدایا! تو اپنی محبت مجھے میری جان اور میری سماعت و بصارت واہل وعیال اور سرد پانی سے بھی زیادہ عطا فرما۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خالص محبت کو طلب فرمایا ہے۔

خالص محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سراپا محبت بن کر محبت کرے۔ کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ روحانی علم کے تمام شرائط پورے کرتے ہوئے طالب حق اپنے روحانی حال میں غرق ہوتا ہے، مگر اس کی فطرت اس کے علم کے خلاف امور کی متقاضی ہوتی ہے یعنی علم ان باتوں کو پسند کرتا ہے لیکن اس کی فطرت و جبلت ان کو پسند نہیں کرتی اب خالص محبت یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ علم کا تابع ہو اور اپنی جبلت کی عصیاں شعاری کو خیال میں نہ لائے اس کی مثال یہ ہے کہ وہ اپنے ایمانی جذبہ اور حکم ایمانی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے اور حکم طبع کے تحت اہل و عیال سے محبت کرے۔

اولیاء عظام کا تصور محبت

اولیاء عظام کے محبت کے موضوع پر بہت سے اقوال موجود ہیں جن میں سے چند ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں تاکہ محبت کے مضمون پر مزید روشنی ڈالی جاسکے اور اس کی حقیقت طالبان حق پر مزید اجاگر روشن ہو سکے۔

---

[1] (عوارف المعارف)

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ اور نظریہ محبت

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے محبت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ عاشق کا اپنی صفات ترک کر کے محبوب کی صفات کا قبول کر لینا محبت ہے اور اللہ تعالی کے ارشاد جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت اور بینائی بن جاتا ہوں کا یہی مفہوم اور مطلب ہے۔

آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ جب محبت صفا اور کمال کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف مائل ہو جاتی ہے لیکن جب وہ جدوجہد کے غایت کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ ٹھہر جاتی ہے اور اس محبت کی دستگیری کرتی ہے جو سچی محبت اور انتہائی جدوجہد کے باوصف اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر محبت از راہ ہمدردی محبوب کی صفات کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ اس وقت صفات محبوب کو اکتساب کر کے اس کے فوائد حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ حقیقت میں رسول اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کہ تم اللہ تعالی کے اخلاق کے سانچے میں ڈھل جاؤ کی تشریح و تفسیر ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ جب نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس میں کمال تزکیہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں محبت الہی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے لیکن قانون قدرت کے مطابق اللہ تعالی اپنے محبین کا تزکیہ نفس توفیق اور غیبی امداد سے کرتا ہے۔ چنانچہ جب ان کا نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے اور کامل طہارت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ روح کو محبت کی کشش سے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور اس کو اپنی صفات و اخلاق کا خلعت پہنا دیتا ہے۔ اس طرح وہ مرتبہ وصول میں پہنچ جاتا ہے۔ کبھی عاشق کا شوق اس مرتبہ وصول سے بھی آگے کی چیزیں طلب کرتا ہے (کہ عطایائے الہی غیر متناہی ہیں) اور کبھی وہ اسی موجودہ عطیہ خداوندی ہی پر قانع رہتا ہے۔ اس وقت اس کی آتش شوق سرد پڑ

جاتی ہے لیکن اسی ذوق وشوق سے حاصل کردہ صفات کے باعث وہ اس مرتبہ پر اچھی طرح جاگزیں رہتا ہے ورنہ اگر یہ ذوق وشوق محرک نہ ہوتا تو محبّ کو اس درجہ سے رجعت قہقہری (الٹے پاؤں ہونا) کرنا پڑتی اور اس کے نفس کے صفات دوبارہ ظاہر ہو جاتے اور محبّ اور قلب محبّ کے درمیان حائل ہو جاتے۔ [1]

حضرت خواجہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شوق ومحبت کا بیان

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ شوق ایک اعلی درجہ اور اعلی مقام ہے جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر شوق ملاقات میں موت کی تاخیر کو پسند نہیں کرتا اور میرا خیال یہ ہے کہ وہ شوق جو دنیا میں حصول مراتب روحانی کے لیے محبت کرنے والوں کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اس شوق سے مختلف ہے جس میں مرنے کے بعد دیدار الہی کی امید ہے۔ اور اللہ تعالی دنیا ہی میں اہل محبت کو ان نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے جن کا تعلق روح سے ہے اور جن کو وہ بڑے شوق سے طلب کرتے ہیں اور یہ بات ان کے علم میں ہوتی ہے بلکہ ان کا شوق اس مرحلے پر علم میں تبدیل ہو جاتا ہے اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ مقام شوق میں موت کی تاخیر کو برا سمجھا جائے بلکہ اکثر ہوش مند عشاق محض اللہ کے لیے دنیاوی زندگی سے لطف اٹھاتے ہیں۔

پس جو اللہ تعالی کے لیے زندہ ہے اس کو اللہ تعالی مناجات اور محبت کی لذت عطا فرماتا ہے اور اس کی چشم حقیقت بین اس نورانی دولت اور نقدی سے مملو اور مسحور ہو جاتی ہے اس مرحلے کے بعد اس کو ایسی روحانی نعمتیں دنیا ہی میں عطا کر دی جاتی ہیں جو مقام شوق پر متمکن ہونے کے

---

[1] (عوارف المعارف)

بعد عطا کی جاتی ہیں اور انکا اس شوق کی زندگی سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو موت کے بعد کی زندگی میں پیدا ہوگا۔ اس بزرگ نے مقام شوق کا بالکل انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ شوق تو غائب کا ہوتا ہے ایک دوست دوسرے دوست سے غائب ہی کب ہوتا ہے جو شوق پیدا ہو۔

شیخ انطاکیؒ سے شوق کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا شوق تو غائب کا ہوتا ہے اور میں نے جب سے اسے پایا ہے اس سے غائب ہی نہیں ہوا پھر شوق کیسا؟

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں شوق سے علی الاطلاق انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے کہ روحانی نعمتوں اور عطیوں کے مراتب جو قرب الہی کی نشانیاں ہیں جب غیر محدود ہوں تو ایسی صورت میں محبت کے شوق کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ جہاں تک وجود کی نسبت کا تعلق ہے وہ (محبوب حقیقی) نہ تو وہ غائب ہے اور نہ مشتاق لیکن بایں ہمہ طالب حق ان مراتب کا مشتاق ضرور ہے جو قرب کی نشانیوں میں موجود نہیں ہیں (ان کا مشتاق اور خواہاں ہے) جب یہ بات ہے تو پھر کس طرح شوق کا انکار ہوسکتا ہے جبکہ ذوق وشوق کی موجودگی ثابت ہے۔[1]

محبت اور معتبر صوفیہ کرام کے اقوال

حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ اللہ کے عاشق کی آہ وفغاں کو اس وقت تک چین نہیں ہوتا جب تک اس کی رسائی محبوب کے پاس نہ ہو جائے۔

شیخ ابوعبداللہ القرشیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے محبوب پر اپنی ہر چیز قربان کردو اور تمہارے پاس کوئی چیز باقی نہ رہے۔

شیخ ابوالحسنؒ الوراق فرماتے ہیں کہ اللہ کی شدت محبت سے ایک سرور خاص حاصل ہوتا

---

[1] (عوارف المعارف)

ہے صرف یہی نہیں بلکہ محبت دل میں اس آگ کے مانند ہے جو ہر گندگی (کوڑے کرکٹ) کو جلا دیتی ہے۔

شیخ یحییٰ بن معاذؒ کا ارشاد ہے عاشقوں کا صبر زاہدوں کے صبر سے زیادہ سخت ہے اور یہ بھی تعجب کی بات کہ انسان اپنے محبوب سے کیونکر صبر کرسکتا ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں جو اللہ تعالی کی محبت کا دعویٰ کرے اور گناہوں اور حرام چیزوں سے پرہیز نہ کرے وہ سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ اسی طرح وہ بھی جھوٹا ہے جو اپنی ملک کو خرچ کئے بغیر جنت کی محبت کا دعویٰ کرے اور وہ بھی جھوٹا ہے جو فقیروں سے محبت نہ کرتا ہو اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو۔

یہ محبت روحانی احوال کے لیے وہی مرتبہ اور حیثیت رکھتی ہے جو توبہ مقامات کے لیے رکھتی ہے پس اگر کوئی روحانی حال کا مدعی ہو تو اس کی محبت کو پرکھا جائے اور جو محبت کا داعی ہو تو اس کی توبہ کو پرکھنا چاہیے اس لیے کہ توبہ محبت کی روح کا قالب ہے اور اسی کی بناء پر تمام احوال جو امراض ہیں جو ہر روح کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔

اسی طرح ایک بزرگ کا قول ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والوں نے دنیا اور آخرت کا تمام شرف سمیٹ لیا ہے اور جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس یہ محبان خدا، خدا کے ساتھ ہیں۔

شیخ ابو یعقوب السوسیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح محبت اسی وقت پایہ ثبوت کا پہنچ سکتی ہے جب تم محبت کے مشاہدے سے نکل کر محبوب کے مشاہدے کے دائرے میں پہنچ جاؤ اور یہ اس وقت تک ممکن ہے کہ محبت کا علم فنا ہو جائے جب کہ اس کا محبوب غائب ہو اور اس کا تعلق محبت سے نہ رہے۔ جب اس طرح محبّ اس محبت کی قید سے نکل جاتا ہے (قید محبت باقی نہیں رہتی) تو اس

وقت وہ ایسا عاشق ہوتا ہے جو بغیر محبت کے ہے۔

ارباب تصوف میں سے کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور دیدار کا شوق، دوری اور جدائی کے شوق سے زیادہ شدید ہوتا ہے اس لیے کہ غیوبت کے حال میں تو صرف دیدار کا شوق ہوتا ہے۔ مگر جب دیدار اور مشاہدہ کی حالت ہوتی ہے تو محبّ محبوب کے فضل و کرم کا مشتاق ہوتا ہے۔

شیخ فارسؒ فرماتے ہیں کہ مشتاق لوگوں کے دل اللہ تعالی کے نور سے منور ہوتے ہیں پس جب ان میں جذبہ شوق کی تحریک پیدا ہوتی ہے تو ان سے جو نور پھوٹتا ہے اس سے مشرق و مغرب کے بین جو کچھ بھی ہے جگمگا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالی ان ارباب شوق کو فرشتوں کے روبرو کر کے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے مشتاق ہیں اے فرشتو میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔

شیخ ابو یزیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی اہل جنت کو اپنے دیدار سے محروم کر دے تو اہل جنت بہشت میں جانے کے خلاف اسی طرح فریاد کریں جس طرح دوزخی دوزخ میں جانے سے فریاد کریں گے۔ (یعنی دیدار و مشاہدہ کے بغیر جنت ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی ہے)۔

شیخ ابن عطاؒ سے شوق کے بارے میں سوال کیا گیا کہ مشتاق کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ شوق دل کی آگ اور جگر کی سوزش، جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا نام ہے جو قرب کے بعد جدائی سے پیدا ہوتا ہے۔

شیخ ابن عطاؒ سے کسی نے سوال کیا کہ شوق اعلی ہے یا محبت؟ انہوں نے جواب دیا کہ محبت۔ کہ شوق تو اسی سے پیدا ہوتا ہے اور کوئی مشتاق ایسا نہیں جس پر محبت کا غلبہ نہ ہو پس ثابت ہوا کہ محبت اصل ہے اور شوق اس کی فرع ہے۔

شیخ نصر آبادیؒ کا قول ہے کہ تمام مخلوق کے لیے مقام شوق ہے۔ مگر ہر شخص مقام اشتیاق پر فائز نہیں ہوسکتا اور جو کوئی حال اشتیاق میں داخل ہو گیا تو پھر وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔[1]

حقیقت محبت

اللہ تعالی رب العزت کی بندہ کے ساتھ محبت کا مطلب ہے کہ بندہ کے ساتھ ارادہ مہربانی اور رحمت کرنا۔ محبت حق تعالی کے ارادہ کا نام ہے جیسے اس کی رضا، اس کی سختی نرمی اور رافت وغیرہ۔ ان صفات کے اجراء کا دوسرا نام ارادہ حق ہے۔ یہ اس ذات کا ارادہ ہی ہے جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ارادہ حق تعالی کی قدیم صفت ہے جس سے اس کے افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اب چونکہ حق تعالی کی بعض صفات دوسری صفات سے زیادہ غالب ہوتی ہیں حق تعالی کی بندہ پر کمال شفقت اور مہربانی اور نعمت اور آخرت میں ثواب عطا کرنے، گناہ سے بچانے، عذاب سے نجات دینے، بلند مراتب قرب عطا کرنے، غیر اللہ سے مستغنی کرنے اور عنایت ازلی کی وجہ سے سارے جہاں سے اس کا تعلق چھڑا کر اپنے ساتھ وابستہ کرنے اور اس قسم کے خصوصی برتاؤ سے مرہون کرنے کا نام محبت آیا ہے۔

حضرت حارث محاسبیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ و دیگر مشائخ کا مسلک یہی ہے۔ نیز فقہاء و متکلمین اہلسنت و جماعت کا مسلک بھی یہی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حق تعالی جب کسی بندہ کی اچھے الفاظ میں تعریف کرتا ہے تو اس کا نام محبت ہے۔ تو اللہ تعالی کے الفاظ اس کا کلام ہے اور اللہ تعالی کا کلام غیر مخلوق ہے اس صورت میں مخلوق کا غیر مخلوق کے ساتھ تعلق کیسے روا ہوسکتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت حق تعالی کے احسان کا نام ہے۔ احسان بھی بذریعہ افعال الٰہی ظاہر

---

[1] (عوارف المعارف)

ہوتا ہے۔ غرضیکہ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

حقیقت میں بندہ کی اللہ تعالی کے لیے محبت ایک جذبہ ہے جو مومن کے دل میں تعظیم و تکریم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ بندہ محبوب کی رضا طلب کرتا ہے اور دیدار کے شوق میں محو اور قرب کی تمنا میں بے قرار ہو جاتا ہے اور محبوب کے بغیر کسی اور سے اس کا دل نہیں لگتا۔ ہر وقت اس کے ذکر میں منہمک رہتا ہے اور غیر کے ذکر سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کا آرام کافور ہو جاتا ہے اور قرار مفقود۔ تمام علائق سے روگردانی کر لیتا ہے اور تمام خواہشات اور حرص و ہوا اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ محبوب کی محبت کا غلبہ اس پر سوار ہو جاتا ہے جس کے آگے وہ سر تسلیم خم کر لیتا ہے۔ حق تعالی کی تمام صفاتِ کمال کو پہچانتا ہے۔

لیکن بندہ کی حق تعالی سے محبت اس طرح نہیں جس طرح کہ دیگر مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ محبوبان مجازی کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کا ادراک و احاطہ کیا جائے جو محبوبان مجازی کے ساتھ تو ممکن ہے لیکن محبوب حقیقی کے ساتھ ناممکن ہے۔

حق تعالی کے عاشقان تو اس کے قرب کے حصول میں مست ہوتے ہیں اس کے ادراک و احاطہ کی کوشش نہیں کرتے۔ کیونکہ طالب بخود قائم ہے (یعنی اس کی خودی برقرار ہوتی ہے) لیکن وہ حضرات جو محبوب میں محو و مستغرق ہیں وہ قائم باللہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح بہترین عشاق وہ ہیں جو کارزار محبت میں ہلاک اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ محدث (انسان) قدیم (اللہ تعالی) کے ساتھ واصل نہیں ہو سکتا بغیر اپنے آپ کو فنا کیے۔ پس جس نے محبت کی حقیقت کو پہچان لیا اس کے لیے نہ کوئی ابہام باقی رہتا ہے نہ کوئی شبہ نہ مشکل۔

خواص کی محبت

شیخ المشائخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پاک اور صاف محبت صرف خواص کے ساتھ مخصوص ہے اس کے نور سے نار طبع سرد ہو جاتی ہے۔ اسی محبت کا نام محبت ذات ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے جب کہ روح مواطن قرب میں اپنے پورے خلوص کے ساتھ جا گزین ہو۔ آپؒ شیخ واسطیؒ کے کے ارشاد یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّونَہٗ کی تشریح وتفسیر میں فرماتے ہیں کہ جس طرح خدا بذات خود ان سے محبت کرتا ہے اسی طرح وہ بھی بذات خود اس سے محبت کرتے ہیں اس میں ضمیر (لا) کا مرجع ذات ہے صفات وکمالات کی طرف راجع نہیں ہے۔[1]

محبت کی اقسام

محبت کی دو اقسام ہیں اول انسان کی ہم جنس کے ساتھ محبت اور یہ نفسانی محبت کہلاتی ہے۔ جس میں ایک دوسرے کو چھونا اور بغلگیر ہونا ممکن ہوتا ہے۔

دوم غیر جنس سے محبت ہے جس میں طالب محبوب کی کسی صفت سے قرار حاصل کرتا ہے اور آرام پاتا ہے۔ مثلاً اس کی بات سننا اس کا دیدار کرنا۔ اس قسم کے عاشقوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حق تعالیٰ کے انعام واکرام اور نعمتوں کو دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو غلبہ محبت میں آ کر انعام واکرام کو بھی حجاب سمجھتے ہیں بلکہ محبوب کے انعام واکرام کو ذریعہ بنا کر محبوب تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور یہ زیادہ بلند مرتبہ ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے محبّ صادق کے لیے شرط یہ ہے کہ اس پر محبت کے سکرات طاری ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو اس کی محبت حقیقی نہیں

---

[1] (عوارف المعارف)

ہے۔ اس طرح محبت کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں ایک محبت عام، دوسری محبت خاص۔ محبت عام کی تشریح حکم بجالانے سے ہوتی ہے یعنی حکم بجالانا محبت عام ہے۔ بسا اوقات محبت عام مرکز علم سے نعمتوں اور احسانات کے باعث صادر ہوتی ہے ایسی محبت کا مخرج (سرچشمہ) صفات ہے۔ بعض مشائخ نے محبت کو روحانی مقامات میں سے ایک مقام قرار دیا ہے، ایسی صورت میں یہ عام محبت وہ ہے جس میں انسان کی کوشش اور تدبیر کا دخل موجود ہے۔

محبت خاص ذات کی محبت کا نام ہے جو مشاہدہ روح سے پیدا ہوتی ہے اور اسی محبت میں سکرات لاحق ہوتے ہیں یہ بندہ حق پر خداوند کریم کی جانب سے خاص احسان و عنایت ہے اس کا تعلق احوال سے ہے (یہ ایک حال ہے) کیونکہ یہ محض عطیہ ایزدی ہے۔ اس میں بندے کی تدبیر اور کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہی رسول اکرم ﷺ کی دعاؤں سے ثابت ہے۔ کیونکہ یہ کلام روح کے اس وجدان کا نتیجہ ہے جو محبت ذات سے بہرہ اندوز ہے بلکہ یہ خاص محبت روح ہے اور اس روح کا قالب وہ محبت ہے جو صفات الٰہی کے مطلع سے ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کے مطالع سے طلوع ہوتی ہے، جب یہ محبت صحیح طور پر رونما ہو جاتی ہے تو پھر اس دم یہ حضرات ارشاد خداوندی کے بموجب مومنوں سے عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

یعنی وہ خالص محبت ہے جو اسی طرح تمام روحانی احوال کی بنیاد اور ان کا باعث ہے جس طرح توبہ روحانی مقامات کی اصل بنیاد ہے۔ یعنی جو شخص مکمل طور پر توبہ کو درست کر لے تو اس کے لیے زہد، رضا اور توکل کے مقامات کا حاصل کرنا ممکن ہو سکتا ہے، اسی طرح جس بندہ حق کی خاص محبت نقص سے بری ہے وہ فنا، بقا، صحو، محو وغیرہ کے تمام احوال سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔[1]

---

[1] (عوارف المعارف)

محبت خاص کے نتائج

حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ جب محبت خاص متحقق ہو جاتی ہے تو نفس میں لینت (نرمی) پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا جمود ختم ہو جاتا ہے پس اس مرحلہ پر زہد اس کی نفسانی رغبت کو کس طرح دور کر سکتا ہے جب کہ محبت کی رغبت نے اس کی تمام نفسانی رغبتوں کو جلا ڈالا ہو۔ اسی طرح جب کہ خداوند کارساز (وکیل) کے مشاہدہ سے اس کے اندر بصیرت پیدا ہو چکی ہے تو اس مرحلے پر توکل کیا اصطلاح کرے گا۔ رضا عروق کی کشمکش کو کیا دور کر سکے گی جب کہ اس کا سراپا ہی اس منازعت کے باعث درست نہ ہو۔

شیخ روزباریؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تم اپنی ہستی (کی قید) سے باہر نہیں نکلو گے اس وقت تک تم محبت کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ شیخ ابو یزیدؒ کا قول ہے کہ جس کو کسی کی محبت قتل کر دے اس کو اس قتل کا خون بہا یہ ملتا ہے کہ وہ محبوب کا دیدار کرے اور جس کو کسی کا عشق قتل کر دے تو اس کا فدیہ یہ ہے کہ محبوب اس کو اپنا ہم نشین بنا لیتا ہے۔

آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ مقامات کے اطور کی سیر عام عاشقوں کا طریقہ ہے اور اطور کی بساط کو لپیٹ دینا خاص عاشقوں کا شیوہ ہے۔ یہی وہ محبوب ہیں جن کے بلند عزائم مقامات کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ مقامات طبقات سماوی کے مدارج ہی میں کیوں نہ ہوں۔ یہ روحانی مقامات ان لوگوں کے مواطن ہیں جو اپنی ہستی کے باقیات کے دامنوں سے الجھ الجھ کر گر پڑتے ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ مزید فرماتے ہیں کہ ایک محترم شیخ نے شیخ ابراہیم الخواصؒ سے دریافت کیا کہ آپ کو تصوف نے کہاں تک پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا توکل تک، یہ سن کر انہوں نے فرمایا ابھی تم تو اپنے باطن کو آباد کرنے کی کوشش کر رہے ہو، ابھی تم اس منزل سے

دور ہو جہاں منزل توکل میں فنا ہو کر وکیل کا مشاہدہ کر سکو۔ [1]

محبت کا مفہوم

محبت کا وجود خلق خدا کے تمام طبقات میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمام کتب لغات میں بھی اس کا ذکر ہے اور دانشوروں میں سے کوئی شخص اس کا انکار نہیں کرتا اور مشائخ میں حضرت سمنون المحب ؒ کا مشرب و مسلک خالصۂ محبت ہے۔ آپ ؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہی محبت ہے اور احوال و مقامات اس کی منازل ہیں اور یہ کہ ہر چیز کی محبت معرض زوال و خطر میں ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ رب العزت کی محبت کو کوئی زوال نہیں، یہ راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے۔ تمام مشائخ عظام کا اس بات پر اتفاق ہے۔

اب چونکہ محبت کا اطلاق بہت وسیع ہو گیا ہے اور ہر ظاہر پرست نے محبت کو غیر اللہ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی تو اہل حق نے اس کا نام تبدیل کر کے اسے صفوت (یعنی تصوف) کے نام سے موسوم کیا اور محبّ کو صوفی کا نام دیا۔ اور جب طالبان حق نے اپنی مرضی کو ترک کر کے رضائے حق تعالیٰ کی تلاش کی کوشش کی تو مشائخ کے ایک گروہ نے اس مسلک کو فقر کا نام دیا اور طالب کو فقیر کے نام سے موسوم کیا کیونکہ میدان محبت میں کمترین درجہ حق تعالیٰ کی رضا کے ساتھ راضی رہنا ہے اور حق تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا جوئی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

حضرت سمنون المحب ؒ فرماتے ہیں کہ محبت زاہدوں کے نزدیک اجتہاد سے زیادہ ظاہر ہے، اور تائبین کے نزدیک آہ و فغان سے آسان تر ہے، اور ترکوں کے نزدیک فتراک (شکار کا تھیلہ) سے زیادہ مشہور ہے، اور ہندوؤں کے نزدیک لڑکے کی محبت محمود غزنوی کے ایاز کی محبت سے زیادہ بہتر ہے اور ملک روم میں قصہ حب و محبوب صلیب سے زیادہ مشہور ہے اور ملک عرب

[1] (عوارف المعارف)

میں محبت کا موضوع با قاعدہ علم ہے جس میں خوشی اور ہلاکت یا کامیابی و ناکامی کی داستانیں ہر قبیلے میں مروج ہیں۔

ان تمام اقوال کا مطلب یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں سے کوئی بشر ایسا نہیں کہ جس نے محبت کا زخم نہ کھایا ہو یا اس سے خوش نہ ہوا ہو۔ کبھی تو اس کا دل مستِ شراب ہے یا پھر قہر دوست سے خراب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی ترکیب میں بے چینی و بے قراری ہے اور عقل بے کار ہے محبت دل کی غذا ہے اور وہ دل جو محبت سے خالی ہے ِگل (خاک) ہے۔ محبت کو کوشش اور محنت سے ہٹایا نہیں جا سکتا اور نفس ان لطائف سے بے خبر ہے جو دل پر گزرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عثمان مکیؒ کتابِ محبت میں فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے دلوں (یعنی قلوب کو) جسموں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور مقام قرب میں رکھا اور روحوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور درجات انس میں رکھا اور اسرار کو روحوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور درجات وصل میں رکھا اور ہر روز تین سو ساٹھ بار لطیفہ سِر پر تجلی فرمائی اور تین سو ساٹھ بار نظر رحمت فرمائی اور محبت کے کلمات روح کو سنائے اور تین سو ساٹھ بار انس کی نگاہ سے دل کو دیکھا۔ لیکن جب انہوں نے کائنات میں اپنے آپ کو معزز پایا تو ان کے اندر فخر پیدا ہوا اس لیے حق تعالیٰ نے آزمائش کی خاطر لطیفہ سِر کو روح کے اندر، روح کو دل کے اندر اور دل کو جسم کے اندر قید کر دیا۔ اس کے بعد ان کے ساتھ عقل کو رکھا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر احکام ارسال فرمائے اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کو اپنے مطلوب کی تلاش میں لگا دیا۔ چنانچہ جسم کو نماز میں لگا دیا، دل کو محبت میں مصروف کیا، روح کو قرب میں اور سِر کو وصل میں قرار حاصل ہوا۔ خلاصہ یہ کہ محبت کی حقیقت لفظ محبت سے ظاہر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ محبت ایک حال ہے اور حال ہرگز قال میں نہیں آسکتا۔ اگر سارا جہان مل کر یہ کوشش کرے کہ محبت کو پیدا کیا جائے یہ ہرگز نہیں ہو سکے گا اور اگر سارا

جہان مل کر اس کو مٹانا چاہے تو ہرگز نہیں مٹا سکتا۔ کیونکہ حال وہبی (عطیہ) ہوتا ہے نہ کہ کسبی (کوشش سے)۔ انسان لاہی (حادث) ہے اور حال (الٰہی) ہے۔ لاہی ہرگز الٰہی پر قادر نہیں ہوسکتا۔

حقیقت عشق

عشق کے متعلق مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں ان میں سے بعض نے بندہ کا اللہ تعالی رب العزت سے عشق تسلیم کیا ہے لیکن حق تعالی کا بندہ سے عشق تسلیم نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ کہ ان کے نزدیک عاشق وہ ہے جو محبوب تک نہیں پہنچ سکتا لیکن اللہ تعالی کے لیے بندہ تک پہنچنا محال نہیں ہے۔ اس لیے بندہ عاشق حق ہوسکتا ہے لیکن حق تعالی عاشق بندہ نہیں ہوسکتا۔

بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ عشق اللہ تعالی رب العزت کے ساتھ بھی روا نہیں کیونکہ عشق کا مطلب ہے حد سے تجاوز کرنا۔ لیکن ذات حق لامحدود ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عشق دونوں جہانوں میں روا نہیں کیونکہ عشق کا مقصد ادراکِ ذات باری تعالی ہے اور ذات باری تعالی ادراک سے بالاتر ہے۔ ہاں محبت روا ہوسکتی ہے کیونکہ محبت صفت کے ساتھ ہوتی ہے ادراک ذات سے اس کا تعلق نہیں۔

اسی طرح مشائخ کرام کہتے ہیں کہ عشق آنکھ سے دیکھے بغیر ممکن نہیں لیکن محبت سماعت کے ذریعے ممکن ہے اب چونکہ عشق کا تعلق دیکھنے سے ہے اور یہ روا نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی ذات تعالی کو دیکھ سکے۔ اس لیے حق تعالی کے ساتھ عشق ناممکن ہے۔ لیکن چونکہ حق تعالی کی طرف اس کی محبت کا تقاضا ہوا تو ہر شخص نے دعوہ محبت کیا۔

چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ حق تعالی کی ذات کا ادراک محال ہے اس سے کسی کا عشق نہیں ہوسکتا اور چونکہ وہ اپنی صفات سے اولیاء کرام کو نوازتا ہے اس لیے اس کے ساتھ محبت روا

ہے۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے فراق میں آنکھیں کھو بیٹھے تو جب ان کی قمیص کی خوشبو آئی تو آنکھیں بینا ہو گئیں۔ جبکہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے عشق میں غرق تھی جب تک یوسف علیہ السلام کا وصال حاصل نہ ہوا اس نے دوبارہ بینائی نہ پائی۔ یہ طریق بھی عجیب ہے کہ ایک کے لیے خواہش جائز ہے دوسرے کے لیے ناجائز۔

اسی طرح بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ نہ عشق کی کوئی ضد ہے نہ حق تعالی کی۔ اس وجہ سے عشق حق تعالی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ محبت کی شدید ترین حالت کا نام عشق ہے۔ ذات الٰہی کے ساتھ شدت محبت اور عشق قرآنی احکام سے جائز اور محبوب ترین نعمت ثابت ہے۔ عشق حقیقی کی معنوی و روحانی لذات کو صرف اہل معرفت و حقیقت ہی سمجھتے ہیں۔ علماء ظاہر کے لیے ان باطنی کیفیات وحقائق اور انکی چاہتوں اور طلبوں کا اندازہ لگانا ممکن نہیں اور عام ظاہر بین لوگوں کے عقل اور ادراک کی وہاں رسائی نہیں۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ہر دور میں عشاق ربانی نے اپنی زندگیاں اس عشق حقیقی میں پگھلا دیں اور اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا اور عشق حقیقی کا اعتراض اکثر ناآشنا کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ لہذا کسی حقیقت کو نہ جاننے کے سبب اس کا سرے سے ہی انکار کر دینا مناسب طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ قال اور حال ومشاہدہ میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے۔ کسی چیز کی لذت کا اندازہ اس کے چھکنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ کسی چیز کو صرف دیکھنے سے یا اسکی تعریف سننے سے اس کی لذت کو کوئی نہیں پا سکتا۔ جس نے لذت چھکی اس نے حقیقی مزہ پایا مگر جس نے صرف سنا وہ لذت کی صرف صورت بیان کر سکتا ہے اس کی حقیقی چاشنی سے محروم ہی رہا ہے۔

قیام محبت اور نور یقین کا غلبہ

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ استغراق وفنا کے مسئلہ میں تمام شیوخ یہی فرماتے ہیں کہ مقام محبت، نور یقین کے غلبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ نفس کی باقی ماندہ کجرویوں کے زوال سے پاک وصاف ہو جائے تو اس وقت قلب پر ذکر کے اثر سے مقام حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے اور جو صفات نفس باقی تھی ان کی آلائیشوں سے انسان پاک وصاف ہو جاتا ہے جب محبت صحت کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو اس وقت اس پر احوال مرتب ہونے لگتے ہیں۔

شیخ شبلیؒ سے محبت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک ایسا جام شراب ہے کہ اگر حواس اس سے متاثر ہو جائیں تو ان میں سوزش برپا ہو جاتی ہے اور اگر وہ نفوس میں جاگزیں ہو جائے تو وہ نیست ہو جائیں۔[1]

محبت کا ظاہر و باطن

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کا ظاہر تو رضائے محبوب ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ وہ محبوب پر اس طرح فریفتہ ہو کہ سوائے محبوب کسی چیز کا ہوش نہ رہے، نہ دوسروں سے اس کا تعلق باقی رہے اور نہ اپنی ذات سے اس کا کچھ تعلق رہے۔

شوق محبت کا اعلیٰ ترین جذبہ ہے اور عاشق صادق میں ہمیشہ یہ ذوق وشوق موجود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ قدرت لانہایت ہے پس جب عاشق صادق کسی روحانی حالت پر فائز ہوتا ہے

[1] (عوارف المعارف)

تو وہ موجود حالت کو ناقص سمجھتے ہوئے دوسری ماورائی (آگے پیش آنے والی) حالت کو زیادہ مکمل حالت سمجھتا ہے۔

محبت کا یہ شوق جو دل میں پیدا ہوتا ہے وہ کسبی نہیں ہے (کوشش و تدبیر سے اس کا تعلق نہیں ہے) بلکہ ایک خدائی دین ہے جو اللہ تعالیٰ رب العزت کے خاص محبین کے لیے مخصوص ہے۔

شیخ احمد بن ابوالحواریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ دارانیؒ کے پاس پہنچا تو انہیں روتے ہوئے پایا، میں نے ان سے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے کہا کہ احمد جب یہ رات چھا جاتی ہے تو محبت کرنے والوں کے قدم بچھ جاتے ہیں اور ان کے رخساروں پر ان کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اس پر خداوند تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ لوگ میری نظروں کے سامنے ہیں۔ جو میرے کلام سے لذت یاب ہوئے ہیں اور میری مناجات سے استراحت پاتے ہیں، میں ان کے خلوت کدوں سے واقف ہوں اور میں ان کی گریہ زاری کو سنتا ہوں۔ اے جبرئیل علیہ السلام ان سے پکار کر کہہ دو کہ میں تم کو روتے ہوئے کیوں دیکھتا ہوں، یہ کس مخبر نے تم کو بتایا ہے کہ محبوب اپنے دوستوں کو آگ میں جلاتا ہے، پھر میں کس طرح ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کروں گا کہ جب رات بھیگ جاتی ہے تو وہ لوگ میری خوشامد کرتے ہیں میں قسم سے کہتا ہوں کہ جب قیامت کے دن یہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے چہرے سے پردہ ہٹاؤں گا اور جنت کے باغات ان کے لیے وقف کر دوں گا۔

یہ ان محبین صادق کا حال ہے جو شوق کے مقام پر پہنچ چکے ہیں اور محبت میں ذوق و شوق کا وہی مقام ہے جو توبہ میں زہد کا جب توبہ درست ہو جاتی ہے تو زہد کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح جب محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو شوق ظاہر ہوتا ہے۔

شیخ واسطیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کا ذوق اور دوسری چیزوں سے گریز اور استہانت کا جذبہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ مکالمہ الٰہی کا شوق اس قدر موسیٰ علیہ السلام میں موجزن تھا کہ انہوں نے الواح توریت پھینک دیں۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمکلامی نکل جائے۔

شیخ ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ شوق محبت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے کہ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اس کے دل میں شوق ملاقات بھی پیدا ہوتا ہے۔

رموز محبت

شیخ االمشائخ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ صفات حق میں فانی اور ذات حق کے ساتھ باقی ہو جائے۔ یعنی اسے ولایت مطلق حاصل ہو اور محبت کی ہستی کا فنا ہونا محبوب کی بقا کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ محبّ اپنی ہستی بھی قائم رکھے کیونکہ جب تک وہ اپنی ہستی قائم رکھے گا جمالِ محبوب سے محروم رہے گا جب یہ جان لے گا کہ اس کی بقا محبوب کے جمال کے ساتھ قائم ہے تو خود بخود اپنی ہستی کو فنا کرنے کے درپے ہوگا کیونکہ اپنی ہستی قائم رکھنا محبوب سے محجوبی ہے پس محبوب کی محبت کی وجہ سے اپنی ہستی کا دشمن ہو جاتا ہے۔

جب حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کو دار پر لٹکایا گیا تو آپ کا آخری کلام یہ تھا کہ واجد یعنی واصل کے لیے اتنا کافی ہے کہ ایک کے ساتھ ایک ہو جائے۔ یعنی محبّ کو یہ بات محبوب ہے کہ محبوب کی محبت میں اس کی ہستی مٹ جائے اور اس کے نفس کی حکومت ملیا میٹ ہو جائے۔

کتب تصوف میں اکثر مقام تجرید و تفرید کا ذکر آتا ہے۔ تجرید سے مراد ترک دنیا اور تفرید سے مراد ترک خود یعنی اپنی ہستی کو فنا کر کے ذات حق کے ساتھ ایک ہو جائے۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ سلوک الی اللہ میں آخری مقام فردیت ہے جب کہ بندہ نہیں رہتا۔ گم ہو جاتا ہے ذات حق میں۔ اکثر یہ مقام مشائخ کو آخری عمر میں حاصل ہوتا ہے جب خلفاء مقرر کر کے فارغ

ہو جاتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے فارغ البال ہو کر ایک کے ساتھ ایک ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کھانے پینے سے بھی مستغنی ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ دوست کے ساتھ دوست ایک ہو گیا اور محبّ اور محبوب کا فرق مٹ گیا۔

حضرت شیخ المشائخ ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ اپنی زیادہ عبادت کو کم سمجھے اور اللہ تعالیٰ رب العزت کی طرف سے کم رحمت کو بہت زیادہ جانے۔

حق تعالیٰ بھی بندے کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے اس نے نعمت دنیا کو قرآن میں قلیل کہا ہے چنانچہ ارشاد ہے: قُلْ مَتٰعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ۔ [۱]

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ فرما دیجئے کہ دنیا کا مال و متاع جو تم کو دیا ہے قلیل ہے۔

لیکن ذاکرین کے ذکر کو کثیر کے لفظ سے یاد فرماتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ: وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ ۔ [۲]

ترجمہ: اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تا کہ خلقت کو معلوم ہو جائے کہ حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ یہ صفت خلق پر صادق نہیں آتی۔ ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو ملتی ہے کسی حالت میں کم نہیں اور خلق کی ہر چیز کم ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ تو اس کی عبادت سے بغلگیر ہو جائے اور اس کے ممنوعات سے کنارہ کش ہو جائے۔

کیونکہ دل میں جس قدر دوست کی محبت قوی ہو گی اس کی فرمانبرداری اسی قدر آسان ہو گی یہ بات ملحدوں کے اس قول کے خلاف ہے کہ محبت میں بندہ اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ عبادت

[۱] (سورۃ النساء، پ۵، آیت نمبر۷۷) [۲] (سورۃ الاحزاب، پ۲۲، آیت نمبر۳۵)

کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ کھلی بے دینی ہے۔ کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ بندہ سے بندگی کبھی رفع (ساقط) نہیں ہوتی۔ اسی بات پر امت کا اجماع ہے کہ شریعت محمدی ﷺ ہرگز منسوخ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر ایک شخص سے شریعت رفع ہو جائے تو عقل کے مطابق ساری خلقت سے رفع ہو جانا چاہیے اور یہ کھلی بے دینی ہے۔ البتہ مغلوب الحال (مجذوب وغیرہ) کے لیے دوسرا حکم ہے (یعنی جو بے ہوش ہے اور معذور ہے)۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو دوستی (ولایت) کے اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں اس پر عبادت آسان ہو جاتی ہے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے **لعمرک** کہہ کر آنحضرت ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی تو اس قدر رات دن عبادت میں مشغول ہوئے کہ دوسرے کاموں کو انجام نہ دے سکے اور پاؤں مبارک پر ورم آنے لگی تو حق تعالیٰ نے فرمایا **طٰہٰ ہ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰی**۔ [1]

ترجمہ: ہم نے قرآن کو اس لیے آپ پر نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ اپنے اوپر سختی کریں۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرمانبرداری کے جذبہ میں آ کر انسان یہ بھی بھول جائے کہ میں فرمانبرداری کر رہا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے قلب پر اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ روزانہ ستر بار استغفر اللہ کہتا ہوں۔

وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اعمال کو ہیچ سمجھتے تھے اور ستر مرتبہ حق تعالیٰ سے معذرت کرتے تھے اور یہ اقرار کرتے تھے کہ میرے اعمال تیرے لائق نہیں۔

حضرت سمنون المحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے عاشق ساری دنیا و آخرت کی بازی لے گئے کیونکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو سب سے

---

[1] (سورۃ طہ، پ۱۶، آیت نمبر۱-۲)

زیادہ محبت ہے۔

چونکہ یہ حضرات دنیا و آخرت میں رات دن حق تعالی کی محبت میں بسر کرتے ہیں اس لیے ان کو دنیا و آخرت کی بازی لے جانے والا کہا گیا ہے اور جس کے ساتھ اللہ رب العزت ہو اس سے کیا گناہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ شرفِ دنیا یہ ہے کہ خدا تعالی ان کے ساتھ ہو اور شرفِ آخرت یہ ہے کہ وہ حق تعالی کے ساتھ ہوں۔

حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ نہ دوست کی جفا سے کم ہو نہ اس کی عطا سے زیادہ ہو۔

اس وجہ سے کہ محبت کے یہ دو اسباب ہیں لیکن جب محبت موجود ہے تو اسباب بیکار ہو جاتے ہیں اور دوست کے لیے دوست کی جفا محبوب ہوتی ہے محبت کے میدان میں جفا اور وفا دونوں برابر ہیں۔ محبت ہے تو جفا بھی وفا بن جاتی ہے۔

روایت ہے کہ جب حضرت شبلیؒ جنون کی وجہ سے شفا خانہ میں تھے تو چند لوگ طبع پرسی کے لیے گئے۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے دوست ہیں۔ یہ سن کر شیخ نے ان پر پتھر پھینکے اور وہ بھاگنے لگے۔ آپ نے فرمایا اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری جفا سے نہ بھاگتے۔

باب نمبر ۱۱

(روحانی خوابوں کی تعبیر اور مشاہدات)

خواب کی تعریف

بعض افراد کے نزدیک خواب دماغ کے افعال میں سے ایک فعل کا نام ہے جبکہ علماء کے مطابق نیند کا سبب تر بخارات کا وجود ہے جو جسم سے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جن کے باعث تمام حواس اور قوتیں آرام پاتی ہیں۔

بعض لوگوں کے نزدیک خواب کی وضاحت اس طرح ہے کہ سوتے وقت روحیں جسم کے ساتھ تعلق قائم رکھتے ہوئے جہاں کے گرد گھوم پھر کر آتی ہیں اور ساتھ خبریں لاتی ہیں۔

اولیاء کرام کے نزدیک طاقتور روحیں اپنی روحانی استعداد کے مطابق حالات کی آگاہی حاصل کرتی ہیں جو خواب بن جاتی ہیں۔

خواب کی ایک تعریف اس طرح بھی ہے کہ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے فرشتے الہامی کے طور پر لوح محفوظ کے معاملات اولیاء کرام کے پاکیزہ وجود میں اتارتے ہیں اور اولیاء کے قلوب الہامی کیفیت کو نور کی شکل میں جذب کر لیتے ہیں جو کہ انسانی ضرورت کے مطابق واقعات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ اولیاء کرام کے خواب مبشرات کہلاتے ہیں جن کا ذکر قرآن و حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

خواب کی اقسام

حضرت امام محمد سیرینؒ نے فرمایا ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱) حدیث نفس ۲) تخویف شیطان ۳) مبشرات خداوندی

ان خوابوں کی تشریح درج ذیل ہے۔

۱) حدیث نفس

یہ دلی خیالات کا انعکاس اور پرتو ہوتا ہے مثلا ایک شخص جو دن کو کام کرتا ہے اور جن چیزوں میں دلچسپی لیتا ہے اور منہمک رہتا ہے۔ یعنی ایک فرد جن محبوب چیزوں میں مستغرق ہوتا ہے وہی محبوب حالات و واقعات خواب میں اسے نظر آتے ہیں۔ ایسے خواب تعبیر کے قابل نہیں ہوتے اس لیے ان خوابوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا چاہیے۔

۲) تخویف شیطان

خواب کی اس قسم میں شیطان لوگوں سے معاملات کرتا ہے۔ مثلاً کسی کو پریشان کرتا ہے یا کسی کے ساتھ مذاق کرتا ہے اور بعض دفعہ شیطان گمراہی کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے۔

۳) مبشرات ربانی

یہ اہم ترین خواب کی قسم ہے۔ اللہ تعالی رب العزت اپنے فضل وکرم سے نیک لوگوں کی اس قسم کی خوابوں کے ذریعے رہنمائی کرتا ہے تاکہ بندہ برائی سے محفوظ ہو سکے اور طالب ربانی عشق الی میں زیادہ سرگرمی دکھائے۔ اور اسکی صحیح منزل کی طرف رغبت بڑھانے کے لیے غیبی رہنمائی ہوتی ہے۔ ایسے خواب اللہ تعالی کے قرب کے متلاشی سالکوں کو پیش آتے ہیں۔

اولیاء کرام کے طریقوں پر چل کر بارگاہ رسالت ﷺ کے ساتھ اپنا باطنی ربط قائم کرنے

والوں کے لیے خوشخبری کی صورت میں یہ خواب مختلف مقامات کی خبر دینے والے ہوتے ہیں۔ جس سے اولیاء کرام مریدین کی روحانی منزل کا تعین کرتے ہیں کہ یہ سالک کس مقام پر پہنچا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ بے شک اللہ تعالی کے ولیوں پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے اور انکے لیے بشارتیں ہیں دنیا میں اور آخرت میں۔ اللہ تعالی کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ [۱]

اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالی ہے اور پھر اس پر استقامت اختیار کی ان پر فرشتے اترتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور تم کو اس جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا ہے۔ [۲]

ان آیات مبارکہ میں بشارتوں سے مراد سچے خواب ہیں جو مومنوں کی بشارتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ [۳]

حضرت سیدنا دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ خواب میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خواب حقیقت حال پر آگاہ کرنے والی ہے جبکہ دوسری خواب سرانجام کار سے اطلاع دینے والی ہے۔ پھر ان دو خوابوں کی بھی چار قسمیں ہیں۔

۱) کسی بات کا حکم (امر) کرنے والی خواب

۲) کسی کام سے منع کرنے والی خواب

۳) ڈرانے والی خواب

۴) خوشخبری دینے والی خواب

---

[۱] (سورۃ یونس پ۱۱)، [۲] (سورۃ حم سجدہ پارہ ۲۴)، [۳] (تفسیر مظہری، تفسیر درمنثور)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سید البشر نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خواب کی تین اقسام ہیں اللہ تعالی کی طرف سے اور مومنوں کے لیے ان کی زندگی میں بشارت ہے۔[1]

خواب کی درستی علامتوں سے مشروط

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ کل میں نے ایک خواب دیکھا اور وہ عرابی ایک پریشان خواب بیان کرنے لگا۔ چنانچہ سید البشر نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ تو نے کیا کھایا تھا؟ اعرابی نے عرض کیا کہ میں نے بہت سے پختہ کھجور کھائے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر درست نہ آئے گی۔

لہذا خواب کے معاملات میں کھانے پینے کی چیزوں اور مقدار کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ خالی معدہ بھی پریشان خوابوں کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح خوب سیر ہو کر کھانے سے بھی معدہ پر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور طبیعت پر مختلف خیالات آتے ہیں اور وہ خواب بن جاتے ہیں۔

لہذا حضرت کرمانیؒ کے فرمان کے مطابق جو شخص اچھے انداز میں دلیل اور علامت کے ساتھ خواب دیکھنے کا خواہش مند ہے تو اسے چاہیے کہ حسب ضرورت مناسب کھانا کھائے اور باطہارت وضو کے ساتھ مسنون طریقہ پر سونے کی کوشش کرے اور اللہ تعالی رب العزت کا ذکر کرتے کرتے سو جائے تو اس طرح درست اور رہنمائی فراہم کرنے والا خواب آئے گا۔

حضرت علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ خواب دیکھنے والا ایسے خواب دیکھتا ہے جو اس

---

[1] (تعبیر الرؤیا ص ۶۱)

کے رشتہ داروں پر لوٹ کر آتے ہیں مثلا خواب میں ابو جہل کا مسلمان ہونا دیکھا گیا مگر اس کی تاویل اس کے بیٹے حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل پر ظاہر ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے اسی طرح بعض دفعہ نابالغ بچے کے خواب کے معاملات اس کے باپ پر واقع ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض دفعہ بہن بھائیوں اور رشتہ داروں پر خوابوں کی تعبیر آتی ہے۔

حضرت سیدنا امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ خواب دیکھنے والے کو رنج و آفت نظر آتی ہے لیکن تاویل اس کے خلاف ہوتی ہے یعنی غم اور خوف کی تاویل خوشی اور شادی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے کہ ہم ان کے خوف کو ضرور امن کے ساتھ بدل دیں گے۔ اس لیے مبصرین فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور دشمن کے خوف سے بھاگنا اس امر کی دلیل اور تاویل ہے کہ خواب والا شخص اللہ تعالی رب العزت کی پناہ اور حفاظت میں رہے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف بھاگو میں تم کو اس سے کھلم کھلا ڈراتا ہوں۔

خوابوں کے فرق کی معرفت

معبر عظیم حضرت علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا خواب کافروں کے خواب سے زیادہ سچا ہوتا ہے اور عقلمند کا خواب نادان سے زیادہ سچا ہوتا ہے۔ اسی طرح صالح و نیک آدمی کا خواب فاسق کے خواب سے بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات خواب کے معاملے میں بہت اہمیت رکھتی ہے کہ جو آدمی خواب دیکھ رہا ہے اس کو سامنے رکھ کر تعبیر بیان کی جائے۔

یعنی اگر ایک خواب دو مختلف آدمی دیکھتے ہیں تو اس ایک خواب کی تعبیر مختلف ہوگی کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ کیا ان لوگوں کا خیال ہے کہ جنہوں نے گناہ کیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ہیں کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

معبر کے لیے ضروری ہے کہ خواب بیان کرنے والے لوگوں کو مدنظر رکھے تا کہ درست تعبیر سامنے آ سکے۔ مثلا ایک دفعہ امام معبرین حضرت ابن سیریںؒ کے سامنے ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے نماز کے لیے آذان کہی ہے۔ حضرت ابن سیریںؒ نے تعبیر اس طرح بیان کی تو حج کی سعادت حاصل کرے گا۔ اسی وقت حضرت ابن سیریںؒ کی خدمت میں دوسرا شخص حاضر ہوا اور عرض کی میں نے خواب میں نماز کے لیے آذان کہی ہے آپؒ نے اس شخص کو تعبیر دی کہ تجھ پر چوری کی تہمت لگائی جائے گی۔ جب آپ کے شاگردوں نے ایک خواب کی دو تعبیریں ایک وقت سنیں تو انہوں نے عرض کیا تعبیر میں اختلاف کیوں ہے؟ آپؒ نے جواب دیا کہ پہلے شخص کے چہرہ سے نیک بختی اور تقوی کے نشان ظاہر ہو رہے تھے اس لیے میں نے تعبیر دی کہ تم حج کرو گے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

دوسرے شخص کے چہرہ سے فسق وفساد کے نشانات ظاہر ہو رہے تھے اس لیے میں نے تعبیر دی کہ تم چوری میں پکڑے جاؤ گے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے کہ منادی نے پکارا اے قافلے والو تم ضرور چور ہو۔

اسی طرح بعض خوابوں کی تعبیر بہت جلد ظاہر ہوتی ہے جبکہ بعض خوابوں کی تعبیر بہت زیادہ دیر سے ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ امام الائمہ شہزادہ اہلبیت سیدنا حضرت امام جعفر صادقؓ نے فرمایا کہ بعض وقت رات کو خواب دیکھا جاتا ہے اور اس کی تعبیر جلد اسی دن نکل آتی ہے اور بعض دفعہ کوئی خواب دیکھا جاتا ہے تو اس کی تعبیر سال کے بعد پوری ہوتی ہے۔ بعض خوابوں کی بیس اور چالیس سالوں کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے سیدنا الشھداء محبوب عاشقاں امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے بارے میں سید البشر نور مجسم سرور کائنات احمد مصطفےٰ ﷺ نے اس طرح

دیکھا کہ ایک کتا آپ ﷺ کا خون پیتا ہے پھر چالیس سال کے بعد خواب کی تعبیر سیدنا ومخدومنا حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے ظاہر ہوئی۔ [1]

حضرت جابر مغربیؒ فرماتے ہیں کہ رات کے خواب کی تعبیر دن کے خواب سے قوی یعنی طاقتور ہوتی ہے۔ رات کے پہلے حصہ کا خواب درست نہیں ہوتا کیونکہ وہ پریشانی اور کثرت اشغال سے آتا ہے اور آدھی رات کا خواب بھی محض پریشان کن ہوتا ہے اور سب سے درست اور سچا خواب صبح کے وقت کا ہوتا ہے کیونکہ صبح کا خواب مقرب فرشتے لوگوں کو لوح محفوظ سے سکھاتا ہے۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ رات کے پہلے حصے کے خوابوں کی تعبیر پانچ سالوں تک ظاہر ہوسکتی ہے جبکہ آدھی رات کے خوابوں کی تعبیر پانچ ماہ تک وقوع پذیر ہوتی ہے جبکہ صبح کے وقت کے خوابوں کی تعبیر دس دنوں تک ظاہر ہوتی ہے۔

اس تمام بحث سے معبرین کی رہنمائی کرنا مقصود ہے تاکہ درست انداز سے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر تاویل بیان کی جاسکے۔ مختصر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے شخص اور وقت کو خوابوں کی تعبیر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

علم تعبیر کی مشہور شخصیات

اللہ تعالیٰ رب العزت کی بے شمار عطاؤں کی طرح علم تعبیر بھی ایک خاص عطیہ ہے اس خاص انعام کو انبیاء کے انعامات میں بیان کیا گیا ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ جہاں سید البشر نور مجسم ﷺ کو دیگر تمام علوم انتہائی درجہ کمال تک عطا ہوئے وہیں آپ ﷺ کو علم تعبیر کی نعمت بھی حاصل تھی جیسا کہ قرآن مجید کے اندر اللہ تعالیٰ رب العزت کا فرمان مبارک ہے کہ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ ﷺ جانتے نہ تھے۔

---

[1] (تعبیر الرویا از ابن سیرین)

قرآن کی نص تمام علوم عطا کرنے ثابت کرتی ہے اس علمی عطا کی کوئی حد مقرر کرنا کسی مفسر، محدث اور مفتی کے بس کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالی رب العزت کی عطا کی حد مقرر کرنا اختیارات الہیہ کی نفی ہے۔ علم تعبیر کی مشہور ترین ہستیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) سید الکونین ﷺ

۲) سیدنا حضرت دانیال علیہ السلام

۳) سراپا حسن سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام

۴) امام الائمہ شہزادہ اہلبیت سیدنا حضرت جعفر صادقؑ

۵) حضرت امام محمد بن سیرینؒ

۶) حضرت امام جابر مغربیؒ

۷) حضرت امام اباہیم کرمانیؒ

۸) حضرت امام اسماعیل بن اشعثؒ

۹) حضرت امام ماموئیؒ

۱۰) حضرت امام حافظ ابن اسحاقؒ

قرآن مجید سے علم تعبیر کی فضیلت

علم تعبیر ایک خاص علم ہے اس علم کو اللہ تعالی رب العزت نے اپنے خصوصی انعامات کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ لہذا قرآن مجید سے خوابوں کی تعبیر کا ثبوت بھی ملتا ہے اور اس علم کے افضل ہونے پر بھی دلیل فراہم ہوتی ہے۔

اللہ تعالی رب العزت نے اپنے مقدس ترین رسولوں کی نسبت سے خوابوں کی تعبیروں کا

ذکر بڑی شان سے بیان فرمایا ہے۔ لہذا اس علم تعبیر کی عظمت کو مدنظر رکھنا ایک بندہ مومن کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس علم سے تمسخر اور مذاق قابل گرفت گناہ ہے۔

آیات قرآن مجید جو ہمیں اس علم شان وفضیلت سے آگاہ کرتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَ لِنُعَلِّمَہٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ ۱؎

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں حکومت عطا فرمائی (یعنی ملک مصر کی سلطنت) اور اس (یعنی سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام) کو خواب کی تعبیر کا علم سکھایا۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ خوابوں کی تعبیر کا علم انبیاء علیہ السلام کو عطا کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ علم اہمیت رکھتا ہے اور مستقبل کے حالات کی خبر کا ذریعہ ہے۔

۲) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّوْیَا بِالْحَقِّ۔ ۲؎

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کا خواب سچ کردکھایا۔

سید الکونین ﷺ کی خواب مبارکہ کی تصدیق قرآن مجید سے ظاہر ہو رہی ہے کہ اللہ تعالی رب العزت نے اپنے محبوب سرور عالم ﷺ کے جسم اطہر ومنور کے ساتھ معراج کروائی اور اپنے دیدار کی بے مثل و بے مثال لذتوں سے نوازا اور آنِ واحد میں آپ ﷺ کو مکان وزماں کی قیود سے لامکاں کی طرف لے جایا گیا۔ جب اللہ تعالی رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کے خواب کی تصدیق فرمائی تو ثابت ہوتا ہے کہ خواب ایک نہایت پراسرار چیز ہے اور اس کی تعبیر بھی بڑی خصوصی حقائق میں سے ایک حقیقت اور راز ہے۔ لہذا خواب کے اسرار کو خواص پر ہی منکشف کیا

۱؎ (سورۃ یوسف، پ۱۲، آیت نمبر۲۱)، ۲؎ (سورۃ الفتح، پ۲۶، آیت نمبر۲۷)

جا تا ہے۔ پس خواب اور تعبیر کا علم پسندیدہ چیز ہے۔

۳) اِنِّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اِنِّی اَذْبَحُکَ [۱]

ترجمہ: بے شک میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

اس آیت مبارکہ میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ شریعت اسلامیہ کیمطابق کسی انسان کا بلا گناہ جان بوجھ کر ذبح کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کی دوزخ ہے۔ تمام انبیاء معصوم پیدا ہوتے ہیں ان سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ خواص کے معاملات بھی خاص ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی رب العزت کے رسولوں کی تخلیق خصوصی نوعیت کی ہوتی ہے۔ لباس بشریت میں تشریف لانے کے باوجود ان حضرات کی ساخت اور باطنی کیفیت عام انسانوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ان عظیم ہستیوں کے معاملات بھی خصوصی شان کے ہوتے ہیں۔ نبی کی خواب قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا درجہ رکھتی ہے۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا عمل خواب کی سچائی پر بہت بڑی دلیل ہے کہ کتنا عظیم نا قابل برداشت عمل جس میں اپنے لخت جگر شہزادے کو ذبح کرنا شروع کر دیا یہ ایک پیغمبر کی شان ہی ہوسکتی ہے کہ کوئی ہستی عشق ربانی میں اس حد تک جا سکے۔ لہذا حضرات انبیاء کی خصوصی شان کو مدنظر رکھنا ہمارے ایمان کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالی رب العزت کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کام بہت پسند آیا اور فرمایا کہ:

یَااِبْرٰھِیْمَ ہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّوْیَا۔ [۲]

ترجمہ: اے ابراہیم علیہ السلام بے شک تو نے خواب سچ کر کے دکھایا۔

---

[۱] (سورۃ الصّٰفّٰت، پ۲۳، آیت نمبر ۱۰۲)، [۲] (سورۃ الصّٰفّٰت، پ۲۳، آیت نمبر ۱۰۵)

پس ثابت ہوا کہ اگر انبیاء کے معاملات میں خوابوں کی اہمیت ہے تو عام مومنوں کی زندگی میں خوابوں کا کسی حد تک لازمی دخل ہے۔

خواب کی تعبیر کی فضیلت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

سید البشر نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے بھی سچے خوابوں کی فضیلت و عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الرُّوْیَا جُزْءٌ مِنْ سِتَّه وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءٍ مِّنْ النُبُوَّةِ۔**

ترجمہ: (یعنی بندہ مومن کا) خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔

تمام انسانی کمالات میں سے نبوت سب سے اعلی و افضل کمال ہے جس سے بلند کوئی مقام انسان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ نبوت کی بدولت ہی انسان مقرب فرشتوں سے بھی شان میں بڑھ جاتا ہے۔ سیدنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبوت کا دعوی نہیں کر سکتا ایسا دعوی کرنے والا کافر اور مرتد کہلائے گا۔ خواب کا علم علوم نبوت میں شامل کیا جا رہا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے خواب کی تعبیر کے علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ علم فیضان نبوت کے فیض اور برکت سے عطا ہوتا ہے۔

۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ علم تعبیرِ خواب سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک علمی معجزہ تھا۔

پس یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ جو چیز پیغمبر کا معجزہ ہو وہ افضل و اعلی ہی ہوتی ہے۔

۳) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب خاتم المرسلین ﷺ بیمار ہوئے تو صحابہ کرام پریشان ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمیں اچھی باتوں کی اطلاع فرمایا کرتے ہیں۔ اگر اب خدانخواستہ آپ دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو ہم کو کون اطلاع کرے گا اور ہم کس طرح دین اور دنیا کی بھلائی کو معلوم کیا کریں گے؟ تو سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: **بَعْدَ وَفَاتِیْ یَقْطَعُ الْوَحِی وَلَا یَقْطَعُ الْمُبشرات**

ترجمہ: یعنی میری وفات کے بعد وحی تو ختم ہو جائے گی لیکن مبشرات بند نہ ہوں گی۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا مبشرات کیا چیز ہے؟

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مبشرات وہ اچھے نیک خواب ہیں جو نیک بندوں کو دکھائی دیتے ہیں۔

۴) حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ ایک دن صحابہ کرامؓ سے فرما رہے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شکر ادا کرے اور اس خواب کو اپنے مومن دوستوں اور بھائیوں کے سامنے بیان کرے۔ اور اگر برا خواب دیکھے اور دیکھنے والا نیک بندہ ہو تو چند بار یہ پڑھے: **اَعُوْذُ بِا اللّٰہِ مِنَ الشّیطانِ الرجیم۔**

ترجمہ: میں شیطان مردود (کی شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ (حفاظت) مانگتا ہوں۔

اور اس خواب بد کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے تا کہ اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

شیطان خوابوں میں کون کون سی شکل میں نہیں آ سکتا

حضرت علامہ امام جابر مغربیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ رب العزت، پیغمبروں، فرشتوں، آسمان، سورج، چاند اور ستاروں کی شکل و صورت اختیار کرے۔

کیونکہ اگر شیطان کو یہ طاقت حاصل ہوتی تو مخلوقات میں وہ گمراہی اور فتنہ برپا کر دیتا۔ اسی طرح مشائخ عظام کا فرمان ہے کہ روحانی نظام کی برکت ہے کہ مرید کے لیے اپنے پیر (شیخ) کی شکل میں بھی شیطان ظاہر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر مرید اخلاص نیت کے ساتھ سلوک میں داخل ہوا ہے تو وہ شیخ طریقت روحانی نائب کی حیثیت میں ہوتا ہے۔

تعبیر خواب کی فضیلت اکابرین کے اقوال کے روشنی میں

قرآن و حدیث مبارکہ کے بعد صحابہ کرام اور بزرگان دین کے ارشادات سے بھی خوابوں کی تعبیر سے متعلق اقوال وحقایات پیش خدمت ہیں تا کہ اسلام میں خوابوں کی اہمیت و فضیلت سے واقفیت حاصل ہو سکے اور انہیں روحانی رہنمائی سمجھا جائے۔

۱) حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا قول مبارک ہے کہ سب سے پہلی نعمت جو اللہ تعالی رب العزت نے سیدنا حضور ﷺ کو عطا فرمائی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے خواب میں ایک مقرب فرشتے کو دیکھا جو آپ ﷺ سے اس طرح ہم کلام ہوا۔ اے محمد ﷺ آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کے گروہ میں ممتاز فرمایا ہے اور آپ ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے اور آپ ﷺ کے حق میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالی کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ جب حضور ﷺ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ نے اس کی تعبیر خوابِ نبوت سے فرمائی۔

۲) حضرت ہشام بن عروہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں (حضرت عروہؓ) نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو یہ مذکور ہے: **لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا**۔ [۱]

ترجمہ: یعنی مومنوں کے لیے دنیا کی زندگی میں بشارتیں (خوشخبری) ہوتی رہتی ہے۔

---

[۱] (سورۃ یونس، پ۱۱، آیت نمبر۶۴)

اس آیت مبارکہ میں خوشخبری سے مراد نیک بندوں کا خواب ہی ہے۔ صالح آدمی خود کوئی خواب دیکھے یا کوئی دوسرا بندہ اس کو خواب میں دیکھے۔

ایک صحابی مبارک کے قول سے ثابت ہوا کہ بشریٰ سے مراد مومنوں کے خواب ہیں۔

۳) امام محمد بن سیرینؒ جو ایک عظیم تابعی ہیں انہوں نے اس خواب کے علم کو باقاعدہ کتاب کی صورت میں مرتب کیا لہذا خواب کی تعبیر کا علم سمجھنا اور اس سے رہنمائی حاصل کرنا ایک پسندیدہ کام ہے اور اس پر تنقید اور مذاق ایمان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

خواب کی تعبیر کن لوگوں سے پوچھے

خوابوں کی تعبیر بہت ہی اہم ترین کام ہے لہذا اس کی وضاحت ضروری ہے کہ کن لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھنی چاہیے اور کن لوگوں سے خواب کی تعبیر نہیں پوچھنی چاہیے۔

سیدنا حضرت دانیال علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خواب کی تعبیر متقی پرہیزگار مومن سے پوچھنی چاہیے جو خواب کی تعبیر سے متعلق تمام قواعد وضوابط جانتا ہو۔ یعنی خواب بیان کرنے والے لوگوں کی قسم اور خواب بیان کرنے کے اوقات اور خواب پر موسموں کے اثرات وغیرہ سے مکمل واقفیت رکھتا ہو۔

تذکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے جو لوگ کامل اولیاء کرام سے روحانی سلوک طے کر رہے ہیں ان کے لیے طریقت کے لوازمات میں شامل ہے کہ وہ اپنی خواب کی تعبیر اپنے پیر ومرشد سے پوچھیں کیونکہ سالکین طریقت کے خواب ان کے روحانی احوال کی خبر ہوتے ہیں جن کو مشائخ کرام ہی سمجھتے ہیں ایسی روحانی خوابوں میں مرید کے باطنی حالات ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ وہ عام خوابوں کو ہی کیوں نہ دیکھ رہا ہو۔

امام الائمہ سیدنا جعفر صادقؓ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل چار قسم کے لوگوں سے خواب کی

تعبیر پوچھنا ناجائز ہے۔

۱) غیر شرعی بے دین لوگوں سے خواب کی تعبیر نہ پوچھیں۔ کیونکہ ایسے لوگ خیر و برکت سے محروم ہوتے ہیں۔

۲) عورتوں سے خواب کی تعبیر نہ پوچھیں۔

۳) جاہلوں سے تعبیر نہ پوچھیں۔ کیونکہ تعبیر بیان کرنے کے لیے علوم ظاہریہ یا علوم لدنیہ کا مالک ہونا ضروری ہے۔

۴) دشمنوں اور مخالف لوگوں سے خواب کی تعبیر نہ پوچھیں کیونکہ تعبیر جس طرح بیان ہوتی ہے اسی طرح خواب کی حقیقت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ دشمن غلط تعبیر بیان کرے گا جس سے خطرہ اور نقصان ہوگا۔

روحانی خواب اور ان کی تعبیریں

خوابوں کی تعبیر ایک بہت ہی وسیع موضوع ہے مگر یہاں ہمارا مقصد مریدوں اور سالکین کے باطنی احوال کو سمجھنا ہے جو ان کی خوابوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور تمام اکابر مشائخ نے اپنی کتب میں فرمایا ہے کہ مریدین کے لیے لازمی ہے کہ اپنی خوابوں کا ذکر اپنے مشائخ سے کریں تاکہ ان کو درست رہنمائی مل سکے۔

یہاں پر چند روحانی خوابوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان کی روحانی تعبیر بھی بیان کی جائے گی۔ جو مشائخ کرام پشت در پشت بیان کرتے آئے ہیں اور علم روحانیت و طریقت میں یہ مقبول اور پسندیدہ رہی ہیں۔ ان خوابوں کی صحت اور معیار کی دلیل کئی صدیوں سے مستند اولیاء کا عمل اور تصدیق ہے۔ یہاں بالکل نیک نیتی اور تربیت کی خاطر چند خوابوں کی تعبیریں بیان کی جا رہی ہیں۔ اگر کسی قاری کے ذہن میں کوئی بدنیتی اور فتور ہو تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں کہ شاہد وہ

ان خوابوں سے کوئی فتنہ اور انتشار پیدا کرنا چاہے۔ ایسے کسی بھی شخص کو خوف خدا تعالی اور یوم آخرت کی فکر یاد دلانا چاہتا ہوں۔

خوابوں کے بیان کا قطعی طور پر مقصد کوئی شہرت حاصل کرنا بھی نہیں بلکہ صرف اور صرف مشائخ کرام کے لیے آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تا کہ وہ مریدین کے روحانی حالات سے واقفیت حاصل کریں۔ کیونکہ اولیاء کو بعض دفعہ روحانی مشاہدہ سے مریدین کے احوال کی خبر ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ اللہ تعالی رب العزت اپنے فضل و کرم سے کشف کی نعمت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالی رب العزت اپنی کمال مہربانی سے کامل اولیاء کرام کو الہام کی دولت سے بھی نوازتے ہیں جو اولیاء کرام کے ذاکر قلب پر نزول کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مفتی فتوی دے چکیں تو توں اپنے دل سے فتویٰ پوچھ۔

یہاں اولیاء کے قلوب کی طرف اشارہ ہے جو قلب سلیم، قلب منیب اور قلب شہید کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اس سے عام لوگوں کے سخت، تاریک اور غیر ذاکر دل مراد نہیں ہیں۔ لہذا اگر کوئی کسی فتنہ میں غلط مطلب حدیث سے نکال پڑتا ہے وہ اپنی اس شر کا خود بروز محشر جواب دے گا۔

مشائخ کرام اور سالکین طریقت کی آسانی اور رہنمائی کے لیے نمونے کے چند روحانی خوابوں کا تذکرہ نیک نیتی سے کیا جا رہا ہے۔

بعض نام خفیہ رکھے جا رہے ہیں تا کہ شہرت اور خود نمائی کی نفی ہو سکے۔

خواب نمبر ۱

ایک شخص افتخار نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ایک ولی اللہ سے اس مبارک روحانی سلسلہ کے اذکار لیے اور چشتیہ سلسلہ میں داخل ہوا اس نے دن رات کو سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اذکار پر عمل کیا

تو اسی رات سحری کیوقت افتخار نامی شخص نے اپنے مرشد کے ساتھ امام العارفین، برھان السالکین حضرت عثمان بن علی الہجویری داتا گنج بخشؒ لاہوری کے مزار پر پہنچ گیا وہاں سے اسے لنگر اور میٹھی کھیر عطا ہوئی جسے اس نے کھایا پھر اس نے اپنے مرشد کے ساتھ کھڑا ہو کر وہاں کافی دیر ذکر (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ) بلند آواز سے کیا۔

تعبیر

مشائخ کرام کی تعبیر کیمطابق سحری کی خواب سچی ہوتی ہے اور اولیاء کرام کے مزار سے کچھ کھانا یا پینا روحانی فیض کی دلیل ہوتا ہے۔ اولیاء کرام کے سینہ سے جس طرح فیوضات و انوارات توجہ کے ذریعے مریدین کے لطائف باطنیہ پر منعکس ہوتے ہیں اسی طرح روحانی خانقاہ کے لنگر میں فیوضات اور نورانیت ہوتی ہے یہ خواب ررست روحانی چشتیہ سلسلہ میں داخل ہونے کی دلیل ہے اور خاص کر دودھ سے بنی کھیر مزید خاص نسبت فطرت عطا ہونے کی طرف اشارہ ہے چونکہ عطائے رسول ﷺ، سلطان ہند، محسن انسانیت حضرت خواجہ سیدنا معین الدین چشتی اجمیریؒ کی داتا دربار سے خصوصی نسبت ہے کیونکہ آپ نے وہاں پر خصوصی چلہ اور مراقبہ ادا کیا ہے اس لیے اس مرید کی تسلی کے لیے اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ منظر بذریعہ خواب دکھایا یہ خواب اس شخص کے مرشد کے کامل ہونے اور سلسلہ میں اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

خواب نمبر۲

ایک ولی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک دوسرے ولی ہیں جب خواب میں دونوں حرم کعبہ پہنچے تو ان میں سے ایک بیان کرتا ہے انہوں نے حرم مبارک کو حدود میں تین منزلہ عمارت دیکھی خواب میں ان کے دریافت کرنے پر ان کو بتایا گیا کہ ایک ولی شخص کا گھر ہے۔ یہ

دونوں اس گھر میں داخل ہوئے اور کچھ دیر تک ایک کمرے میں ٹھہرنے کے بعد باہر تشریف لے آئے۔

تعبیر

روحانی تعبیر اس طرح ہے کہ حرم میں گھر ہونا خصوصی قربت کی نشانی ہے مستقل رہائش ہی گھر کہلاتی ہے۔ جس ولی کا گھر ان کو دکھایا گیا ہے اس کو خصوصی قربت الٰہیہ سبحانہ میسر ہے اس ولی کے مستقیم الاحوال ہونے کی دلیل ہے جبکہ دیکھنے والے شخص کے لیے بقول حضرت علامہ ابن سیرینؒ حرم امن کی جگہ ہے لہذا اس کو دنیا میں امن نصیب ہوگا اور اس کو حرم کی حاضری حج یا عمرہ کی صورت میں نصیب ہوگی۔

خواب نمبر۳

ایک ولی نے خواب میں صاف شفاف کا نالہ بہتا ہوا دیکھا جو ایک عظیم ولی اللہ کے مزار اور اولاد کے گھروں کے پاس اور درمیان سے گزر رہا تھا۔ خواب دیکھنے والے ولی نے اس پانی کا رخ موڑ کر اپنی زمین کی طرف کر دیا اور صاف روڑ سے پانی کو اس طرف لے گیا۔

تعبیر

خواب میں صاف پانی روحانی فیض کی تعبیر رکھتا ہے۔ مشائخ کرام کے مطابق صاف پانی کا کسی خانقاہ میں پہنچنا روحانی اور باطنی فیوضات کی منتقلی کی دلیل ہے۔ فیوضات کے جاری ہونے کی خوشخبری پر یہ خواب دلیل ہے۔

حضرت علامہ جابر مغربیؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹی نہر یعنی نالا اگر صاف و شفاف ہے تو یہ زندگانی ہے یعنی اگر کوئی ایسی نہر کو کنٹرول کر رہا ہے اور اس کا رخ موڑ رہا ہے تو ایسا شخص حیات

بخش فیض کا حامل ہے اور لوگوں کو حیات باطنی عطا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا ہے۔

حضرت علامہ ابن سیرینؒ کے مطابق خواب صاف پانی بہتا دیکھنے والے کی زندگانی اچھی گزرنے کی دلیل ہے اور گدلا اور خراب پانی دیکھنا گمراہی پر چلنے اور کام کے خراب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

خواب نمبر ۴

ایک نوجوان نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ذکر لیا۔ خواب دیکھتا ہے کہ وضو کر رہا ہے اس کے دانت اس کے ہاتھ میں آ گئے ہیں۔

تعبیر

سلسلہ کی برکت سے وہ خود کو وضو کرتا ہوا دیکھ رہا تھا اور اس کے پرانے دانت کا ہاتھ میں آنا اور نیچے نیا دانت نکل آنا اس کی نئی روحانی زندگی کی دلیل ہے۔ اس کا نیا سفر باطنی پاکیزگی کی طرف ہے۔

خواب نمبر ۵

ایک شخص صاحب طریقت نے خواب میں دیکھا کہ اسے ایک ولی اللہ نے خانقاہ کے لیے روٹیاں لانے کے لیے شہر بھیجا جب وہ روٹیاں لے کر اس گاؤں کی طرف واپس ہوا تو اس نے ایک ناقابل بیان حد تک سرسبز درخت دیکھا۔ اس سبز رنگ کے بڑے درخت کے نیچے سارا گاؤں چھپا ہوا ہے اور وہ سبز عظیم درخت پورے گاؤں پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

تعبیر

حضرت سیدنا دانیال علیہ السلام کے مطابق سبز درخت شریف اور بزرگوار شخص کی صورت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن سیرینؒ کے مطابق بغیر پھل کے بڑا درخت درویش مرد پر دلیل ہے۔ [۱]

بعض مشائخ کرام کے مطابق سبز درخت شریعت اسلام ہے یعنی وہاں اس جگہ ایک عظیم شریعت کی حامل شخصیت کی طرف اشارہ ہے۔

اس کی ایک تعبیر مشائخ عظام کی تعلیمات کی روشنی میں اس طرح بھی ہے کہ سید البشر نور مجسم ﷺ کی ولایت عظمیٰ و کبریٰ جو لطیفہ اخفیٰ سے متعلق ہے اور آپ ﷺ کے زیدقدم ہے اس کے انوارات کا رنگ بھی سرسبز ہے۔ جب درخت سے مراد مرد درویش ولی ہوا تو درخت کے رنگ سبز سے اس ولی کی باطنی نسبت لطیفہ اخفیٰ کی ولایت سے ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اولیاء کرام پر یہ حقیقت عیاں ہے کہ نبی مختار ﷺ کے قدم مبارک سے منسوب ولایت لطیفہ اخفیٰ کے انوارات سبز ہیں۔ اسی باطنی نسبت کی بنیاد پر سید الکونین سرور کائنات ﷺ کے روضہ اطہر و منور کا رنگ مبارک سبز رکھا گیا ہے۔

اس خواب کو دیکھنے والے کے لیے خوشخبری ہے کہ اس کی روحانی نسبت اور تعلق مقبول اور درست راستہ پر چلنے والے ولی سے ہے جس کی وہ خدمت عقیدت سے کر رہا ہے۔ وہ عظیم فیوضات کی حامل شخصیت ہے۔

[۱] (تعبیر الرویا)

خواب نمبر ٦

ایک سالک نے ایک ولی اللہ سے درخواست کی کہ وہ دو زندہ ولیوں کا مقام دیکھنا چاہتا ہے کہ ان میں سے کون زیادہ صاحب مقام ہے۔ اس شخص کو ولی اللہ نے ایک وظیفہ بتایا کہ رات کو یہ پڑھ کر سو جانا چنانچہ وہ وظیفہ کر کے رات کو سویا تو اس نے دو بلند سبز پہاڑ آمنے سامنے دیکھے اور ان دونوں ولیوں میں سے ایک کو ایک سبز پہاڑ پر اور دوسرے کو دوسرے سبز پہاڑ پر کھڑا دیکھا۔

تعبیر

مشائخ عظام کے بقول سبز پہاڑ طریقت کو ظاہر کرتا ہے لہذا دونوں نے طریقت کے روحانی سلوک طے کیے ہوئے ہیں اور دونوں برابر معرفت کے حامل ہیں۔

خواب نمبر ۷

ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ عالم لدنی غوث الزمان محمد عبدالرحمان چھوہریؒ ایک بلند ترین سیڑھی پر تشریف فرما ہیں۔ دیکھنے والے روحانی سالک نے سیڑھی پر چڑھ کر ان کے ہاتھ کو بھوسہ دیا اس وقت حضرت خواجہ چھوہرویؒ ایک خاص خوشبو اپنے جسم پر لگا رہے تھے۔ اس سالک نے ان سے خواب میں درخواست کی یہ خوشبو مجھے بھی عطا فرمائیں۔ جواب میں حضرت خواجہ چھوہرویؒ نے فرمایا کہ یہ خوشبو تیرے لیے نہیں اس کے ساتھ ہی آپؒ نے اپنی جیب سے دوسری خوشبو نکال کر اس روحانی سالک (مرید) کو لگائی اور اس سالک کا ہاتھ پکڑ کر اس کو مزید بلندی پر لے گئے جس کے بعد اس مرید کو حالات کی کوئی خبر نہ رہی۔

تعبیر

سیڑھی عظمت اور شان ولایت کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ حضرت غوث الزمان عبد

الرحمان چھوہرویؒ اعلی روحانی مقام پر فائز ہیں جبکہ ان کا جاری طریقہ اپنی زندگی میں طریقہ عالیہ قادریہ تھا اگرچہ آپؒ کے پاس تمام روحانی سلاسل کا فیض موجود تھا۔ خواب بیان کرنے والا شخص نوجوان ایک نقشبندی مجددی ولی کا مرید تھا اس لیے حضرت خواجہ نے اپنی ظاہری خوشبو جو ہاتھ میں تھی وہ سلسلہ قادریہ کی خوشبو تھی وہ اسے نہ لگائی بلکہ جیب سے مخفی خوشبو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی عطا کی جس سے وہ سالک اپنے آپ سے گم ہو گیا۔ یعنی اس کو حالات کی خبر نہ رہی۔ اس خواب سے زندہ بزرگ کے مرید کو صراط مستقیم یعنی اولیاء کے طریقہ پر ہونے کی طرف خوشخبری دی گئی تاکہ وہ مزید عشق الٰہی کے غلبہ میں اپنا روحانی سفر جاری رکھے کیونکہ اولیاء کے لیے خوابیں دنیا کی بشارتیں ہیں جو مریدین کو یقین فراہم کرتی ہیں۔

خواب نمبر ۸

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک صاحب حیات ظاہری ولی کے مرید نے خواب میں دیکھا کہ اس کا شیخ اور دوسرا شیخ دیکھنے والے مرید کے دادا مرشد سیدی و مرشدی محبوب سبحانی قطب ارشاد جامع جمیع سلاسل اولیاء حضرت محمد لعل قندوزی المعروف حضرت استاد صاحب مبارک کے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ اسی دوران سید المرسلین ﷺ کی نعت کی آواز آئی۔ نعت شریف سنتے حضرت سیدی مرشدی استاد صاحب مبارک کی روح پرواز کر گئی۔

تعبیر

اس خواب سالک یعنی مرید پر اس کے سلسلہ کے مشائخ کی شان ظاہر ہوئی ہے۔ اس میں حضرت استاد صاحب کی نعت سننے پر روح کا پرواز کرنا ذات مصطفےٰ ﷺ کی ذات مبارکہ پر فدا ہونا اور آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں فنا ہونا ظاہر کرتا ہے۔ یہ روحانی شہادت پر فائز ہونے کی

دلیل ہے۔ اولیاء کرام کے نزدیک یہ فنا و بقا سے شرف ہونا ہے۔ یہ عشق مصطفےﷺ کے تحت فنا درحقیقت دائرہ محبوبیت میں فنا کی علامت ہے۔ یعنی اس فنا کے حامل اولیاء کرام کو محبوبی نسبت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اس محبوبی نسبت کو ظاہر فرما دیا گیا ویسے تو ہر ولی کے مقبول ہونے کے لیے دائرہ محبوبیت مصطفےﷺ میں داخل ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس داخل ہوئے بغیر خصوصی انوارات حاصل نہیں ہوتے مگر فیض یابی کے بعد عام اولیاء کرام کو اس حرم خاص سے باہر لے جایا جاتا ہے مگر کچھ اولیاء کی دائرہ محبوبیت میں نسبت کو باقی رکھا جاتا ہے۔ اور خصوصی ناقابل بیان ربط عطا ہوتا ہے۔ اس خاص عشقی ربط کے حامل اولیاء کو نسبت محبوبی عطا ہوتی ہے۔

محبوب بیت حقیقی سید الکونینﷺ کا خاصہ ہے۔ آپﷺ کے طفیل اور وسیلہ سے جب اولیاء کرام پر نور پاشی ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کو ظلی اور طفیلی طور پر محبوبیت عطا ہوتی ہے۔

اللہ تعالی ایسے لوگوں کے شر اور فتنہ سے دور رکھے جو بناوٹی اور خودساختہ اپنے مقامات ظاہر کرتے ہیں اور سچے طالبوں کو اپنے فریب میں پھنسا دیتے ہیں۔ ایسے کسی بھی نفس و شیطان کے غلام شخص کو اللہ تعالی رب العزت کے سامنے روز محشر حاضری کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اور لغو گوئی سے پرہیز کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین بجاہ النبی الکریمﷺ۔

اس خواب کی عام تعبیر کے حوالے سے حضرت علامہ ابن سیریں فرماتے ہیں کہ روح کا دیکھنا مال و عیال یا فرزند ہوتا ہے اگر دیکھے اس کی جان سے روح نکلی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس کی بیوی یا فرزند یا مال ضائع ہوگا۔

خواب نمبر ۹

ایک سالک نوجوان محمد شیراز نے سرور کائناتﷺ کی خواب میں زیارت و دیدار کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی آواز آئی کہ چہرہ انور و اقدسﷺ کا طرف دیکھنا بے ادبی ہے۔

چنانچہ مذکورہ سالک خواب میں سید الکونین ﷺ کے پاؤں مبارک سے لپٹ گیا اور پاؤں مبارک کو محبت بھرے انداز میں دبانے لگا اسی شخص نے پھر خواب میں سید البشر نور مجسم ﷺ کے روضہ اطہر میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی اور تربت اطہر (قبر مبارک ومنور) کو بھوسے دیئے۔ اسی خوش نصیب شخص کو سرور کائنات نبی مختار ﷺ کے جسم انور واطہر کے دیدار کی سعادت عطا ہوئی اور اس نے صدیق اکبرؓ کو اور اپنے پیر ومرشد کو وہاں عاجزانہ گفتگو کرتے ہوئے بیٹھا دیکھا اور وہ خود جاکر خواب میں اپنے پیر ومرشد کے پاس بیٹھ گیا۔

الحمد و لکبریا لک یا رب العالمین

الصلوۃ ولسلام علیک یا رحمۃ اللعلمین

تعبیر

اس خواب میں سالک صادق کو اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی سچائی اور بارگاہ رسالت تک واصل ہونا دکھایا گیا ہے۔ یہ اس صراط مستقیم کی صداقت کی خوشخبری ہے تاکہ اس نعمت عظیم پر شکر گزاری ہو سکے یہ سب اللہ تعالی رب العزت کے فضل وکرم کا معاملہ ہے یہ طریق اولیاء کی سچائی پر دلیل ہے۔

خواب نمبر ۱۰

ایک نوجوان سالک بلال نے دیکھا دو چھوٹے بچے جن کے سروں پر تاج پہنے ہوئے تھے۔ آسمان سے اترے اور اس کو ان دونوں نے اسلام علیکم پیش کیا اور ساتھ مبارکباد دی۔ اس سالک نے نفی اثبات یعنی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے دوران دیکھا کہ حالت خواب میں چاند اور تارے اتر کر اس کے (مقام ذکر نفس) پیشانی میں داخل ہو رہے تھے۔ الحمد اللہ رب العلمین۔

تعبیر

شہزادہ اہل بیت امام لائمہ قدوۃ المقربین سیدنا حضرت امام جعفر صادقؓ کے بقول چاند کو دیکھنا مندرجہ ذیل چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔

۱) رئیس ہونا ۲) شرف و مرتبہ ۳) دوست و مصاحبت

۴) ولی اور بزرگ ہونا ۵) ماں و باپ ۶) عورت۔ خادم

۷) فرزند

جب صاحب سلوک روحانی شخص جس کا باطن ذاکر ہو اور وہ ایسی خواب دیکھے تو اس کی تعبیر اس کا ولی ہونا اور اس کی بزرگی اور سرداری پر ہوگی کیونکہ اس خواب میں چاند اور تارے جو کہ نور بخش مخلوق ہیں اس خواب دیکھنے والے شخص کی پیشانی میں داخل ہو رہے ہیں تو باطنی نور کے داخل ہونے کی ظاہر خوشخبری ہے۔

حضرت علامہ ابراہیم کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ خواب خوبصورت لڑکا فرشتہ کی تاویل ہوتا ہے۔ تو یہاں اس خواب میں دونوں لڑکے آسمان سے اترتے ہوئے بھی نظر آئے لہذا اس خواب میں وہ دونوں فرشتے تھے۔ جو اس ولی کی اللہ تعالی کی معرفت کی مبارکباد دے رہے تھے۔ اس کا مھبط فیوضات و انوار ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

خواب نمبر ۱۱

ایک سالک روحانی محمد بلال خان صاحب ایک دفعہ حالت بیداری میں نماز پڑھائی دوران نماز اس ولی کو مشاہدہ باطنی ہوا کہ بیت اللہ شریف اس کے سینہ سے باہر نکلا ہے اور اس سے انوارات بکھر رہے تھے اور بیت اللہ شریف کی یہ صورت اس کے سر کی طرف جاتے ہوئے

آسمانوں کی طرف چلا گیا۔

تعبیر

اس روحانی مشاہدہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ اس ولی کا سینہ غیر اللہ سے پاک ہو چکا ہے اور اس پاک ذات کے علاوہ ہر چیز اس کے سینہ سے غائب ہو چکی ہے۔ لہذا اس کے لطائف عالم امر سینہ سے کعبہ شریف کی شکل میں عروج کے لیے محو پرواز ہوئے اور وہ اس کے سر کی طرف جاتے ہوئے اس کے لطیفہ نفس اور قالب کو بھی عالم قدس کی طرف فنا کے لیے ساتھ لے گئے یعنی اس ولی کی عالم امر اور عالم خلق کی اکھٹی فنا کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں تمام لطائف کا عروج ہے۔

عروج سیر الی اللہ کی نشانی ہے اور یہ فنا و بقا سے مشرف ہونا ہے۔ کیونکہ اولیاء کے لطائف عام طور پر اسی طرح کعبہ شریف کی صورت میں ہی ظاہر ہو کر قرب خداوندی کی مزید بلندیوں کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔ الحمد للہ اس دور میں ایسی نعمتیں اللہ تعالی رب العزت کے فضل و کرم سے ممکن ہو سکتی ہیں۔ ہم سب پر انکا شکر واجب ہے۔ اس سے اس ولی اللہ کے نفس کا مطمئنہ ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔

خواب نمبر۱۲

ایک سالک روحانی نے دیکھا کہ اس کے دادا پیر و مرشد یعنی محبوب سبحانی قطب ارشاد حضرت محمد لعل قندوزی المعروف حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ ایک خوبصورت کمرے میں تشریف فرما ہیں اور کچھ ذاکرین بھی آپ کے ساتھ موجود ہیں۔ اس شخص سالک روحانی کو حضرت استاد صاحب نے کمرہ میں بلایا اور فرمایا کہ یہ میرے فلاں خلیفہ کا لاڈلہ مرید ہے۔ اس خلیفہ مطلق

کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ اس وقت اس سالک نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو ذکر قلبی دے رہا تھا۔

تعبیر

اس خواب میں حضرت استاد صاحب مبارک کا بلانا اور ان کی موجودگی میں اس شخص کا لوگوں کو ذکر دینا اس کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ عام آدمی بغیر خلافت کے روحانی قلبی اذکار کی تلقین کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ لہذا یہ سالک خلافت کا حقدار ہے۔

خواب نمبر۱۳

ایک ولی اللہ نقشبندی کو خواب میں ایک روحانی شخص نے کہا کہ آپ کی والدہ فوت ہو گئی ہیں۔ اس ولی نے جواب دیا کہ میری والدہ فوت نہیں ہوئی بلکہ یہ میرے قالب کے اجزاء کی فنا ظاہر ہوئی ہے۔

تعبیر

اس خواب میں اس ولی کے باطن نے خود ہی رہنمائی کر دی کہ یہ میرے قالب کی فنا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ قالب یعنی جسم انسانی والدہ کے جسم کا حصہ ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس خواب کی تعبیر قدرتی طور پر باطن نے خواب میں ہی بتا دی ہے۔ دوسرے اولیاء نے بھی اس تعبیر کو درست قرار دیا ہے۔

خواب نمبر۱۴

خواب میں تحریک منہاج القرآن کے قائد کو پہاڑ کی طرح کھڑے راستے پر بمع اپنے پیروکاروں کے چڑھتا ہوا دیکھا۔ دیکھنے والے ولی کو اپنی کم ہمتی اور کمزوری کا احساس ہوا۔ اسی عظیم

قائد کے ساتھ خود کو اور ایک دوسرے ولی اللہ کو ایک صوفہ پر سفید لباس اور عمامہ میں ملبوس بیٹھے ہوئے دیکھا جبکہ ایک اور ولی اللہ ان کے ساتھ ہی بائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ولی نے خواب بتایا کہ قائد انقلاب مصطفوی ﷺ کو درجہ شہادت حاصل ہوا ہے اور وہ شہادت پا گئے ہیں۔

تعبیر

مشائخ عظام کے نزدیک پہاڑ پر چڑھنا طریقت کی منازل طے کرنا ہے اور سیدنا بلند روڑ بھی صراط مستقیم کی شکل ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن سیرینؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

نفس مطمئنہ کے حامل اس مقبول ولی نے قائد انقلاب مصطفوی ﷺ کو جو صوفیہ پر سفید لباس اور عمامہ میں ملبوس دیکھا تو یہ حضرت علامہ ابن سیرینؒ کے مطابق بزرگ اور مکرم شخصیت ہونے پر دلیل ہے۔

سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ کرسی سے مراد علم ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ ابراہیم کرمانیؒ نے فرمایا ہے کہ کرسی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احاطہ ہے اور یہ کامل ہونے کی تاویل ہے۔ اسی طرح حضرت جابر مغربیؒ نے فرمایا ہے کہ کرسی کی تاویل امام مطیع ہونے پر دلیل ہے۔

مشائخ عظام کے نزدیک سفید لباس جنتی ہونے کی نشانی ہے۔ زیر نظر تین خوابوں میں دیکھنے والے بندہ مومن ولی کامل نے شیخ الاسلام مفسر قرآن شیخ طریقت قادریہ مجدد ملت ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے بارے میں دیکھی ہیں اور بقول اس ولی اللہ اس کو واضح طور پر مدینہ طیبہ سے ان کی مقبولیت وقبولیت کی خوشخبری دی ہے۔

راقم الحروف کو اس ولی نے یہ تحریر میں لانے کا حکم دیا ہے حالانکہ اس بندہ مومن کا تحریک منہاج القرآن سے کوئی رکن یا رفیق ہونے کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اس خواب کو تحریر میں لانے کا مقصد الہامی اور مشاہدہ باطنی پر مبنی حقیقت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور خوف خدا کے پیش نظر مشاہدہ

باطنی وحق بات کو جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ظاہر کرنے کا حکم ہے چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔ کسی کی ذاتی، علمی یا سیاسی مخالفت اپنی جگہ مگر راقم الحروف کے نزدیک کسی الہامی اور مشاہدہ باطنی پر مبنی حقیقت کو چھپانا ممکن نہیں۔ ہاں یہاں یہ بات واضح کر دینا ہی مناسب ہے کہ کسی ولی اللہ کا الہام یا مشاہدہ صرف اس کی ذات کے لیے ہی دلیل ہے۔

شہزادہ اہل بیت امام العارفین سیدنا حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ کرسی کا دیکھنا یا اس پر تشریف فرما ہونا اگر بندہ مومن متقی دیکھے تو اس کی تعبیر چھ وجہ سے ہے۔

۱) ولایت یعنی ولی ہونا ۲) عزت وشان ۳) عدل
۴) انصاف ۵) قدر ومرتبہ ۶) مقام

حضرت امام سیرینؒ فرماتے ہیں کہ سڑک سیدھی پر لوگوں کی رہبری کرنا رہا ہے۔ تو اس خواب کی تعبیر یہ ہوئی کہ وہ دین اسلام کے راستے پر ہے اور اس قوم کو راہ راست اور دین پر لگائے گا۔ اس منظر کو دیکھنے والے کے لیے استقامت اور دینداری کی دلیل ہے۔ حضرت اسماعیل اشعثؒ فرماتے ہیں کہ خواب سیدھا راستہ اسلام ہے۔

ان خوابوں سے ان کے صاحب قرب ہونے اور اولیاء کرام کے مقامات صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے شہید روحانی کے درجہ پر فائز ہونے کی خبر جو مکمل باطنی فنا و بقا سے مشرف ہونا ظاہر کرتا ہے اور اپنے معتقدین کو بھی روحانی سلوک و منازل طے کرانے کی بہترین روحانی قوت وصلاحیت رکھتے اور صاحب توجہ باطنی ہیں اور ان کے عقیدت مند فیوضات باطنیہ ان سے اخذ کر رہے ہیں۔

نیک نیتی سے شیخ الاسلام کا نام تحریر میں ظاہر کیا گیا کیونکہ روحانی معاملات میں خیانت قابل گرفت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رب العزت کا فرمان ہے کہ جو کوئی گواہی کو

چھپاتا ہے تو اس کا دل گناہ گار رہے۔

اگر ظاہری گواہی کو چھپانا جرم ہے تو باطنی والہامی گواہی کو چھپانا بھی گناہ و جرم ہے۔ اگرچہ باطنی مشاہدہ والہام خود اسی ولی کے لیے ہی ثبوت و یقین کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی کے لیے دلیل ہے۔ عام آدمی کے لیے مشاہدہ والہام قابل حجت اور دلیل نہیں مگر اہل عقیدت باطنیہ کے خوشخبری ضرور ہے۔

یہاں روحانی خوابوں کا تذکرہ بھی اہل خواص روحانی لوگوں کے لیے ہے نہ کہ عام کے لیے۔ کیونکہ باطنی رہنمائی صرف اہل باطن کے لیے خاص ہے۔ اللہ تعالی مفسدین اور نفس پرستوں کی شر سے محفوظ فرمائے آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

خواب نمبر ۱۵

خواب میں ایک ولی نے خود کو عرش معلیٰ کے ستونوں کے ساتھ لپٹا ہوا دیکھا اور ان مبارک ستونوں کے ساتھ چڑھتا ہوا انتہا تک پہنچ گیا۔ وہاں اس ولی کے منہ سے آواز نکلی کہ مجھ پر موت نہیں ہے ہاں البتہ جب شاہد قیامت کا جب زلزلہ وقوع پزیر ہو تو اس وقت میں یہاں سے فوت ہو کر گر جاؤں۔

تعبیر

اس خواب میں ولی کے جسمانی اور باطنی عروج کا مشاہدہ ہے یعنی اس ولی کو عالم امر اور عالم خلق کا عروج نصیب ہوا ہے۔ اس ولی کو فنا اور بقا سے مشرف کر دیا گیا ہے اور اس کا باطن وہاں پہنچ کر بول رہا ہے کہ رب مجھ پر موت نہیں ہے کیونکہ وہ بقا روحانی پا چکا ہے۔ صاحب کمال ولی ہے جو عشق الہی کے بحر بے بیکراں میں غوطہ زن ہے اور کلی فنا سے مشرف ہو چکا ہے۔ اور نفس

مطمئنہ کا مالک بنا دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی نے اس خواب میں اس کی باطنی حالت کو اس پر ظاہر فرمایا ہے۔ یہ قرآن مجید کے ارشاد کا مصداق ہے کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بشارتیں ہیں۔

انتہا درجہ کی باطنی قربت کی نشانی ہے ایسے خوش نصیب لوگ قرآنی لغت میں سابقون اور مقربون ہوتے ہیں کہ جو کہ قرون اولی میں زیادہ تھے اور قرون اخریٰ میں قلیل ترین ہوں گے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ٥ [1] کے مبارک گروہ میں سے ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائی گے۔

خواب نمبر ١٦

ایک ولی کو خواب میں سحری کے وقت آواز آئی کہ توں حضرت سیدنا عباسؓ کی اولاد سے ہے۔

تعبیر

اس خواب میں اس ولی کو حضرت عباسؓ کی اولاد سے ہونے کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ حالانکہ وہ قریشی نہیں ہے بلکہ پٹھان قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خواب کی تعبیر مشائخ عظام کے نزدیک روحانی اور معنوی اولاد ہونا مراد ہے وہ اس طرح کہ سیدنا حضرت عباسؓ کے فرزند سیدنا عبد اللہؓ بن عباسؓ کے لیے نبی مختار ﷺ نے فہم قرآن دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ تعالی حضرت ابن عباسؓ کو قرآن کا ظاہری و باطنی فہم اور سمجھ عطا فرما۔ آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت کا فیض تھا کہ آپؓ صحابہ کرامؓ میں ترجمان القرآن کے نام سے مشہور تھے اور کم عمر ہونے کے باوجود جید صحابہ کرامؓ کی

---

[1] (سورۃ واقعہ، پ ٢٧، آیت نمبر ١٣)

اہم نشت میں آپؓ کو بٹھایا جاتا تھا اور اس خواب کی تعبیر اس طرح ہے کہ اس ولی کو حضرت سیدنا ابن عباسؓ کا فیض فہم القرآن عطا ہوگا اور ایسا ہی ہوا کہ اس ولی کو قرآن کے بہت اہم معارف و اسرار سے آگاہ کیا گیا اور اس کے قلب ذاکر و سلیم پر کچھ ہی عرصہ پر آیات قرآنیہ کی تفسیر اور ربط آیات قرآن سے متعلق چیزیں الہام کی شکل میں ظاہر ہونا شروع ہوئیں اور اس سے علوم قرآنیہ کیا اہم انکشافات بیان ہوئے۔ جو اس ہمنشین ساتھیوں پر واضح ہیں۔

الہام قلب پر نور کی شکل میں ظاہر ہونے والے علوم ہیں جو عقل انسانی تک پہنچ کر ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ **وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ہ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰهَا ہ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ہ**[۱]

ترجمہ: اور نفس اور جو اس کو مناسب (برابر۔ متوازن) کیا۔ پس اس کو الہام کیا اچھائی کا اور بدی کا۔ بے شک کامیاب ہوا جس کو اس (اللہ تعالی) نے پاک کیا۔

اس آیت مبارکہ میں الہام کے قابل صرف وہی نفوس قدسیہ کو ظاہر کیا گیا ہے جو اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اپنی اصلی توازن و مناسبت کی حالت پر آتے ہیں۔ اس میں ظاہری مناسبت بھی بدرجہ اولی ثابت ہے مگر نفس کا راہ راست اور اصل اطاعت کے مقام پر پہنچنا ہے جیسے کہ فرمایا کہ وہ کامیاب ہو گیا جس کے نفس کو تزکیہ باطنی حاصل ہو گیا یعنی الہام ایک اعلی درجہ کی مقدس ترین نورانی عطا ہے۔ جو صرف اور صرف صاف و شفاف باطن پر ہی نزول کر سکتی ہے۔ وحی کا علم صرف نبیوں کے ساتھ خاص ہے جبکہ ولیوں کو عطائی علم الہام کے طور پر ہوتا ہے۔ اس پاک ترین عطائے ربانی کے مہبط و نزول کے لطافت و طہارت باطنی و ظاہری لازمی ہے۔ نفس مطمئنہ کے حامل ولیوں کو الہام کے ذریعے نیکی اور بدی کی تمیز سے آگاہی اور سمجھ عطا ہوتی ہے جو نص

[۱] (سورۃ الشمس، پ۳۰، آیت نمبر۸)

قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کبریائی اور تقدس کے پیش نظر عام نفس امارہ کے لوگ اپنی ذلت اور تاریکی کے سبب اس قابل نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ رب العزت ان سے کوئی خاص معاملہ بغیر واسطہ کے فرمائے۔ کمال درجہ کی باطنی مظاہری طہارت و لطافت اسی ربط کے لیے لازمی ہے۔

خواب نمبر ۱۷

ایک سالک نے مسلسل دو تین دن دیکھا کچھ انڈے گندے اور کچھ صاف ہیں جب گھونسلے میں اس نے ہاتھ ڈالا تو وہاں سے پرندوں کے بچے نکل رہے تھے۔

تعبیر

مشائخ کرام کے نزدیک چڑیا کا انڈا خوشی ہے جبکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس ولی کے پاس صاف لوگ بھی آتے ہیں اور خراب فاسق لوگ بھی آتے ہیں۔ جن کو وہ بیعت کرتا ہے۔ گھونسلے میں ہاتھ دینا تاویل ہے باطن پر ہاتھ رکھنے سے کہ نئی دنیا اور نئی زندگی آباد کرنی ہے۔ یعنی اس ولی کے ہاتھوں سے مریدوں کو باطنی حیات عطا ہوگی۔ جیسے انڈے کو چھونے سے حیات بچے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اس کے ہاتھ حیات بخش باطنی صلاحیت و تصرف کے مالک ہیں۔

خواب نمبر ۱۸

ایک سالک نے خواب میں دیکھا کہ چالیس آدمی کھڑے ہیں اور ساتھ ہی اسے آواز آئی کہ ازلی و ابدی ولایت کے امام شیر خدا باب علم سیدنا علی المرتضیٰؓ کے زیر قدم یہ ولی ہیں۔ یہ اولیاء کرام زمین پر تشریف فرما تھے۔ ان کو دیکھ کر جب وہ ان لوگوں سے گزر کر آگے بڑھا تو آگے

ایک خیمہ نصب تھا۔ خیمہ کے اندر ایک نہایت ہی نورانی شخصیت تشریف فرما تھی۔ جو حبشی النسل نظر آ رہے تھے۔ ان کی دونوں طرف چار چار ولی کھڑے تھے ان میں سے ایک قبلہ سیدی حضرت استاد صاحب مبارک کے ایک خلیفہ بھی تھے۔

تعبیر

اس خواب میں تکوینی اولیاء کی خبر دی گئی ہے۔ جن کی تربیت و نگرانی سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ذمہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی فاروقی سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ امام ولایت حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ وجود عنصری و جسمانی میں تشریف لانے سے پہلے بھی دوسرے انبیاء علیہ السلام کی امتوں میں بھی روحانی طور پر اولیاء کی تربیت و نگرانی پر فائز تھے۔[1]

اس خواب میں چالیس اولیاء جو دکھائے گئے وہ ابدال تھے جبکہ اندر خیمے والے چار اولیاء اوتاد تھے اور چار اولیاء عمد کے روحانی مقامات پر فائز تھے۔

خواب نمبر ۱۹

عبدالقدوس نامی شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے اردگرد سرسبزہ ہے مگر ایک شخص سالک اس کے سامنے چٹیل زمین پر بیٹھا ہے جو سبزے کے بغیر ہے۔

تعبیر

اس سالک کے لیے یہ اچھی حالت نہیں ہے جو سبزے کے باہر سادہ زمین پر بیٹھا ہوا نظر آیا ہے۔ سبزہ فیض و برکت کی نشانی اور وہ مسجد سے بھی باہر بیٹھا ہوا تھا یہ اس کی بانی دوری کو ظاہر کرتا ہے۔

[1] (مکتوبات امام ربانی)

خواب نمبر ۲۰

محترم جناب پیر طریقت افتخار خان صاحب نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص وضو کے لیے عمامہ اتارتا ہے اور وہ کھل جاتا ہے اور اس عمامہ کے اندر سے کعبہ شریف کے غلاف مبارک کالی دو پٹیاں نکلتی ہیں اور سامنے نظر آتی ہیں۔ اس موقع پر ایک غیبی آواز آتی ہے کہ مرشدی قبلہ محبوب سبحانی حضرت استاد صاحب مبارک کے خلیفہ مطلق (ان کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں) یہ کالے رنگ کی غلاف کعبہ کی پٹیاں بیت اللہ شریف سے لائے تھے وہ اتاری ہو سیاہ پٹیوں والا عمامہ محترم افتخار صاحب نے پہن لیا۔

تعبیر

شہزادہ اہلبیت امام العارفین سیدنا امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ خواب ٹوپی یا کلاہ دیکھنا ولایت اور بزرگی وعزت کی دلیل ہے۔ اس خواب میں سیاہ رنگ کا کلاہ یا عمامہ انوارات کعبہ کے فیض کی نشانی ہے۔ کعبہ شریف کے انوارات سیاہ رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی نسبت سے کعبہ کا غلاف بھی کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ جس ولی نے کالے رنگ والا عمامہ اتارا ہے اس خشیت الٰہی کا بہت عرصہ غلبہ رہا ہے اب اس کو دائرہ حشیت سے باہر قدرت نے اسے اپنے فضل وکرم سے نکالا ہے۔ اسی موقع پر وہ ولی خشیت کے غلبہ سے عمامہ اتارنے کے بعد رحمت وسکون کی کیفیت میں آیا ہے۔ جس نے کالے رنگ کو پہننا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب حشیت سے اس معاملہ پڑے گا۔ پہلا ولی اصلی خشیت کعبہ سے لیکر آیا ہے جیسے آگے منتقل کیا جا رہا ہے۔ اسی کا خواب میں ظاہر ہونا پہلے ولی کو بروقت خوشخبری دینا ہے۔

خواب نمبر ۲۱

ایک بندہ سالک نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ساتھ شیخ ظہور احمد خان صاحب چھوہر شریف کے قبرستان میں ایک گمنام سابقہ اجل ولی اللہ کی قبر مبارک کے پاس پاؤں کی جانب کھڑے ہیں۔ اس عظیم ولی کی بیوی بھی قبر مشرق کی جانب ساتھ ہی ہے۔ اس ولی کو شیخ طریقت ظہور احمد خان صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے خواب دیکھنے والا بندہ متعجب ہوا۔ ان دونوں کی گفتگو سننے کے ساتھ ہی اس ولی کا مبارک جسم سفید کفن میں ملبوس زمین سے تھوڑا اوپر بلند ہوا جو بہت ہی خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ اسی لمحے غائب سے نعت رسول مقبول ﷺ کی آواز آنا شروع ہوئی۔ نعت سن کر اس ولی پر دیگر اولیاء کرام کی طرح حالت وجد طاری تھی اس ولی کے سینہ مبارک کے لطائف ذکر باطنی اور وجد میں سامنے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ اس وقت یہ بات سنائی دی کہ ساتھ اس کی بیوی سعیدہ بی بی کی قبر مبارک ہے۔ راستہ کے ساتھ اس ولی کی قبر مبارک ہے۔ اسی وقت خواب میں اس قبرستان پر بارش کی طرح انوارات کو برستے ہوئے دیکھا گیا۔

تعبیر

پرانے لوگوں کی روایت کے مطابق مرشدی محبوب سبحانی برہان علوم لدنیہ غوث الزمان خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی کے زمانہ سے یہ ولی پہلے گزرے ہیں اور حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی نے وہاں اپنی والدہ کا مزار بناتے وقت اس گمنام ولی کی قبر کی نشاندہی فرمائی تھی جو بعد میں کئی مومن بندوں پر ان کی روحانی عظمت ظاہر ہوئی۔

معبر عظیم حضرت علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ اگر فوت شدہ آدمی کو سفید لباس میں دیکھے تو وہ اس مردہ کا صالح اور جنتی ہونا ظاہر کرتا ہے لہذا اس ولی کا صالح اور جنتی ہونے کی دلیل

ہے۔ عالم برزخ میں موجود شخص کا گفتگو کرنا اس کی روحانی زندگی کی علامت ہے حضرت علامہ جابر مغربیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عظیم شخصیت کا خواب زندہ ہونا ظاہر ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مذہب اور خصلت زندہ ہوگا۔

حضرت سیدنا دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ بارش خواب میں اللہ تعالی رب العزت کی رحمت و برکت ہے لہذا اس خواب میں انوارات کی بارش تھی تو اس رحمت و برکت کا نزول ہے جو اس قبرستان پر نازل ہو رہا تھا۔ اس خواب میں دیکھنے والوں کو برزخی حالات کا مشاہدہ کروانا بھی مقصود ہے کہ باطنی احوال والے اولیاء کی کیسی پر کیف روحانی زندگی ہوتی ہے اور اپنے جسم مبارک کے ساتھ سلامت و محفوظ ہوتے ہیں اور ان کا باطن ذکر میں اور وجد میں محو رہتا ہے اسی خواب کو دیکھنے والے بندہ کو ایک مرحومہ ولیہ کی برزخی زندگی بھی حالت خواب میں مشاہدہ کروائی گئی جوان کی مرید تھی۔ اس کا جسم مبارک سفید رنگ لباس میں ملبوس تھا وہ فرما رہی تھی کہ باطنی ذکر کرتی رہتی ہوں اور اختیار دیا گیا کہ کون سے انوارات کا رنگ پسند کرتی ہو تو وہ کہتی ہے کہ میں نے سبز رنگ پسند کیا جو لطیفہ اخفیٰ کے فیوضات کا رنگ ہے اور اعلی درجہ کی ولایت ہے۔ اس تحریر کا مقصد روحانی لوگوں کی رہنمائی اور یقین ہے عوام کی سوچ سے یہ معاملات دور ہیں۔

یہ منظر دیکھنے والے کے لیے بھی حفظ و امان کی دلیل ہے جیسا کہ سیدنا امام العاشقین حضرت جعفر صادقؓ فرماتے ہیں کہ یہ بارش برکت رحمت اور امان ہے اگر پسندیدہ منظر ہے جیسے انوارات کی بارش ہو رہی تھی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھے کہ قبرستان پر بارش برستی ہے تو اس بات کی دلیل ہے کہ اہل قبور پر رحمت حق ہوگی۔

خواب نمبر ۲۲

ایک سالک کو خواب میں کسی شخص نے کہا تجھے اویسی نسبت حاصل ہے۔ اسی شخص کو حضرت صاحبزادہ طیب الرحمٰن قادری چھوہرویؒ نے خواب میں فرمایا کہ آج نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی تشریف لا رہے ہیں ان کے دیدار کے لیے آنا جب وہ شخص اپنے گاؤں کی مسجد میں داخل ہوا تو مسجد کے ہال کے دروازہ کے ساتھ صحن میں دائیں طرف سیدنا امام العاشقین سیدنا اویس قرنیؓ اور بائیں طرف حضرت صاحبزادہ طیب الرحمٰن چھوہرویؒ تشریف فرما تھے۔ سامنے ہوتے ہی جب خواب دیکھنے والا بندہ سیدنا امام العاشقین حضرت اویس قرنیؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ تجھے دو کاموں میں سے ایک کام کرنے کی اجازت ہے ایک یہ کہ تکیہ لا کر میری پیٹھ کے پیچھے رکھ یا دوسرا یہ کہ میرے پاؤں کو بھوسہ دے سکتے ہو۔

یہ سن کر اس شخص نے عرض کیا کہ میں بھوسہ دینے کی سعادت حاصل کروں گا۔ پھر فوراً جھک کر اس شخص نے آپؓ کے دائیں پاؤں مبارک کو اوپر بھوسہ دیا اور بائیں پاؤں کے نیچے یعنی تلوؤں پر بھوسہ دیا۔ اس کے بعد آپؓ نے فرمایا جاؤ میرے لیے پانی لاؤ۔ شخص پانی لانے کے لیے گھر گیا اور وہ اس وقت خواہش رکھتا تھا کہ وہ اپنے والدین کو بھی اس عظیم عاشق کے دیدار کے لیے بلائے چنانچہ وہ گھر میں اپنے والدین کو اطلاع کر کے جب واپس مسجد گیا تو دونوں حضرات کھانا تناول فرما رہے تھے جبکہ مسجد کے ہال کے اندر امام مسجد لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا جبکہ یہ دونوں حضرت مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے اور نماز میں شریک تھے دیکھنے والے کے باطن نے اس وقت گواہی دی کہ یہ حضرات الگ اپنی جماعت کریں گے۔

تعبیر

حضرت علامہ ابن سیرینؒ کے نزدیک مسجد میں داخل ہونا خوف سے امن میں آنے کی دلیل ہے۔

حضرات مشائخ عظام کے نزدیک پاؤں پر بھوسہ دینا ان کے طریقہ اور انداز اور اس شخصیت سے محبت اور اس کی پیروی کی نشانی ہے۔ چونکہ خواب دیکھنے والا شخص سیدنا اویس قرنیؓ اپنے دندان مبارک شہید کرنے کے عمل کو دنیا کی واحد مثال سمجھتا ہے اور اس کی قبولیت اس درجہ کمال کو پہنچی کہ سید الکونین ﷺ نے اپنے مراد سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اور سیدنا حضرت علیؓ کو اپنا کرتا بطور تحفہ دیکر اس عظیم عاشق کی خدمت میں لے جا کر دعا کروانے کا حکم دیا اور تمام دنیا پر واضح کر دیا کہ عشق کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ اعلی ترین درجات پر فائز اجل صحابہ کرام اس عاشق کی شان بڑھانے کے لیے وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ ان حضرات کا خواب اس امام کی اقتداء میں نماز نہ پڑھنا اس کے عقائد کے اہلسنت و جماعت کے منافی ہونے کی وجہ سے تھا کیونکہ خواب دیکھنے والا بھی اس امام کے عقیدہ کی وجہ سے اس کی اقتداء کرنا پسند نہیں کرتا ہے تا کہ بارگاہ رسالت سے ناراضگی نہ ہو کیونکہ ذات مصطفے ﷺ سے اپنی وفاداری اور غلامی کا رشتہ برقرار رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ ان حضرات کے عمل سے اس شخص کے عقیدہ وعمل کی تصدیق ہوگئی۔ لہذا کسی بھی روحانی سالک کے لیے یہ ایمانی خطرہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی اقتداء کرے جو شان رسالت کے کسی بھی پہلو میں کمی کا مرتکب ہو۔ کسی بے ادب کی اقتداء کسی وفادار عاشق کے لیے طریقت کے اصولوں میں قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ اس خواب کی تعبیر میں مرشدی قبلہ حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ نے فرمایا کہ بڑی خوشی کی بات ہے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مراد لوگوں کو اویسی نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ بھوسہ دینا اس شخصیت سے دوستی اور فیض یابی کی علامت ہے اسی طرح سیدنا امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ خیر و نفع کی علامت اور اپنی حاجت کو پانے کی دلیل ہے اور دشمن پر فتح پانے کی دلیل ہے۔

خواب نمبر ۲۳

ایک صالح آدمی نے دو اولیاء کے بارے میں دیکھا وہ کنواں کھود رہے ہیں تا کہ لوگوں کو صاف پانی دیں کیونکہ پہلے کنویں میں پانی کم ہو گیا ہے۔

تعبیر

عام لوگ اگر ایسی خواب دیکھیں کنواں عورت کی تاویل ہے اور کنواں کھودنا مکر و فریب ہے۔ مگر اولیاء کرام کے نزدیک صاف و شفاف پانی کے حصول کے لیے متقی پرہیزگار لوگ ایسا کرتے ہوئے دیکھنا ان کی باطن کے اندر جدوجہد کر کے سچائی پہنچانے کی کوشش کرنا ہے تا کہ اس پانی جو ایک عظیم نعمت ہے اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچا سکیں یعنی یہ دوسروں ونفع کی نیت سے پسندیدہ کام ہے۔ یہ لوگ پوشیدہ نعمت کو سامنے لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

خواب نمبر ۲۴

ایک ولی نے اپنے ساتھ ایک دوسرے ولی کی موجودگی میں دیکھا کہ ایک مذہبی فرقہ کے اکابرین ایک اندھیر گڑھے میں تھے۔ ان میں سے ایک کو کھینچ کر نکالا تو وہ سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر اس کو ولی نے چھوڑ دیا کہ یہ اپنے حساب میں پھنسا ہوا ہے اپنے عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے۔

تعبیر

اس خواب میں اس بندہ مومن کو بے ادبی بارگاہ رسالت ﷺ کے مرتکب فرقوں کے اکابرین کا بری منزل اور عذاب پر مبنی حشر دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی سورۃ حجرات میں واضح طور پر اعلان ہو چکا ہے کہ اگر درجہ صحابیت پر فائز کوئی شخص بارگاہ رسالت کی بے ادبی اور گستاخی کا مرتکب ہو جائے تو اس کے اعمال خبط کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ سید المرسلین ﷺ کی بے ادبی مسلمان کو مرتد اور واجب القتل کر دیتی ہے جب ایمان بے ادبی سے اڑ گیا تو اعمال یقینی طور پر راکھ کا ڈھیر بن کر ضائع ہو جاتے ہیں اعمال صالحہ کا فائدہ ایمان سے مشروط ہے جب ایمان نہ سمجھتے ہوئے گم کر دیا جائے تو عمل خود بخود ضائع ہو جائیں گے۔ اگرچہ وہ اعمال ڈھیروں کے حساب سے ہوں۔

صحابہ کرام نے صحراؤں میں جہاد سے جسم کٹوائے، انگاروں پر جسم جلائے باپ بیٹوں کے رشتے ختم کرائے، بھوکے پیاسے بے وطن ہوئے مگر ان سب بے مثال قربانیوں کو اللہ تعالی نے اس وقت ختم کر دینے اور ضائع کرنے کا حکم فرما دیا اگر کسی صحابی رسول ﷺ نے سید البشر ﷺ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کی۔ ادب مصطفےٰ ﷺ پر تمام اعمال صالحہ کا فائدہ مند نہ ہونا قرآن کی نص سے ثابت ہوتا ہے۔

لہذا آج سے علماء اور خود ساختہ دانشوروں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ کہ آیا کہ وہ بے ادبی رسالت کے مرتکب تو نہیں رہے۔ کیونکہ بے ادبوں کے شعور اور عقل و سمجھ کو بھی بطور سزا سلب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ حجرات میں واضح حکم آ چکا ہے۔

خواب نمبر ۲۵

سحری کے وقت آذان سے تھوڑا وقت پہلے ایک ولی کو حضرت خواجہ صاحبزادہ پیر محمد طیب الرحمٰن قادری حضری اویسی چھوہرویؒ خواب میں سفید لباس اور چادر میں ملبوس نظر آئے دیکھنے والے ولی نے بھی سفید لباس اور سفید چادر پہنی ہوئی تھی۔ آپؒ نے اس ولی کو اپنے پاس بیٹھایا اور ایک سلسلہ قادریہ کے بارے میں حکم فرمایا کہ اس کے قلب پر انگشت رکھ کر اس کو ذکر قلبی دو اور ساتھ نفی اثبات لا الہ الا اللہ کا ذکر بھی دو ساتھ انگلی سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ذکر کی طرف اشارہ کیا جسے اولیاء سلسلہ نقشبندیہ تلوار کی صورت میں سینہ نفی اثبات کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک چھری تھی اور فرمایا اس شخص پر تیز اِسی چھری کی طرح نفی اثبات کی باطنی توجہ کریں کیونکہ اس شخص کا نفس بہت قوی ہے اور اس شخص کو نصیحت بھی کیا کریں۔ آخر میں حضرت خواجہ محمد طیب الرحمٰن چھوہرویؒ نے فرمایا کہ یہ شخص سید الاولیاء غوث الاعظمؒ برھان العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی کا مجرم ہے اس کو سلوک روحانی طے کروا کر خلافت عطا کریں۔ یہ لفظ خلافت واجازت دلوانے کا آپ نے تین مرتبہ دہرایا اور اس ولی نے خواب تین مرتبہ اجازت دینے کے الفاظ دہرائے۔

تعبیر

اس روحانی خواب کی وضاحت بالکل واضح ہے جس میں حضرت خواجہ پیر محمد طیب الرحمٰن چھوہرویؒ بمطابق حدیث سفید لباس میں ملبوس مسجد میں موجود ہونا جنتی اور مقبول ولی ہونے کی دلیل ہے اور ساتھ انہوں نے سلسلہ قادریہ میں موجود شخص کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا اسم ذات قلبی اور نفی اثبات کروا کر اس کو سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت دینے کا فرمایا اور ساتھ اس شخص کے نفس کے باغی اور سخت ہونے کا بھی حقیقت کے مطابق درست فرمایا۔

خواب نمبر ۲۶

ایک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ولی نے خواب میں دیکھا وہ ایبٹ آباد کے چمن پارک سے گزر رہا تھا ان کے ساتھ اچانک عطائے رسول ﷺ نائب رسول ﷺ، محسن انسانیت سلطان ہند خواجہ غریب نواز سید معین الدین چشتی اجمیری ظاہر ہوئے اور ساتھ ہی چلنے لگے دعا و سلام کے بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ تم نفی اثبات کے ذکر کر رہے ہو۔ اس ولی نے جواب دیا جی ہاں۔ چنانچہ اس ولی کو خواجہ حضرت غریب نوازؒ اپنے ساتھ ایک خوبصورت وسیع عمارت میں لے گئے اور عمارت کے صحن میں ایک سادہ سے مسند اور سجادہ پر تشریف فرما ہو گئے۔ وہاں آپ کے گرد لوگ جمع ہو گئے اور آپؒ لوگوں کو تعویزات بھی دے رہے تھے۔ حضرت سلطان ہند سید غریب نوازؒ نے اس نقشبندی ولی کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمھارے سینے میں تمام سلاسل و طرق کی ولایت موجود ہے۔ اس پر اس ولی نے عرض کیا سب اولیاء کے طریقے اور سلسلے میرے سینہ میں کس طرح جمع ہو گئے ہیں۔ اس پر سید مرشدی سلطان ہند خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ نے فرمایا کہ تو سب اولیاء کے سلسلوں سے محبت کرتا ہے اور کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ حضرت سلطان ہند خواجہ اجمیریؒ نے اس ولی کو فرمایا کہ تجھے میری طرف سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کی خلافت عطا کر دی گئی ہے۔ اس وقت اس ولی نے عرض کیا مجھے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اوراد بتائیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے اپنے لباس میں موجود ایک رجسٹر اٹھا کر اس ولی کو دے دیا اور فرمایا کہ اس میں سب کچھ ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ اجمیریؒ اپنی سفید رنگ کی مسند (سجادہ) سے اٹھے اور اس مسند کو اٹھا کر اس ولی کے حوالے کر دیا اور خود غائب ہو گئے جب لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے اس کے بعد جب یہ ولی اپنا جوتا (کھیڑی) پہننے کے لیے آگے بڑھا تو اس کے کالے جوتے غائب تھے۔ اب اس ولی کو ایک کالے رنگ کا بوٹ دائیں بائیں پہننے کے لیے ملا جبکہ دوسرے پاؤں پہننے کے لیے اسے اپنی

کھیڑی (جوتا) کے بجائے تنگ اور پرانی کھیڑی پہننے کے لیے ملی۔ اس کے بعد اس ولی کی آنکھ کھلی تو صبح صادق کا وقت تھا۔

تعبیر

اس خواب میں صاف طور پر اس ولی کو سلسلہ عالیہ چشتیہ عطا ہوا اور اس کو ایک عظیم بزرگ ہستی کی زبان سے سب سلسلوں کا جامع ہونے کی بشارت بھی عطا ہوئی اس ولی کے شیخ کی جامعیت و کمال کا عکس تھا جو اس ولی کے سینہ میں ظاہر ہوا چنانچہ جامع جمیع سلاسل اولیاء مرشدی محبوب سبحانی حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ نے فرمایا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ایک سمندر ہے جس میں سلسلہ عالیہ چشتیہ اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے سلوک بھی طے ہو جاتے ہیں۔ اور سب سلاسل اس میں درج ہیں اہم ترین بات ہے کہ جب اللہ تعالی کا فضل و کرم اپنی باران رحمت کردے اور سید البشر نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ میں مقبولیت عطا کر دی جائے تو پھر ان سب سلاسل عالیہ کی نسبتوں کی عطا نور اور دیگر اسرار و معارف باطنیہ کا نزول یقینی حقیقت بن جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالی رب العزت کا فضل ہے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے اس کی عطاؤں اور نوازشوں کی کوئی حد نہیں اور نہ ہی ان عطاؤں کو کوئی روکنے والا ہے۔ اللہ تعالی رب العزت کی شکر گزاری ہی بندہ ناچیز کی ہمت اور طریق ہونا چاہیے۔ بندہ عاجز سراپا عجز و ذلت ہونا چاہیے کہ تمام شانوں اور خوبیوں کی اصل اس مالک حقیقی کو سمجھنا چاہیے بندگی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں۔

اسی طرح حضرت قدوۃ العارفین مولانا ھاشم سمنگانیؒ کو بھی روحانی طور پر سب سلاسل عطا ہوئے۔ خواب میں دو قسم کے جوتے پہننا دو نسبتوں کا ظاہر ہونا تھا۔

خواب نمبر ۲۷

ایک ولی کو شیخ المسلمین امیر المومنین امام العارشقین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دیدار حالت خواب میں ہوا خواب میں آواز آئی کہ اس عظیم مرد مومن نے تقویٰ اختیار کیا اور خود مقروض رہے۔ ان کی وفات کے وقت ستر ہزار حوروں نے ان کا استقبال کیا۔

تعبیر

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ عظیم خلیفہ اور عادل و متقی حکمران تھے۔ اولیاء کرام کا فرمان ہے کہ آپ خلیفہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی طور پر قطب مدار کے عہدہ پر فائز تھے۔ بوقت وفات آپ کی ایک ہی جوڑا قمیض شلوار تھی جسے دھو کر بار بار پہنتے تھے اس قدر زہد اور ترک دنیا اختیار فرمائی۔ اس میں ان کی عظمت اس ولی پر ظاہر ہوئی تا کہ طالبین حق کی شوق بڑھے۔ اس ولی کو اس مقدس ہستی کا دیدار عطا ہوا یہ روحانی دنیا کے معاملات کا حصہ ہے اولیاء کے باطنی معاملات میں اس طرح حالات اور رہنمائی ظاہر ہوتی ہے۔

خواب نمبر ۲۸

ایک ولی نے خواب میں دیکھا کہ اس کے مرشد اپنی خانقاہ میں موجود ہیں اور ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے بھی موجود ہیں اور طبہ قرآن خوانی کر رہے ہیں جب خواب میں یہ ولی اس خانقاہ میں پہنچے تو ان کے مرشد کے صاحبزادے کی آواز سنائی دی گی کہ اس شخص کو خلافت مطلقہ کے لیے بلایا گیا ہے۔

تعبیر

اس ولی نے اس خواب کو اپنے مرشد سے بیان کیا اور اس عظیم ولی نے اسے خلافت

مطلقہ بھی عطا فرما دی کیونکہ یہ روحانی خانقاہ جہاں قرآن خوانی اور ذکر و مراقبہ ہوتا ہے تو یہ روحانی رہنمائی کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ حیات ظاہری میں بھی اس ولی کے باطنی احوال اس خلافت کا تقاضا کرتے تھے وہ فنا و بقا سے مشرف ہو چکا تھا۔

خواب نمبر ۲۹

ایک سالک نے بیان کیا ہے کہ وہ خواب میں کبھی کتے کو حملہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور لاٹھی یا چھیکر سے حملہ روک لیتا ہے آخر کار چودہ شعبان کو اس نے ایک بھیڑیا موٹا تازہ کانٹوں کے نیچے لیٹا ہوا دیکھا اس کے پاس ایک آدمی بھی کھڑا تھا اس سالک نے کدھال ہاتھ میں لے کر اس بھیڑیئے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

تعبیر

سالک نے جب اپنے مرشد ولی گرامی کو خواب عرض کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تیرے نفس کا خاتمہ ہوا ہے اور تجھے فنا حاصل ہوئی ہے اور مزید فرمایا کہ دوران تربیت خود میرے ساتھ بھی اس طرح کے روحانی واقعات ظاہر ہوتے تھے لہذا اب نفی اثبات اور تلاوت قرآن کو مزید زیادہ وقت دو اور اپنے مراقبات بھی روزانہ کی بنیاد پر جاری رکھو۔

خواب نمبر ۳۰

ایک روحانی سالک نے خواب میں دیکھا وہ حضرت شیخ طریقت حضرت علامہ قاضی غلام کبریا صاحب مدظلہ آف درویش کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور سامنے مرشدی محبوب سبحانی قطب ارشاد جامع جمیع سلاسل اولیاء قبلہ حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ تشریف فرما تھے جب حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ نے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو وہ سالک کھڑا ہو گیا تو استاد صاحب مبارک

مدظلہ نے فرمایا کہ تکلیف نہ اٹھائیں سالک نے عرض کیا حضرت آپ کے ادب میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اسی لمحے قاضی صاحب بھی اٹھ کر باہر چلے گئے۔ جس جگہ سے حضرت استاد صاحب مبارک اٹھے تھے وہ سالک اس جگہ ایک دائرہ زمین پر لگا ہوا دیکھتا ہے جب وہ سالک اس دائرہ کو بھوسہ دینے کے لیے منہ اس دائرہ کے قریب لے گیا تو اسے اس دائرہ کے اندر ایک بوڑھی خوبصورت عورت کی طرح ایک چہرہ نظر آیا۔ پھر اچانک اس کمرہ میں ایک نور ظاہر ہوا اس کمرہ کی چھت کا نور دیواروں کے نور سے مختلف تھا اس میں نور کا رنگ ہلکا پھیلا بھی تھا یہ خواب اس سالک نے شب برات کو دیکھی۔

تعبیر

خواب میں خوبصورت چہرہ دیکھنا حضرت ابن سیرینؒ کے مطابق مرتبہ اور زندگی زیادہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح سیدنا حضرت دانیال علیہ السلام فرماتے ہیں کہ چہرہ دیکھنے والا بہت سارے نیک کام کرنے کی توفیق پائے گا اسی طرح اگر نیک آدمی خوبصورت چہرہ دیکھے تو سیدنا حضرت جعفر صادقؓ کے مطابق وہ شرف و بزرگی پائے گا۔

حضرت علامہ ابن سیرینؒ کے مطابق بوڑھی عورت دنیا ہے اس خواب میں اس مقام سے جہاں سے حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ اٹھے تھے وہ دنیا جس کو اس کے مرشد برحق نے ترک کر دیا تھا۔ اس سالک نے محبت سے دائرہ کو مرشد کی نشت گاہ ہونے کی وجہ سے چومنے کی کوشش کی جب وہ عورت دنیا کی صورت میں ظاہر ہوئی تو اس سالک کو اللہ تعالی نے اس کی طرف متوجہ ہونے سے بچالیا اور فوراً انوارات اس کمرہ میں ظاہر ہوئے وہ سالک ان انوارات کی طرف متوجہ ہو گیا اور وہ دنیا اس سے غائب ہو گئی۔ خاص طور پر زرد رنگ کے نور سے لطیفہ روح کا نور ہے جو وہاں غائب تھا بعد اس سالک کے اس لطیفہ روح کو عروج باطنی بھی نصیب ہوا اس سالک کی

ولایت اس مقام پر لطیفہ روح کی ولایت سے نسبت رکھتی ہے۔ عورت کے ہٹ جانے سے اور غائب ہونے سے اس کی دنیا کی محبت کو ختم کرنے کی بھی دلیل ظاہر ہوتی ہے۔

خواب نمبر ۳۱

ایک ولی اللہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک گاؤں کی گلی میں پیدل چل رہا ہے اس گلی کی دائیں اور بائیں والی دیواریں کچی گارے (یعنی مٹی) کی بنی ہوئی ہیں۔ اس کو غیبی آواز آتی ہے جب وہ اس گلی سے نکلتا ہے کہ یہ شہود کی منزل ہے اس گلی سے نکلتے ہی وہ ولی اللہ جسم کے ساتھ ہی آسمان کی طرف اڑنا (پرواز کرنا) شروع کر دیتا ہے جب بلندیوں کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے دیکھا کہ اس ہاتھ ایک بالٹی بھی ہے۔ جب وہ اس باطنی پرواز سے واپس زمین پر اترا تو وہاں پر برھان ولایت سراپا شریعت مرشدی قطب ارشاد حضرت محمد لعل خان صاحب قندوزی المعروف حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ تشریف فرما تھے۔ جب وہ ولی اللہ آپ کے قریب ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا تیرے ہاتھ میں کتنی بالٹیاں (پانی کا برتن) تھیں۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت میرے پاس ایک بالٹی تھی یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تجھے مبارک ہو۔ آپ نے پھر اس اپنے مرید ولی اللہ سے پوچھا کہ اس باطنی پرواز کے دوران بلندیوں پر تیرے ساتھ آگ تو موجود نہیں۔ اس نے جواب عرض کیا کہ اس باطنی پرواز میں مجھے کہیں بھی آگ نظر نہیں آئی۔ آپ پھر اپنے مرید ولی اللہ کو فرمایا مبارک ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوران پرواز باطنی تیرے پاؤں میں کتنے جوتے (چپل) تھے اس نے عرض کی ایک جوتا (چپل) تھا۔ یہ سن کر آپ نے پھر مبارک دی۔

تعبیر

اس شخص کا کچی مٹی کی بنی دیواروں کے درمیان چلنا صراط مستقیم پر چلنے کی دلیل ہے اگر

دیواریں پختہ ہوتیں تو معاملہ اس کے الٹ ہوتا چپل کا ایک ہی ہونا دوران بلندی آخرت پر نظر کی دلیل ہے اور دنیا کو پیچھے چھوڑنا دوسرے جوتے چھوڑنا تھا۔ تنگ گلی سے تعبیر وحدت وجود سے اجمالی طور پر گزرنا ہے۔ اور کھلی فضا اور کھلی شاہراہ پر پڑنا وحدت شہود کی طرف اشارہ ہے۔ بالٹی پانی اور دودھ یا شہد ڈالنے کا برتن ہے بلندیوں کی طرف بڑھتے ہوئے خالی بالٹی لے جانا باطنی نعمتوں فیوضات وحکمت، شریعت وفطرت، علوم لدنیہ اور انوارات قرآنیہ کی طلب میں خالی کاسہ لے کر گدا کرنے سے عبارت ہے۔ باقی محبوب خدا ﷺ کے جمالیاتی جلوؤں اور انوارات مصطفوی ﷺ پر لب کشائی کرنا بے ادبی اور بے وقوفی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ رب العزت جلا جلالہ کی ذات و صفات کے اسرار ومعارف کے مشاہدین وگواہین حضرات انبیاء ومرسلین علیہم السلام ہی ہیں۔ وہی ازلی خوش نصیب اور سعادت مند ہیں۔

توحید کے حقائق کے امین وہی ہیں اور اس اعلیٰ واقدس موضوع پر اپنی ترجمانِ وحی زبان سے مہک بھرے پھول نچھاور کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العزت اپنی صفت رحمانیت کے برکات بوسیلہ حبیب مصطفیٰ ﷺ راقم الحروف ذلیل وتاریک، سراپا معاصی کبائر پر نچھاور فرمائے تو تب جا کر جان وایمان بخشی ممکن ہوگی ورنہ ناچیز کے لیے قبر ودوزخ سے بچاؤ کا کوئی بھی راستہ نہیں۔ الٰہی الامان الامان الامان۔

خواب نمبر۳۲

ایک دفعہ دو ولیوں کا سفر اپنے پیر ومرشد کی بیمار پرسی کے لیے جاری تھا۔ یہ حالت بیداری کا باطنی مشاہدہ ہے راستے میں ایک ولی نے جب شیخ المشائخ حضرت سلطان باہوؒ کا یہ شعر پڑھا:

دیدار مرشد داسینوں بہتر لاکھ کروڑاں حجاں ہو

تو اس وقت ایک ایسی روحانی کیفیت طاری ہوئی جیسے آسمان سے سیاہ انوارات مثل غلاف کعبہ ان کے مرشد مبارک پر نزول کرتے ہوئے ظاہر ہوئے جو کسی دوسرے شخص کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ ان کے مرشد مبارک ان انوارات میں گم تھے اور ان کا جسم مبارک نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس ولی کو یہ مشاہدہ ہو رہا تھا اچانک اس کے مرشد کے جسم مبارک سے سبز انوار اس کی طرف آنا شروع ہوئے وہ اس کیفیت میں رو رہا تھا۔

اس کی وضاحت واضح ہے اس کے مرشد کامل پر قربت کے انوار تھے جو صرف ان کا ہی خاصہ تھا جبکہ مشاہدہ کرنے والے کو لطیفہ اخفیٰ کا فیض سبز نور کی صورت میں عطا ہوا مشائخ کرام کے نزدیک رونا اور گریہ وجد کی اعلی ترین شکل ہوتی ہے۔ حالت بیداری میں ایسا مشاہدہ اللہ تعالی رب العزت کی خصوصی عطا کر نتیجہ ہے جس میں باطن کا انکشاف ہوتا ہوا سے کسی کے ذاتی کمال اور کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف فضل ربانی کا ظہور ہے وہ اپنے بندوں پر کس طرح ان کے یقین کو مستحکم کرنے کے لیے اپنی نشانیوں کو ظاہر کرتا ہے۔

خواب نمبر ۳۴

ایک ولی اللہ کو خواب میں حضری علوم کی ایک کتاب عطا ہوئی جس کی موٹائی مکتوبات معصومیہ کی ایک جلد کے برابر تھی اور غیبی آواز آئی کہ یہ حضری علوم ہیں۔

تعبیر

قرآن مجید میں سیدنا حضرت حضر علیہ السلام سے علوم لدنیہ کو منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں علوم لدنیہ بذریعہ الہام قلبی اس ولی کو عطا ہوئے ہیں۔ نفس مطمئنہ عطا ہونے کی صورت میں الہام کا دروازہ کھلنا قرآن سے ثابت ہے جیسے کہ فرمایا گیا ہے کہ اس نفس مطمئنہ کو نیکی اور بدی کا

الہام کیا۔

خواب نمبر ۳۵

ایک مشاہدہ باطنی کا منظر حالت بیداری میں اس طرح ہے کہ ایک ولی اللہ پر ظاہر کیا گیا جب وہ قدوۃ الاولیاء جامع جمیع سلاسل ولایت حضرت علامہ مولانا محمد ھاشم سمنگانی پیر سباق شریف نوشہرہ کے عرس منعقدہ جامع مسجد درویش ہری پور میں شریف تھے (08/10/2008) کو اس عرس کی محفل کی صدارت حضرت استاد صاحب مبارک مدظلہ فرما رہے تھے جب شاعر نے عاشق مقبول حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے فارسی نعت کے اشعار پڑھے تو اس وقت اس شخص پر ایک کیفیت طاری ہوئی جس میں اس نے خود کو روضہ اطہر وانور میں قبر منورہ کے منظر کو بصد شوق دیکھنے کی سعادت حاصل کی اور جب سید البشر نور مجسم ﷺ کے سامنے شرف حاضری پایا تو بے مثل انوارات مصطفوی ﷺ میں بندہ عاشق کا جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ انوارات کی چمک میں جسم ریزہ ریزہ ہو کر آسمانوں کی طرف اڑ گیا اور اس کے جسم سے منعکس ہونے والے انوارات بعض دوسرے خوش نصیبوں کے جسم پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ جس شخص کو یہ باطنی مشاہدہ عطا ہوا وہ اس لمحے مسجد میں بے خودی کی حالت وجد میں لیٹا ہوا تھا کہ اس کو دوسرا مشاہدہ یہ حاصل ہوا کہ کہ کائنات ساری خالی ہے۔ محشر کا منظر ہے اور اس کے باطن سے پردے ہٹ گئے اور اس پر عرش عظیم مثالی صورت کا انکشاف ہوا اور آسمانوں کی بلندیوں کی طرف اس مثالی صورت کا مشاہدہ کیا حالانکہ درمیان آسمان نہیں تھے۔

تشریح

اس بندہ مومن کا مشاہدہ عطائے ربانی کی جھلک ہے اور اللہ تعالیٰ رب العزت سے

شدت کی محبت کرنے والے مومنوں کے شوق کو مزید بڑھانے کے لیے ایک خوشخبری ہے اور اس کو تحدیث نعمت کے طور پر عاشقوں کی حوصلہ افزائی کے لیے درج کیا گیا ہے۔ تا کہ عشق مصطفےٰ ﷺ سے اپنے دلوں کو روشن کرنے والوں کو ہمت و حوصلہ فراہم ہو سکے ایک طرف عطاؤں کے کمال ہیں اور دوسری طرف عاشقوں کی بے بس اور بے ہمتی وہ ان نعمتوں کو سمیٹنے سے قاصر ہیں۔ ان رحمانی عطاؤں اور کرم نوازیوں کی باران رحمت آج بھی قرون اولی کی طرح جاری و ساری ہے۔

الحمد و شکر لک یا رب اللعلمین

الصلوۃ و السلام علیک یا رحمۃ اللعلمین

بے شک اللہ تعالی نیتوں کو جاننے والا ہے بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ان مشاہدات و احوال کے اندراج کا مقصد صرف عاشقوں کی حوصلہ افزائی ہے اسی لیے مشاہدہ اور خواب دیکھنے والوں کے نام ظاہر نہیں کیے۔ روحانی خوابوں کا ذکر مشائخ کی مستقبل میں رہنمائی کے لیے بطور نمونہ کیا گیا ہے۔

خواب نمبر ۳۶

خواب میں چند سالکین کیری ڈبہ میں سوار تھے ان میں سے ایک سالک کو دنیا کی زیادہ لالچ رکھنے کی وجہ سے دوسرے اتارنے کی کوشش کر رہے تھے وہ ان کا ہاتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ جب وہ اپنے گھر کے پاس پہنچا تو وہاں اس کا ایک رشتہ دار دنیا دار آدمی تھا مگر وہ رسمی طریقت میں شامل تھا جب وہ گاڑی کے قریب آیا اور دروازہ کھولا گیا وہ اس دنیا دار کے ساتھ اتر کر چلا گیا۔

تعبیر

دوسرے سالکین کی اس سے دنیا پرستی کی وجہ سے باطنی نفرت حقیقت ثابت ہوئی جب

اس دنیا دار آدمی کی طرف چلا گیا اور اپنے حقیقی سالکین کو چھوڑ گیا۔

خواب نمبر ۳۷

ایک سالک طریقت کو اپنے پیر بھائی ولی اللہ کے ساتھ خواب میں یہ کیفیت حاصل ہوئی کہ اس کی زبان سے نکلا کہ اب ہم لوگ روحنین (روحانی شخصیات) میں شامل ہو گئے ہیں۔

تعبیر

جب نفسانیت پر تزکیہ نفس کے بعد روحانیت غالب آ جاتی ہے۔ لطافت و نورانیت کے استغراق میں پہنچنا دراصل روحانین کے گروہ میں جانا ہے۔ کثافت و تاریکی سے لطافت و نورانیت کے دائرہ میں جانے کی خوشخبری عطا ہوئی۔

خواب نمبر ۳۸

ایک نقشبندی ولی اللہ کو حالت خواب میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے خواجگان کی روحانی محفل کی حاضری نصیب ہوئی اس روحانی محفل میں جب لطائف کے اذکار سے آواز پیدا ہوئی اس حالت حیات ظاہری میں موجود ولی کے لطائف سے ذکر کی آواز بلند ہوئی۔

تعبیر

آواز کا بلند ہونا زبان کے ذکر سے ہوتا ہے۔ مگر کمال شان کی بات ہے کہ لطائف سے ذکر کی آوازوں اللہ اللہ اللہ کا بلند ہونا حیات باطنیہ اور انشراح صدر کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ فیضان نبوت کے فیوضات کی عکاسی کا مشاہدہ ہے ان حضرات قدس کو عطا ہے۔ شیخ الاسلام امام ربانی قیوم زمانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مبارک دور میں بھی دو یا تین آدمیوں کو یہ شان حاصل تھی کہ ان کے لطائف حالت بیداری میں اسم ذات اور نفی اثبات کی آواز پیدا کرتے تھے۔ اس دور میں

بھی اللہ تعالی کے فضل و کرم سے لطائف باطنیہ سے ذکر کی آواز ایک ولی کو عطا ہوئی ہے۔ یہ لطافت کی انتہا اور قرب خداوندی کی نشانی ہے۔ الحمد اللہ

خواب نمبر ۳۹

ایک چشتی ولی اللہ کو برہان ولایت سلطان ہند سیدی مرشدی حضرت سید معین الدین چشتی اجمیریؒ کے روضہ مبارک کی حاضری نصیب ہوئی۔ اس وقت اس چشتی نقشبندی ولی اللہ کو اپنا ایک سید مرید بھی نظر آیا۔ اس ولی اللہ کے سامنے ان کے سید مرید حضرت خواجہ اجمیر کی قبر اقدس میں اتر کر نیچے داخل ہوئے پھر اس ولی اللہ جس نے خواب میں مشاہدہ کیا قبر میں اترنا چاہا تو اسے یہ کام مشکل نظر آیا مگر جب وہ آگے بڑھا تو آسانی سے نیچے اس کشادہ قبر میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کر لی وہاں پہنچ کر اس ولی اللہ نے بلند آواز سے اعلان کیا جو کوئی بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت کرنا چاہتا ہے آ جائے وہاں دو شخص آ کر بیعت ہوئے۔ اس کے بعد اس ولی اللہ حضرت خواجہ اجمیری کے پرانے اصل گارے مٹی کے گھروں کی زیارت کروائی گئی جن میں آپؒ رہائش فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سیدی خواجہ سلطان ہند کے گھر مبارک سے برتن میں میٹھے چاول تھے۔ خواب دیکھنے والے ولی اللہ کو دو پیالے اٹھانے کی اجازت ہوئی باقی لوگوں کو ایک ہی پیالہ عطا ہوا اس موقعہ پر عطائے رسول محسن برصغیر سلطان ہند سید خواجہ معین الدین اجمیریؒ خود تشریف فرما تھے اور اپنے نورانی وجود کا دیدار کروا رہے تھے۔ وہاں اس ولی اللہ کے سید مرید بھی بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ اس وقت اس سید کا چہرہ غائب ہو گیا اور اس کے جسم پر سیدی و مرشدی حضرت خواجہ غریب نواز کا چہرہ سج گیا۔ اس موقع پر ایک لوگوں کا ایک اجتماع ظاہر ہوا جس میں خواب دیکھنے والے ولی اللہ نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کی عظمت بیان کی اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے انہیں حضرت خواجہ سلطان الہند کے لقب سے

پکارنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ خواب بوقت سحری مورخہ ۲۰۱۱-۵-۸ کو دکھایا گیا ہے۔

اسی ولی اللہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو اٹھائے ہوئے پیدل حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اور راستہ میں شیروں کے پاس سے بغیر کوئی خطرہ محسوس کیے ہوئے گزرتا ہے اور محفوظ ہے اور جب وہ چاہتا ہے ہوا میں اڑنا شروع کر دیتا ہے بقول اس ولی کے اکثر وہ جب خواب میں ہوتا ہے اڑ کر سیر کرتا ہے جبکہ لوگ اسے نیچے دیکھتے ہیں۔ اسی خواب میں اس ولی اللہ نے دیکھا وہ اپنی والدہ کے ساتھ سر پر اچھے امرود کے پھل اٹھائے ہوئے چل رہا ہے۔

تعبیر

اس ولی اللہ کا سلطان الہند حضرت خواجہ اجمیریؒ کے روضہ مبارک پر حاضر ہونا اسی کے باطنی رجوع کی نشانی ہے کہ آپ نے خود اس کو روحانی طور پر خلافت عطا فرمائی حالانکہ آپ کے اس دنیا فانی سے تشریف لے جاتے ہوئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔ لہذا اس ولی اللہ کی اپنے مرشد کے پاس روحانی حاضری ایک اچھا عمل ہے اور آپ کی قبر مبارک کو سونے کے رنگ میں دیکھنا وہ خواجہ غریب نوازؒ کے قلب کے انوار کا اثر تھا کیونکہ قلب کے نور کا رنگ سونا نما ہوتا ہے۔ اسی ولی اللہ کو قبر میں اترنے کی اجازت دینا کمال درجہ کی فیض یابی کی علامت ہے۔ اسی ولی اللہ کو برہان علوم لدنیہ غوث الزمان عبد الرحمٰن چھوہرویؒ قادری نے بھی ایسا ہی شرف عطا کیا ان کے ساتھ بھی اس کو اسی طرح کی قربت نصیب ہوئی۔ دوسرا لنگر کے چاول وہ فیض یابی اور منفعت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ سیدنا امام جعفر صادقؓ کی تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس سید بزرگ کو بھی خلافت عطا کرنے کے لیے اس کے مرشد کے مشاہدہ کروایا گیا کہ اس کے سر اور چہرہ کی جگہ حضرت خواجہ اجمیر کا مبارک چہرہ آ گیا یعنی اس کو چشتی نسبت اور فیض عطا ہو گیا ہے لہذا وہ خلافت کا مستحق ہے چنانچہ اس ولی اللہ نے اس سید بزرگ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ کی خلافت عطا کر دی تا کہ روحانی حکم تعمیل

ہو سکے۔

روحانی سلاسل میں ہمیشہ اکابرین مشائخ کرام کی ارواح بعد میں آنے والے اپنے پیروکاروں کی اسی طرح روحانی رہنمائی کرتی ہیں اولیاء عظام کی تاریخ ایسے معاملات سے بھری پڑی ہے۔ یہ روحانی معاملہ صرف روحانی اولیاء کرام کے لیے دلیل ہے ان سلسلوں میں مشائخ عظام روحانی مجتہدین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تزکیہ نفس وتصفیہ قلب سے محروم لوگ عدم لطافت کے پاس عالم برزخ کے اولیاء سے فیض یابی نہیں کر سکتے اس لیے شیخ ظاہری کی بیعت ضروری ہے۔

خواب میں امرود تازہ سبز اٹھائے ہوئے ہونا نفع بخشی اور مال حلال کی دلیل ہے۔ اور شیروں سے محفوظ رہنا اس کے لیے نفس وشیطان جیسے دشمنوں سے روحانی طور پر محفوظ ہونا ہے جبکہ دنیا کے دشمنوں پر فتح کی خوشخبری ہے۔ چھوٹے بچے کو اٹھائے ہوئے حج کی طرف جانا دلیل ہے وہ بچہ والد کے نقش قدم پر چلے گا اور اللہ تعالی رب العزت اور سید عالم ﷺ کی محبت اور عشق میں والد کے طریقہ پر رجوع رکھے گا۔ طریقت میں کسی کا اٹھائے ہوئے ہونا اس کے طریقہ پر چلنے کا اشارہ ہوتا ہے۔

خواب نمبر ۴۰

ایک ولی اللہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک حافظ قرآن لڑکے کو جو چارپائی کے اوپر بیٹھا ہے اپنے سر پر اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے وہ لڑکا ایک ولی اللہ کا فرزند ہے۔

تعبیر

وہ لڑکا علم شریعت اور علم معرفت میں اس ولی اللہ کے نقش قدم پر چلے گا اور اس کو دونوں علوم عطا ہونگے۔

خواب نمبر ۴۱

ایک ولی اللہ نے اپنے پیرومرشد کو صحت منداور توانا بلند قامت والا دیکھا اور اس کو اپنے پیرومرشد اس کو اپنے ساتھ آگے کی طرف لے گئے جبکہ اس کے پیر بھائی خلیفہ صاحب قدرے غم وغصے کی حالت میں ادھر ہی کھڑے رہے۔

تعبیر

مرشد کی عظمت وشان ظاہر ہوتی ہے اور سلسلہ کے قوت کی بھی دلیل ہے اور مرشد کا ساتھ لے جانا مزید عطا کی نشانی ہے جبکہ پیچھے رہنے والے دوست کے لیے کچھ محرومی ہے اور اس کی مزید ترقی شاہد نہ ہو سکے۔

خواب نمبر ۴۲

ایک ولی اللہ کو 30/04/2014 کو سید البشر نور مجسم ﷺ کی طرف سے ایک شخصیت نے ایک خاص کھجور کا تحفہ حالت خواب میں پہنچایا گیا۔ اس بابرکت کھجور کا سائز عام دنیا کی کھجوروں سے بڑا تھا وہ اس کھجور سے ایک خاص نورانیت ٹپک رہی تھی۔ وہ کھجور صاف شفاف پلاسٹک کے کور میں بند تھی۔ وہ دنیا کی تقریبا دو بڑی کھجوروں کے برابر لمبائی اور تین کھجوروں کے برابر موٹائی میں تھی۔

اس مبارک خواب سے دو دن پہلے اسی مرد صالح نے خواب میں دیکھا کہ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ کے الفاظ دیکھ رہا ہے اور وہ قرآن مجید کی تفسیر اور حدیث کی شرح کے علم سے واقفیت رکھتا ہے اور قرآن وحدیث کے علوم پر گفتگو کر رہا ہے۔

تعبیر

حضرت علامہ ابن سیرینؒ کے مطابق کھجور کا ملنا علم، مال حلال اور مراد کا پانا ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ کھجور کا ملنا منفعت اور غموں سے نجات کی دلیل ہے ایسا شخص ایمان کی لذت پائے گا جب اس تحفہ کی نسبت نبی مختار ﷺ سے ہوگئی تو پھر دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کی خوشخبری اور سند مل گئی۔ ایسے خوش قسمت کے مقدر کا کون سوچ سکتا ہے جس کو اتنی ناقابل بیان عظمتوں بھری بارگاہ سے تحفہ آئے اس شخص پر اس بارگاہ مقدسہ کی غلامی اور وفاداری فرض ہے۔ اسی برکت سے وہ شخص الہامی علوم سے قرآن و حدیث کی برکات و تفہیمات پر گفتگو اور تحریر کی طاقت رکھتا ہے۔

خواب نمبر ۴۳

ایک ولی اللہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا نر بیل ہے اس کو ذبح کرنے کے لیے اس کے والد گرامی اور بھائی بھی شریک تھے مگر وہ قابو نہیں آ رہا تھا جب اس کو گرایا گیا تو اس شخص کے لڑکے نے اس بیل کی ٹانگوں میں کیل ٹھونکے اور اس کے بھائی نے پھر اس بیل کو ذبح کر دیا۔ بیل نے پھر کوئی حرکت نہ کی۔ وہ صالح شخص پاس کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

تعبیر

یہ اسی مرد صالح کے نفس اور قالب کی فنا کا منظر ہے۔

خواب نمبر ۴۴

ایک ولی اللہ نے ایک خواب دیکھا کہ وہ بڑے اونٹ کے گرد مضبوط رسی کا گھیرا ڈالے ہوئے ہے اور اونٹ مکمل گرفت میں ہے۔ اسی طرح کی خواب ایک دوسرے صالح شخص نے بھی

دیکھی۔

تعبیر

اس خواب میں ان دونوں بزرگوں کے قالب کی فنا کی خبر ہے کہ ان کے اجزائے قالب مٹی ہوا آگ پانی کی فنا ہو چکی ہے لہذا اونٹ جو اپنے جسم میں عظمت و خود نمائی رکھتا ہے وہ کنٹرول ہو گیا ہے۔ اس میں لطیفہ قالب کی فنا کی خبر ہے۔

خواب نمبر ۴۵

ایک سالک کو اس کے مرشد کا خواب میں سحری کے وقت دیدار ہوا۔ اس نے مرشد کے سینہ سے ایک صندوق بند نکلتا ہوا دیکھا اور حقائق فریدیہ نکلتے ہوئے دیکھے جو اس سالک کے سینہ میں داخل ہو گئے۔ اسی دوران اس سالک نے دیکھا کہ ایک کعبہ نما کمرہ ظاہر ہوا مگر اس کا رنگ زرد تھا۔ ملائکہ اس کے مرشد کو اس میں بیٹھا کر آسمانوں کی طرف لے گئے۔ اسی موقع پر اس سالک نے دیکھا امام الاولیاء سیدنا غوث الاعظمؓ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تشریف فرما ہیں اور ساتھ اس کے مرشد پاک ہیں۔ دونوں حضرات نے چہرے مبارک قریب کیئے ہوئے ہیں اور مقام غوثیت اور دائرہ قطبیت پر کسی مقرر کرنے کے لیے مشاورت فرما رہے ہیں یہ سالک بھی اپنے چہرے کو قریب کیئے ہوئے تھا مگر اتنی قربت کے باوجود سیدنا غوث اعظمؒ کے چہرہ کا دیدار نہیں کر رہا تھا۔ صرف آواز مشاورت سن رہا تھا۔ اسی مشاورت کی کوئی بات یاد نہیں رہی۔ پھر اسی سالک کو اپنے مرشد کی خانقاہ سے ایک بڑے برتن سے خوب شہد پینے کی سعادت حاصل ہوئی اور بعد میں ایک گلاس دودھ بھی عطا ہوا۔ اسی سالک نے اپنے شیخ کے سامنے لیٹ کر ذبح ہونا بھی پسند کیا۔

تعبیر

شیخ کامل کے سینہ سے نکل کر سالک کے سینہ میں جذب ہونے والے اسرار و معارف ہیں جو سینہ بسینہ امانت کے طور پر منتقل ہوتے ہیں شیخ کامل نے خود فرمایا کہ زرد رنگ کعبہ کا آسمان کی طرف عروج کرنا اس سالک کے لطیفہ روح کی فنا و بقا کی پرواز کا منظر تھا۔

کیونکہ لطیفہ روح کے نور کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ اس کے مرشد کا سیدنا غوث اعظمؒ سے مشاورت کرنا اس بات کی دلیل ہے وہ تکوینی معاملات کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس سالک نے اپنی روحانی کمزوری کے باعث حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ کے چہرے کو قریب ہونے کے باوجود نہ دیکھ سکا۔ بعد میں دوسری خواب میں اس سالک نے بتایا کہ اس کو حضرت غوث الاعظمؒ کا دیدار حاصل ہوا اور فیضیابی بھی ہوئی۔

سالک کا شہد اور دودھ پینا کمال درجہ کے شریعی و باطنی معارف کا حاصل کرنا ہے یہ نعمتیں تو سرور کائنات ﷺ کو معراج کے موقع پر پیش کی گئی تھیں۔

اسی سالک نے عید قربان کے موقع پر سنت اسماعیل کی پیروی میں اپنے مرشد کے سامنے لیٹ کر ذبح ہونے کی سعادت سے اپنے حقیقی روحانی فرزند ہونے کا ثبوت حاصل کر لیا اور حقیقی فنا و بقا سے مشرف ہو گیا۔

اللہ تعالی رب العزت اپنے حبیب مکرم ﷺ کے وسیلہ سے راقم الحروف کی غلطیوں اور گناہوں اور تحریری لغزشوں کو معاف فرمائے۔ ناچیز مشائخ و سالکین طریقت کی روحانی امور میں رہنمائی کے لیے بعض پوشیدہ خوابوں اور مشاہدوں کو بھی قلم بند کیا ہے اور بعض عظیم حقائق کو یہاں بیان نہیں کیا وہ امانت کا درجہ رکھتے ہیں۔